بیادگار حضرت بابر سلطان القادری

مخطوطہ کتاب

قُرب و حضور

فی معرفت

جَذب و سرور

حضرت بابر سلطان القادری



جناب بابر سلطان القادری

۲۰۰۹

پیش لفظ

دوستو! میرا نام زاہد علی خاں ہے اور مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں نے روحانیت کی اس عظیم ہستی **جناب بابر سلطان القادری** سے نہ صرف زانوئے تلمذ حاصل کیا بلکہ آپ نے مجھے اپنی علمی معاونت کا شرف بھی بخشا۔ علم جفر، ہومیو پیتھی اور پھر روحانیت میں میری رہنمائی فرمائی۔ آپ کی زیر نظر کتاب آپ نے اپنی زندگی میں مجھے مطالعہ اور تدوین کے لئے حوالہ کی اور اسے انٹرنیٹ پر ترویج دینے کی ہدائیت بھی کی۔ اس کتاب میں جناب بابر سلطان کا جذب و سرور اور ان کی کیفیات سطر سطر میں موجود ہیں۔ یہ ان کا قال نہیں ان کا حال ہے۔ میں آج پھر ان سے کیا پیمان نبھاتے ہوئے اسے آرکائیو کے لئے اپلوڈ کر رہا ہوں۔ اس کتاب کی کہانی، زندگی رہی تو ضرور کبھی نہ کبھی پیش کروں گا۔

جو لوگ اس عظیم ہستی اور ان کے علوم سے تعارف حاصل کرنا چاہیں وہ ان کی کتب مثلاً تجلیات جفر، تحقیق جفر، مظاہر جفر، تحقیق ہمزاد، تحقیقات ہومیو پیتھی، جینیاتی ہومیو پیتھی، البرکات وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ آپ کے لکھے سیکڑوں مضامین آپ کی علمی قابلیت اور روحانی استعداد کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کا تذکرہ بھی عزیزم میجر وسیم القادری نے میرے باباجی کے نام سے شائع کروایا ہے ضرور پڑھیے۔

Saturday, May 18, 2019

﴿ قرب و حضور ﴾
فی
﴿ معرفتِ جذب و سرور ﴾

(حضرت بابر سلطان القادری مدظلہ العالی)

انتساب

کامل و اکمل ، جامع نورالھدیٰ ، مرشد برحق ، سرِّ الٰھی ، دانائے رازِ حق ، مظھر وجود مطلق ، صاحب رسید و یافت ، سیف اللسان ، صاحب لفظ و نطق ، **شیخ من حضرت سید محمد امین شاہ گیلانی قادریؒ شاھکوٹ شریف** کے نام کہ جن کے در کی دریوزہ گری اس عاجز کیلئے باعث صد افتخار ھے ۔

احقر

بابر سلطان القادری عفی اللہ عنہ‘

''هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُونَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُونَ ہ ''

(کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟)

پارہ:33 ، سورہ زمر:9

قال را بہ گزار مردِ حال شو پیشِ مردِ کاملِ پامال شو

نمازِ زاہداں سجدہ سجودِ است نمازِ عاشقاں ترکِ وجودِ است

ابوابِ کتاب پر ایک نظر

تو خود حجاب خودی حافظؔ از میان برخیز
خوشا کسے کہ در این راہ بے حجاب رود

گلگون لباس کردو سوار سمند شد
یاران حضر کنید کہ آتش بلند شد

بادہ از ما مست شد نے ما ازو
قالب از ما هست شد نے ما ازو

(رومؒ)

﴾ شراب میں مستی کہاں سے آئی۔ ہماری مستی ہی اس کے اندر ہے اور تابِ انسانی کہاں سے زندہ ہوا۔ ہم ہی تو تھے جس سے آدم کی مٹی کا خمیر بنایا گیا۔ ﴿

لَا اٰدَمَ فِی الْکَوْنِ وَلَا اِبْلِیس
لَا مُلْکَ السُّلَیْمَان وَلَا بَلْقِیس

فَالْکُلُّ عِبَارَۃٌ وَاَنْتَ الْمَعْنِی
یَا مَنْ هُوَ لِلْقُلُوبِ مَقْنَاطِیس

(ابن عربیؒ)

﴾ کائنات میں نہ آدم ہے، نہ ابلیس ہے، نہ ملکِ سلیمان ہے، نہ ملکہ بلقیس ہے۔ یہ سب عبارات ہیں۔ اور اے محبوبِ حقیقی! تو معنی ہے اور تمام قلوب کیلئے تُو مقناطیس ہے۔ ﴿

من نہ ام واللّٰہ یاراں م نہ ام
جانِ جانم سِرِ سِرم من نہ ام

نورِ پاکم آمدہ در مشتِ خاک
کور چشماں راولے روشن نہ ام

اوست اندر سِرِ من ظاہر شدہ
من نہ ام مسعود واللّٰہ من نہ ام

(بابا فرید گنج شکرؒ)

ایمن مشو کہ ابلقِ مردانِ زاهدرا
در سنگلاخ بادیہ پاها بریدہ اند

نامید هم مشو کہ رندانِ بادہ نوش
ناگاہ بیک خروش بہ منزل رسیدہ اند

﴾ بے فکر نہ ہو کہ زاہدوں کے ابلقی گھوڑوں کے پاؤں عشق کی سنگلاخ وادی میں کٹ گئے اور نا امید بھی نہ ہو کیونکہ رندانِ بادہ نوش ایک نعرہ مستانہ لگا کر منزل پر پہنچ گئے۔ ﴿

رازِ آتش کدۂ دل بہ کسے نتوان گفت
خبرے صاحبِ در گوش کسے نتوان گفت

﴾ دل میں روشن آگ کے درد اور محبوب کا حال ہر ایک کو نہیں بتایا جا سکتا۔ ﴿

رہزن نا منزل نزند ای راہ رو مقصد قافلہ را بہ جرس نتوان گفت

﴾ اے راستہ چلنے والے! جب تک تُو منزل پر نہیں پہنچ جاتا (یا اے راہِ سلوک کے طالب! جب تک تُو کوئی مقام حاصل نہیں کر لیتا، راہ زن (شیطان) کا خطرہ موجود ہے) تب تک قافلے کی گھنٹی کو بھی منزل کا پتہ نہیں بتایا جا سکتا ہے۔ ﴿

ای تنک حوصلہ تو محرم اسرار نہ ای در پیِ سیمرغ بہ پیشِ مگسی نتوان گفت

﴾ اے کم حوصلہ! تو محرم اسرار نہیں ہے (یعنی تھوڑی سی آزمائش سے ہی گھبرا گیا ہے تو پھر تُو کیسے اللہ کے رازوں کا امین ہو سکتا ہے) جیسے کہ مکھی کو سیمرغ کا راز نہیں بتایا جا سکتا۔ ﴿

ما رخت ز مسجد بہ خرابات کشیدیم خط بر ورق زھد و کرامات کشیدیم

﴾ ہم نے اپنا بوریا بستر مسجد سے مے خانے منتقل کر دیا ہے اور زہد و کرامات کے صفحے پر خطِ تنسیخ پھیر دیا ہے۔ ﴿

در کوئے مغاں در صفِ عشاق نشتیم جام از کفِ رندانِ خرابات کشیدیم

﴾ اور ساقی کے کوچے میں عشق کی صف میں جا بیٹھے ہیں اور مے خانے کے رندوں سے جام چھین لیا ہے۔ ﴿

از زھد و مقامات گزشتیم کہ بسیار کاس و تعب از زھد مقامات کشیدیم

﴾ اور زہد اور پرہیز گاری سے گزر چلے کہ بہت ہو گیا۔ اور زہد و تقویٰ کی بجائے ملامت اور رنج کو لے لیا ہے۔ ﴿

کہ خوش باشد دل آرامم تو باشی ندیم و مونس و یارم تو باشی

﴾ کون خوش رہ سکتا ہے، جس کے دل کا قرار تُو ہو۔ جس کا ندیم، غم گسار اور دوست تُو ہو۔ ﴿

ای قوم بہ حج رفتہ کجائید کجائید معشوق ہم ایں جا است بیائید بیائید

چیزے کہ نہ کر دیدگم از بہر چہ جوئید کس غیر شما نیست کجا اید کجا اید

﴾ اے لوگو! تُم حج کرنے کہاں جا رہے ہو، محبوب تو یہیں ہے، یہاں آؤ۔ جس چیز کو تم نے کھویا ہی نہیں تو پھر اسے کیوں تلاش کر رہے ہو۔ غیر تو ہے ہی نہیں، اگر ہے تو بتاؤ۔ ﴿

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

باب اول

حمد باری تعالیٰ

"شانِ سبحانہ تعالیٰ"

شان اسی کی ہے جو مقدس و پاک ہے اور جس کی حمد کا حق مخلوقات ادا نہیں کر سکتیں۔ اس کے حسن کا آفتاب مع اپنے فلک کے اس کی ذات میں غروب و پوشیدہ ہے جو نہ اس بطون سے نکلا اور تبدیل ہوا۔ وَهُوَ الآنَ كَمَا كَانَ ۔ اور پاک مقدس ہے وہ ذات جو باوجود ظہور کے اپنے باطن میں پوشیدہ ہے۔ حیرت اندر حیرت اندر حیرت است کہ عقلیں اس کی کنہ کو پانے میں گم گشتہ ہو گئیں۔ اور پھر کبھی بھی اس کا سراغ نہ مل سکا۔

حق سبحانہ تعالیٰ اپنے نفس میں بلند ہے اور قدیم ہے کہ حادث کو اس کے ساتھ کوئی مماثلت اور تعلق نہیں۔ اور مخلوق تیری تنزیہہ بیان نہیں کر سکتی کیونکہ مخلوق کی تنزیہہ میں حدوث کی شمولیت لازم آتی ہے اور تُو پاک ہے اس تنزیہہ سے جو کسی بھی عارف نے تیری ذات کیلئے بیان کی ہو۔

اے سبحانہ تعالیٰ ! تیری طرف کوئی نسبت قدس درست نہیں۔ تُو ہر اس تعریف سے پاک ہے جو ہم تیرے لیے بیان کرتے ہیں۔ کاملین کے مشاہدات و عرفان میں جو کچھ تیری ذات کے متعلق آتا ہے، وہ تیری ذات کی شان کا ادنیٰ مظہر ہے۔ اور آج تک مخلوقات نے جو سنا اور جانا، وہ محض تیری ذات کی شان کا ادنیٰ مظہر ہے۔ اور آج تک مخلوقات نے جو سُنا دیکھا اور جانا وہ محض تیری ذات کا ایک پرتو ہے اور تُو اس سے ورا الورا ثم الوراء ہے۔ کون تیری حمد و ثناء بیان کرے جب "انا افصح" کہنے والے پکار اٹھیں "سُبْحَانَكَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ" (پاک ہے تیری ذات اور ہم نے تجھے نہیں پہچانا جیسا کہ تیرے پہچاننے جاننے کا حق ہے۔)

یا سبحانہ تعالیٰ! تیری جناب میں عجز کا اعتراف بھی گناہ لگتا ہے۔ جب انسانِ کامل تیری جناب میں عاجز ہے تو کوئی دوسرا عجز کرنے والا اس خوف میں مبتلا ہے کہ کہیں قصور و عجز میں مشابہتِ انسانِ کامل نہ لگے جو عین خسران و ضلالت ہے۔

اے اللہ! تیری ذات میں حیرت ہے اور ادراک کی نفی ہوتی ہے۔ افضل البشر بعد النبی ﷺ (حضرت ابوبکر صدیقؓ) فرماتے ہیں ، "اَلْعِجْزُ دَرْكَ الْاَدْرَاكَ الْاَدْرَاك" (تیری پہچان سے عجز کا اعتراف ہی عرفان ہے)۔

اے اللہ! تو مخفی ہے اپنی کنہ ذات میں اور ثابت ہے اپنے غیب الغیب کے عماء میں اور تُو تو اپنی احدیت سے بھی غیب ہے اور کوئی عبارت تیری جانب کا پتہ نہیں دیتی اور بعض اشارات تیری جانب رہنمائی بھی کرتے ہیں جن میں پہلا خود تیرا اسم پاک ہے جسے تُو نے لفظ "اَللّٰہ" کہہ کر مخلوقات کو اپنی طرف راہ دکھائی ہے۔ اے اللہ کریم! تمام کمالات خلقی و حقی آپ کے اسم اعظم کا ھیولیٰ ہیں اور آپ کا اسم ہی تمام کمالات کی اصل ہے اور آپ کے اس اسم میں کمال اندر کمال ہے اور ان کی کوئی انتہا نہیں ہے اور اس اسم سے ہی آپ کی طرف سلوک کی راہ واضح ہوتی ہے۔

اے اللہ! سوائے تیرے اسماء و صفات و افعال کے، تجھے جاننے کی کوئی سبیل نہیں۔ اللہ کے اسم میں وہ طلسم ہیں کہ جن میں عقلیں گم ہیں اور فکر کی رسائی نہیں۔ بہت سے کاملین ایسے ہیں جو تصورات اسم اللہ سے کمال کو پہنچے اور بہت سے ایسے ہیں جو اس اسم کی تہہ میں جو کارفرما معنی ہیں، ان کے تصور

سے کمال تک رسائی حاصل کر سکے۔اس اسم ہی سے طریقت کی بہت سی راہیں نکلیں۔

اے اللہ! صبح شام تیرا نام پکارنے والے یہ امید کرتے ہیں کہ تُو انہیں اپنا حسن و جمال دکھائے گا۔پھر تیرا نام ہی ایک مقام ارفع و اعلیٰ ہے، جو تیرے نام کے مفہوم کو پا گیا وہ اعلیٰ مقام تک پہنچ گیا اور عبدہٗ کی ذات اللہ کا عین ہو جاتی ہے۔پھر نہ ادراک ہے اور نہ عجز اور ان معنوں میں جو اسم اللہ کو حاضر و ناضر اور ورالوراء رکھنے سے تجھ پر واضح ہوتے ہیں، گُم ہو جا اور مردہ بن جا۔تا کہ تُو گوہرِ مقصود کو پہنچے اور تیری زندگی اللہ کریم کے ساتھ ازلی ابدی دائمی ہو جائے۔

اسم اللہ کے مفہوم کے پیچھے ایک بحرِ ذخارنا پیدا کنار ہے جس میں اسماء وصفات کی موجیں اٹھ رہی ہیں اور معنی و مفاہیم عرفان موجود ہیں۔اپنے وجود بشری کو بھول جا۔اس لباس کو اتار دے۔اپنی ذات سے ذاتِ حق میں غرق ہو جا اور اپنے علم و ارادہ سے اس بحر میں تیرنا چھوڑ دے۔یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔اس بحرِ فنا میں مر جا۔

"كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْإِكْرَام "(الرحمٰن : 37-36)

میرے اللہ! باوجود یہ کہ تُو سبحان ہے، قدوس ہے، سبوح ہے، تیرے لیے کوئی حد و حصر نہیں مگر تُو نے حد و حصر میں اپنے شیداؤں کو جلوہ دکھایا۔مقید سے مطلق تک راہ دکھائی۔اے اللہ! تُو جمال و کمال کی حد ہے لیکن تیرے جمال و کمال کی حد نہیں۔

جیسے تُو اپنے باطن کی ھویّت کے غیب میں موجود ہے ویسے ہی حاضر و شاہد میں تیرا جلوہ عام ہے اور اس جلوہ آرائی میں تیری ذات قدس و منزہ و برتر ہے مگر صرف مقید عبد نے اپنی ذات عاری کے آئینہ میں تیرے حسنِ ظلی و اصلی جمال کا مشاہدہ کیا اور تیرا کمالِ اسمائی اس کے ہر پہلو میں نظر آیا اور تیری ھویّت عبد کی انیت میں عین ثابت ہے اور جس نے تیری انیت کو جو اُس میں (عبد میں) موجود ہے پا لیا اور تیری ھویّت پر بھی توجہ رکھی تو تحقیق، اس نے تجھے پالیا۔"معیتِ اتصال" انیت و ھویّت کا نام ہے۔یہ اتصال ایسا نہیں جو پہلے منفصل تھا کیونکہ تُو ایسے اتصال و انفصال کو قبول نہیں کرتا۔ وَھُوَ الْآنَ کَمَا کَانَ۔ بلکہ تُو نے خود رجحاناتِ مَن و تُو، انیت و ھویّت میں ظلمتِ نوروھمی کے پردے حائل کر دیے تھے جو خود ہی بعد میں اٹھا دیے۔تو ہم نے اپنی ذات ہی میں اس خزانے کو پایا جو تُو نے ہماری ذات میں بطورِ امانت رکھا تھا۔

" كنت كنزاً مخفياً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق "

تیری ذات میں ذات کیلئے لذت ہے اور جمع ذات کے سوا ہر جمیعت میں فرق ہے۔تجھ میں تیرے لیے ﷺ ہے اور جلوہ ذاتِ حق ہے۔

اے عبدہٗ! اپنی ذات کو خالص کر، تا کہ لذاتِ ذاتِ صَرف جو ہر وصف سے پاک ہیں، تجھ کو حاصل ہوں۔جب ذاتِ حق تیری انا میں جلوہ گری کرے گی تو تیرے وہم و گمان کے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر دھنکی ہوئی روئی کی طرح بکھر جائیں گے اور تیرے خواب و خیال کے ستارے آفتابِ ذات کے طلوع ہوتے ہی مخفی ہو جائیں گے۔خواہ تیرا اقرار کیا جائے خواہ انکار، تُو سب کے ساتھ ہے۔پھر جس نے تیرے قرب کو محسوس کیا، تُو اسی کے ساتھ خوش ہوا اور اسکی اضافتِ اجود کو تمام نسب و جہات سے ساقط کر دیا۔پھر وجودِ مطلق جس میں تمام کچھ ہے، جو وجودِ کُل ہے، جو ایک وجہ سے ہر اعتبار پر ثابت آتا ہے، جو ذاتِ متعال ہے، جو تُو خود ہے، جیسا ہے جہاں ہے، اول ہے آخر ہے، ظاہر ہے باطن ہے، خود اپنی ذات کو اُس پر ظاہر کر دیتا ہے۔باوجود یہ کہ اس کی ذات کو مخفی کر دیتا ہے۔اور غلبۂ احدیت الذات تو وجودِ عبد کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔پھر اس کا نہ کوئی اسم ہے، نہ کوئی صفت اور نہ فعل۔

اے اللہ کریم! تُو اپنے محبت کرنے والوں کو اپنی ذات سے دور نہ کر۔جو دن رات تیرے قرب کی تمنا لے کر پھر رہے ہیں۔تُو ان سے دور تو نہیں ہے۔ان کو اُن کی ذات سے رہائی نصیب فرما اور خود سے آشنا بنا دے۔

خداوند! تیری ذات سبحان و عظیم میری صفت و ثناء سے ورالوراء ثم الوراء ہے۔میں تیری حمد و ثناء کے ایک ذرے کا بھی احصاء نہیں کر سکتا۔ہر

تعریف اور حسن و جمال جو اس جہان میں عیاں ہے، تیری ہی طرف لوٹ کر جانے والا ہے، پھر تیری تعریف کیوں کر بیاں ہو۔

الٰہی! زبان قاصر ہے کہ تیرا شکر ادا کرے۔ اس عاجز پتلۂ خاک کا ہر ذرہ اور اس کے جسم کے خون کا ہر قطرہ تیری بے شمار احسان مندیوں اور رحمتوں میں جکڑا ہوا ہے اور اس عاجز و کمترین پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ تُو نے (اس کو) نورِ ھدایت اور ایمان و ایقان سے سرفراز فرمایا ہے۔ تُو اپنی مدح و ثناء کے عین مطابق ہے اور اس پریشان گو کی ہمت کہاں کہ تیری تعریف کے لئے زبان کج لج کو حرکت دے۔

یا رب العالمین!

قلب و نظر سے غفلت کے حجابات اٹھا دے اور اپنی حقیقت سے آگاہ فرما۔ نیست کو ہست اور ہست کو نیست کر کے اپنے رخِ جمال پر پردے نہ ڈال۔ میری ذات کو اور اس جہاں کو میرے لیے فریب نہ بنا۔ میرے مولیٰ! میں خود ہی اپنے لیے سب سے بڑا حجاب ہوں۔ میری ہستی کو اپنے جمال کی جلوہ گاہ بنا۔ اے اللہ! اس عالمِ ظاہری کو اپنی تجلیاتِ ذات کا آئینہ بنا دے کہ تیرے مشاہدہ جمال سے محروم نہ رہوں۔

میرے اللہ! تُو نے مجھے زندگی جیسی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے تو (پھر) اپنی محبت میں مجھے یکتا کر دے (اور) دنیا سے مجھے یکسو کر دے (اور) دنیا اور کارِ دنیا میں منہمک رہنے سے نجات عطا فرما۔ الٰہی! پریشان حال اور انتشارِ طبع سے مجھے بکھرنے نہ دے اور اپنی عبادت کی توفیق و ہدایت نصیب فرما۔

اے سبحان و متعال! تُو میرے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ تُو ہر جگہ حاضر و موجود ہے۔ مجھے اپنے چہرہ جمال کے مشاہدہ سے محروم نہ رکھ اور اپنی رضا کے راستے پر چلا جو تُو میرے لیے بہتر جانتا ہے۔

اے حیُّ یا قیوم! میں خود اور میری دنیا یقیناً فنا ہو جائے گی۔ جیسے پہلے میں نہیں تھا، ایسے ہی بعد میں، مَیں نے نہیں ہونا۔ یہ دنیا اور میں ایک خواب و خیال لگتا ہوں۔ مجھے فریب خوردہ لوگوں میں جو عارضی فانی چیزوں سے محبت کر بیٹھتے ہیں، نہ بنا۔ اور اپنے ساتھ ایسا تعلق اور قرب بخش کہ جو تیری شایانِ شان ہو۔ یعنی کہ تُو ابدی ہو اور تعلق ابدی عطا فرما اور آرزوں تمناؤں، سب سے بے تعلق کر دے۔

میرے مولیٰ! میرے آقا! اپنا عشق و محبت عطا فرما۔ کیونکہ تُو ہی عشق و محبت کرنے کے لائق ہے۔ دنیوی و اخروی محبت سے نجات عطا فرما۔ تیرا حسن و جمال مطلق ہے۔ تو جامع جمیعِ کمالات ہے۔ تیرا وجود کامل و اکمل ہے۔ تو ہر صفت و ثناء سے مبرا ہے جو مخلوق تیری کر سکتی ہے۔

اے صاحبِ جمالِ ذات! زندگی کے چند دن جو تُو نے مجھے مہلت دی ہے، تُو اس خاکی مقید انسان کو اپنی ذات مطلق کی تجلی کا ظرف اور محل بنا دے اور اس مقید وجود سے اپنے جمال مطلق تک نورِ ہدایت سے صراطِ مستقیم عطا فرما۔ جو خاکدانِ وجود کے جملہ مراتب سے بے نیاز کر دے اور تیری ذات میں گم گشتگی نصیب ہو۔

یا حنان و منان! میں ظلمت و کثافت میں، اسفل السافلین میں گرا ہوا ہوں (اور) تیری ذاتِ سبحان ہے، ایسے اندھیرے میں کہ جب خود اپنی ذات سجھائی نہیں دیتی تو میرے رخ توجہ کو اپنی ذات سے پھرنے نہ دینا تا کہ میری ذات تیری ذات کے نور سے جگمگا اٹھے اور مجھے اپنی ذات کی معرفت نصیب ہو۔ یا اللہ! میرا رخ اور توجہ خود بخود قائم نہیں رہ سکتی۔ محض تیرا فضل درکار ہے۔

ربِ ذوالجلال! میری ذات کو اپنی معرفت میں گم کر دے اور کائنات کی ہر شے کو میرے لیے اپنی ذات کا آئینہ بنا دے تا کہ میں خود کو دیکھوں تو تُو ہی نظر آئے اور میری ہستی، میری انا، تیری ہستی و تیری ھویّت کی جلوہ گاہ بن جائے۔ اور میری مقید ذات کو اپنی ذاتِ مطلق کا مظہر بنا دے۔ میری سانسوں کی ڈور تیری یاد سے قائم ہے اور تیرا نام لیتے ہی بند ہو۔

اے اللہ! میں تیرا محتاج بندہ ہوں۔ عاجز و ذلیل۔ تُو معبودِ برحق ہے۔ تیرا کوئی ثانی نہیں۔ تُو احد ہے۔ تُو بے مثل ہے۔ تُو ہر خلقی وصف سے پاک ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ تُو بذاتہٖ موجود ہے۔ میں تیرا محتاج ہوں اور میرے وجود کا ایک ایک ذرہ اپنے ہونے میں تیرا محتاج ہے۔

اے اللہ! تُو عرض وجسم، جہات و مثل سے پاک و منزہ ہے۔ اے اللہ! تیرا دیدار جسم کی آنکھوں سے اور دل کی آنکھوں سے ہو سکتا ہے، تُو مجھے اپنا دیدار کرا۔ اے میرے پروردگار! مرے دل کے عرش پر مستوی، اپنا جلوہ دکھا۔

اے اللہ! سب غیب و حاضر تیری ذات ہی سے قائم ہیں۔ تُو زمان و مکان سے منزہ ہے مگر زمان و مکان تجھ سے خالی نہیں۔ اے اللہ! تُو نے ارض وسمٰوات و اشیاء کو احاطہ کیا ہوا ہے اور تُو اس وصف سے بیگانہ ہے۔ تیرا احاطہ عقل سے مبرا ہے۔ ارض وسمٰوات و ذواتِ خلق میں تیرا ظہورِ عام ہے بغیر اس کے کہ تُو نے ان میں حلول کیا ہوا ہو۔ ہر ایک حرکت کرنے والے میں اور ہر ایک ساکن میں تیرا ہی وصف پوشیدہ ہے، جیسا تُو چاہتا ہے۔

اے اللہ! تیری حیات بشمول میری ذات کے، جمیع موجودات میں ساری ہے اور تُو نے مجھے اپنی زندگی کا مزہ چکھایا ہے اور اپنی حیات سے مجھے زندہ کیا ہوا ہے۔ یا حیُّ یا قیوم! مجھے اپنے اُس علم سے نواز، جس سے تُو نے اپنے انعام یافتہ گروہ کو نوازا اور میرے ادراک و کشف کو وسیع فرما تا کہ میں غیب الغیب کے علوم کو شہادت الشہادۃ تک لاکر تیرے متلاشی لوگوں تک پہنچاؤں۔

یا علیم وخبیر! مجھے وہ شرابِ معرفت عطا فرما جو تُو نے محققین کو پلائی تا کہ میں علمِ لدنی کو انہی بزرگوں کے کاسۂ علم میں نوش کروں اور ان کے علوم کو مخصوص زمانہ کے رنگ میں پیش کرسکوں۔

یا بصیر وخبیر! میری بصر و بصیرت کا نظر و ادراک وسیع فرما تا کہ میں تیرے شُھیدِ ذاتی کا مشاہدہ کرسکوں اور ٹھیک ٹھیک ادراک کر کے عینِ غیب کو عینِ شہادت دے سکوں اور میرا علم اس میں صحیح ہو۔

یا سمیع الدعا! میری التجا کو مستجاب فرما اور مجھے ملائکہ کی وہ بولیاں سنا جو وہ تیرے مناجات میں بول رہے ہیں اور مجھے جمیع موجودات کی آوازیں سننے کی صلاحیت اپنی صفتِ سمیع کی تجلی سے عنایت فرما اور صوتِ سرمدی ازلی ذاتی سے نواز۔ اے اللہ! تیرا کلام قدیم ہے اور میں حادث، میرے وجودِ بشری کی صفات کو اپنے کلامِ قدیم سے فنا فرما تا کہ میں تیرے کلام سے وافر حصہ لے سکوں اور تُو (جو کہ) میری رگِ جاں سے بھی قریب تر ہے، میری التجا کو شرفِ قبولیت بخش۔ تُو سنتا اور جانتا ہے۔

اے اللہ کریم! تیرے حکم و ارشاد سے مجھے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے (کہ) تیری ذات سبحانہٗ کی تجلیات ہی ہر موجود شے میں جاری و ساری ہے۔ میری اس تالیف کا مقصد یہ ہے کہ تیری معرفت کا قصد کرنے والے کہیں ظلمات کے مشاہدے میں گم ہو کر تیرے جمال کے مشاہدے سے محروم نہ رہ جائیں

۔

بارِالٰہیا! تیری بارگاہ میں اس تالیف کو پیش کرتا ہوں۔ تُو اس کا ذوق وشوق طالبین کے دلوں میں ڈال اور ان پر اس تالیف کے اسرار و رموز کھول، جو اہل ہوں۔

اے اللہ کریم! تُو جانتا ہے (کہ) میں تو اس تالیف میں محض ترجمان کا کام سرانجام دے رہا ہوں اور ان بلند پایہ علوم و معارف کو بیان کر رہا ہوں جو بزرگانِ کرام، تیرے دوستوں کی تصنیفات میں مندرج ہیں (اور) ان اولیاء کرام کی ارواح سے جو فیضان اس احقر پر ہوا، اسے ان ہی کے رنگ میں بیان کر رہا ہوں جو تیرے انعام یافتہ ہیں تا کہ پڑھنے والا بغیر کسی تشکیک اور وہم کے، عمل کی ہمت خود میں جمع کر سکے۔ میری تالیف کا اصل مقصد ان ہی بلند لوگوں کی باتوں کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔ اے اللہ! تُو نے انسانوں کی ایک جماعت کو اپنے لیے مخصوص فرمایا ہے اور اسے دوسروں پر فضیلت بخشی ہے اور مقتضاتِ بشریہ سے انہیں نجات دے کر قدسیت و ملکیت کے بلند مقام پر فائز فرمایا ہے اور اسی طرح تُو اپنے بندوں کے ذریعے روحانی ترقی کے ذرائع فراہم کرتا ہے اور ان کی ذات میں اپنی تجلی سے فنائیت طاری کر دیتا ہے اور ان پر معنوی موت مسلط کرتا ہے۔ پھر انہیں ہست سے نیست کرتا ہے اور پھر اپنی جناب سے ان کو نئی زندگی کی خلعت پہناتا ہے اور زندگیِ جاوداں سے نوازتا ہے اور انہیں اپنی بزرگ نشانیوں کا مظہر بناتا ہے اور ان کی ذات کو کشف و

کرامات کا مصدر بنا تا ہے اور خود ہی ان کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ اور کان بن جا تا ہے اور ان کو اپنا ظرف و محل اور خلیفہ بنا تا ہے اور خود ان کی ذات میں لطیفۂ ذاتی بن کر فاتح ہو جا تا ہے۔

اے اللہ! میری اس تالیف کو انسانوں کیلئے ان مذکورہ اوصاف کا ذریعہ بنا تا کہ اس تالیف کے وسیلہ جلیلہ سے وہ تیری ذات کی طرف جانے والی ڈور کو تھام کر انوار و تجلیاتِ ذات تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اے اللہ کریم! لوگوں کو اور خود مجھے ہدایت فرما کہ میں تیرے ان بلند قدر معارف و اسرار کا صحیح امین بن سکوں اور اس امر میں استقامت کا طلبگار ہوں کہ تُو مجھے ان رموز میں اور ان کے عمل میں استقامتِ عزم و جزم عطا فرمائے گا۔

اے اللہ! تیرے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔ تُو تو خود ہی خود پر عاشق و والہ و شیدا ہے۔ کسی غیر پر نہیں۔ تجھ سے محبت کرنے والے حجاب میں ہیں۔ ہم تجھ سے محبت نہیں کر رہے بلکہ تُو خود ہم سے محبت کر رہا ہے۔ یوں خود سے محبت کرنا تجھ سے محبت کرنا، اور تجھ سے محبت کرنا خود سے محبت کرنا ہے۔

اے اللہ کریم! جب تُو نے ہمیں آئینہ بنایا، اپنے حسن و جمال کا اور خود اپنے کمال کو ہماری ذوات میں مشاہدہ کیا تو خود ہی اپنے جمال و کمال پر عاشق ہو گیا۔ اس طرح ہم تیرے محبوب بندے ٹھہرے۔ اور تُو کائنات کا اور ہمارا عاشق ہے۔ اے اللہ! تیری اسی محبت کے بل بوتے پر تیرے بندے گناہ پر گناہ کیے جا رہے ہیں اور تُو ان کی ہر لغزش کو معاف فرما رہا ہے۔ اے اللہ! اپنی اس محبت کے صدقے جو تجھے مجھ سے ہے، میری اس تالیف میں جو غلطی و قصور واقع ہوئے ہیں، انہیں معاف فرما۔ اے صمد و مستغنی! تُو ہر قصور پر میرے عجز کو قبول فرما اور اس کا فیضِ عام فرما۔ یا اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں، ان اسماء و صفات و ذات کی تجلیات کے نزول کا جو تُو نے ہمیں عطا فرمائے اور ان کا جنہیں صرف تُو ہی جانتا ہے۔

اے اللہ! اپنے اسماء و صفات و تجلیاتِ ذات و شیونات ِ ذاتیہ کو میرا حال بنا اور میری ہستی کو نیست و نابود کر کے بیخ و بُن سے اکھاڑ دے اور اپنی تجلیات کو میری انا میں قائم فرما۔

یا اللہ! شہنشاہِ ولایت کے ان مناجات کو جو وہ تیری بارگاہ میں کرتے ہیں، میں بھی کرتا ہوں۔ ان مناجات کو ان کی اتباع کی وجہ سے قبول و منظور فرما۔ یا عزیز! یہی عزت میرے لیے کافی ہے کہ تُو میرا پروردگار ہے اور میرے لیے یہی فخر کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں۔

اے اللہ! میں نے جو گمان تجھ سے وابستہ کیے، اگر بیکار ہوں (تو پھر بھی) تُو میرے لیے ویسا ہی ہے۔ یا رب العالمین! جس چیز کو تُو دوست رکھتا ہے، اس کی توفیق عطا فرما۔ بے شک تیری ہی شان ہے (کہ) تُو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور سب پر مہربان ہے اور خاص رحمت تو مومنوں ہی کیلئے ہے۔ یوم جزا اور سزا کا تُو ہی مالک ہے۔ تیری عبدیت میں تمام کاملین تذلل و عجز کا اعتراف کرتے ہیں اور تیری عینیت کی استعانت کے طلبگار ہیں۔

اے اللہ! تُو مجھے اپنا عین بنا اور اپنی ذات کیلئے مقامِ اعلیٰ کی عینیت نصیب فرما اور صراطِ مستقیم میرے نفس میں محکم فرما تا کہ میں بغیر عزم کے اس پر خود تیری رہنمائی سے چل سکوں۔ اور استقامتِ تامہ و کاملہ اپنی جنابِ قدس کے حریمِ ذات میں متمکن فرما اور صاحبِ انعام بزرگ (اور) قدسی ہستیوں کا راستہ دکھا اور ان کے خاکِ پاکی کی بدولت ان کے نقشِ پا کی راہنمائی فرما۔

"شانِ محمد ﷺ"

بارالٰہیا! حجابِ اعظم ﷺ کو میری روح اور آپ ﷺ کی روح کو میری حقیقت کا راز بنا۔ بے شک روحِ محمدی ﷺ تمام خلائق کی حقیقتوں کی ہر ایک کی استعداد کے مطابق امداد کرنے والی ہے۔

باب دوم

خواجہ خرد
کے
حالاتِ زندگی

تعارف

حضرت **خواجہ باقی باللہ** کسی تعارف کے محتاج نہیں ۔وہ ایک نابغۂ روزگار ہستی ہیں جنہوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ جیسے لوگوں کی تربیت کی اور زمانے کو ایک فیضِ لازوال اور گنجینۂ علم وحلم دے کر روشن مثال بنایا۔آپ کے فیض یافتگان کی تفصیل کا اندازہ نہیں لگایا جا سکا۔حدوحصر سے باہر ہیں وہ لوگ جو حضرت خواجہؒ سے فیض باطنی حاصل کر گئے۔

آپ کے تفصیلی حالات کتب میں درج ہیں، وہاں سے مطالعہ کرلیں ۔حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی وفات سے کوئی دو سال قبل ،قریباً 4 ماہ کے تفاوت سے ان کے دو بیٹے دو بیویوں سے پیدا ہوئے ۔وہ ابھی خردسال اور اناؤں کی گود میں تھے کہ حضرت خواجہ باللہؒ نے انہیں حضرت مجدد الف ثانیؒ سے انہیں توجہ دلائی اور اپنے بلند مرتبہ مرید سے فرمایا کہ ’’ضعفِ بدن مجھ پر غالب ہوگیا ہے اور امیدِ حیات کم رہ گئی ہے، آپ ان بچوں کے حال کی خبر گیری رکھیں‘‘۔ان دو میں سے بڑے کا نام جو نمرہ ہے جو ربیع الاول 1010 ھجری یعنی 13 نومبر 1602ء کو پیدا ہوئے۔آپ کا نام سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے نام کی نسبت سے عبید اللہ رکھا گیا لیکن وہ زیادہ تر خواجہ کلاں کے نام سے مشہور ہیں ۔ان کی ولادت کی حضرت کو بہت خوشی تھی ۔انہوں نے بڑے ہو کر طریقۂ نقشبندیہ کے اشغال شیخ الہ داد سے اخذ کیے **(زبدۃ المقامات)** اور تکمیل حضرت مجدد الف ثانیؒ کے زیر ہدایت کی اور کئی مکتوبات ان کے نام ایسے لکھے جن میں بڑی نیازمندی کا اظہار ہے ۔خواجہ کلاں نے علوم ظاہری کی تکمیل بھی شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی نگرانی میں کی ۔حضرات القدس میں، جو زبدۃ المقامات کے کچھ سال بعد مکمل ہوئی، آپ کی نسبت لکھا ہے ۔آپ علمِ تاریخ اور انساب میں حصّہ کامل رکھتے ہیں اور تصوف میں آپ کو شغفِ خاص اور علمِ انشاء میں قدرتِ کاملہ حاصل ہے اور مطالعۂ کتب آپ کا انیس ورفیق ہے ۔آپ کے اکثر اوقات تصنیف میں صرف ہوتے تھے ۔

خواجہ خردؒ

حضرت خواجہ کے دوسرے صاحبزادے 6 رجب 1010 ھجری یعنی 4 فروری 1602ء کو پیدا ہوئے ۔ان کا اسم گرامی **خواجہ محمد عبد اللہ** تھا لیکن **خواجہ خرد** کے نام سے مشہور ہیں ۔خواجہ خرد کو خواجہ کلاں کی بہ نسبت حضرت مجدد سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا ۔وہ کئی مرتبہ ان کی خدمت میں سرہند اور ایک مرتبہ لاہور پہنچے اور دیر تک وہاں قیام کیا ۔زبدۃ المقامات کے بیان کے مطابق آپ نے حضرت مجدد سے کتب علمِ کلام اور رسائل صوفیاء پڑھے ۔خواجہ خرد رباعیات اور شرح رباعیات میں لکھتے ہیں کہ آپ کو حضرت مجدد سے اجازتِ عملِ طریقہ اور اجازتِ تعلیم حاصل تھی ۔

حضرات القدس سے اس کی تائید ہوتی ہے ۔شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبد الرحیم خواجہ خرد کی خدمت میں رہا کرتے تھے ۔اور خواجہ خرد بھی ان کے جد شیخ قطب عالم اور شیخ رفیع الدین کے اپنے والد بزرگوار سے تعلق کی وجہ سے انہیں بڑا عزیز رکھتے تھے ۔شاہ عبد الرحیم خواجہ خرد سے تعلیم حاصل کرتے

رہے لیکن جب انہوں نے بیعت کا کہا تو خواجہ خرد صاحب نے ٹال دیا اور کہا کہ چونکہ مجھ سے بعض بے قاعدگیاں ہوتی ہیں، میں نہیں چاہتا کہ علائقہ بیعت کی وجہ سے تم کو کوئی ضرر پہنچے اور مشورہ دیا کہ حضرت آدم بنوری کے کسی خلیفہ سے بیعت کر لیں۔ خواجہ خرد نے کئی رسائل لکھے اور اتفاق سے وہ قریباً سارے کے سارے محفوظ ہیں۔ ان میں سے دو تو چھپ چکے ہیں۔ لیکن ان کا شاید سب سے مکمل مجموعہ ''انڈیا آفس لائبریری ذخیرہ دہلی'' میں ہے۔ ان میں **بیانِ احوال وملفوظات خواجہ خرد، رسالۂ سماع، رسالۂ خواجہ خرد، رسالۂ فوائح، پردہ بر انداخت و پردۂ کہ شناخت، پرتوِ عشق، شرح تسویہ، رباعیات وشرح رباعیات** کے علاوہ **رسالۂ سید** بھی موجود ہے۔

زیرِ تالیف کا مقصد اسی **رسالہ سید** کو آپ تک پہنچانا ہے۔ دیگر موضوعات میں تو چونکہ **وحدت الوجودی** کے مسائل کا بیان تھا، اس لیے ان کی تفصیل بیان کرنا نہایت ضروری تھا۔

حضرت خواجہ خرد سے متعلق ''**انفاس العارفین**'' میں لکھا ہے کہ حضرت عبد الرحیم (والدِ حضرت شاہ ولی اللہ) فرماتے ہیں کہ'' شیخ عبد العزیز قدس سرہ کو میں نے خواب میں دیکھا۔ فرمایا، بیٹا! کسی کے ہاتھ میں دست ارادت نہ دینا یہاں تک کہ حضرت خواجہ تجھے قبول فرمائیں، پھر تمہیں اختیار ہے۔'' میں نے اس خواب کو خواجہ خرد کی خدمت میں بیان کیا اور اس کی تعبیر پوچھی اور عرض کی کہ آپ کے سوا اس شہر کے مشاہیر میں سے کوئی خواجہ کے لقب سے ملقب نہیں ہے۔ فرمایا ''تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تمہیں خواجۂ کائنات علیہ الصلوٰۃ واکمل التحیات کی بیعت میسر آئے گی، کیونکہ اس فقیر کا مرتبہ اس سے بہت فروتر ہے کہ حضرت شیخ عبد العزیز خواجہ کے لقب سے تعبیر کریں''۔ اور بعض دوست خواجہ نقشبند ذکر کرتے ہیں۔

شاہ عبد الرحیم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اس حقیقت کا منتظر تھا اور درود شریف پڑھنے میں بہت زیادہ مصروف رہتا تھا۔ ایک رات میں درود شریف پڑھ رہا تھا کہ چاند کے نور کی مانند ایک نور ظاہر ہوا، حالانکہ چاند کی رات نہیں تھی۔ آہستہ آہستہ اس نور نے زمین پر پھیلنا شروع کر دیا، پھر میری چارپائی اور میرے جسم پر آیا۔ جب تک وہ میرے سر سے نیچے تھا، مجھ میں پورا ذوق وشوق تھا، جب وہ میرے سر پر آیا، میں بے ہوش ہو گیا، بظاہر میرا وجود مفقود ہو گیا۔ واللہ عالم کہ میرے والد نے مجھے تلاش کیا اور میں انہیں نہ ملا۔ اس وجہ سے وہ بہت بے چین وبیقرار رہے۔ میں اسی غیبوبیت کے دوران یکے بعد دیگرے آسمان طے کرتا ہوا اوپر پہنچا۔ مجھے آنحضرت ﷺ کی حضوری حاصل ہوئی اور آپ ﷺ نے میری بیعت قبول فرمائی اور مجھے نفی اثبات کی تعلیم فرمائی۔ اس کے بعد افاقہ ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد، میں نے خواجہ خرد کی خدمت میں عرض کی کہ جو مقصد تھا، وہ حاصل ہو گیا، اب میری اصلاح کی کیا صورت ہے؟ تو خواجہ خرد نے فرمایا کہ ظاہر میں بھی کسی سے بیعت ہونا چاہیے۔ میں نے عرض کی کہ میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا، میں تمہیں بہت دوست رکھتا ہوں، میں نہیں چاہتا تمہاری بیعت میرے ساتھ ہو۔ میں نے عرض کی کہ میں نہیں سمجھ سکا کہ دوستی بیعت نہ کرنے کا سبب کیوں ہے؟ فرمایا، وجہ یہ ہے کہ میں بعض ممنوعہ امور کا مرتکب ہوتا ہوں اور اتباعِ سنت میں سستی کر جاتا ہوں، ایسا نہ ہو کہ میرے ساتھ ربط کی وجہ سے شرع کے راستے سے تمہارے قدم ڈگمگا جائیں۔ لیکن مجلس میں فیض سے کسی قسم کا دریغ نہ ہو گا۔ میں نے عرض کی کہ جس سے آپ فرمائیں، بیعت ہو جاؤں گا۔ تو خواجہ خرد نے فرمایا، شیخ آدم بنوری قدس سرہ کے خلفاء میں سے عبد اللہ قیام پذیر ہیں۔ غنیمت ہے، ان سے تعلق کر لینا چاہیے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باوجود یہ کہ ان پر علیحدگی اور تنہائی کا غلبہ تھا، پہلی ملاقات میں انہوں نے بیعت قبول فرمالی۔ اس کے بعد خواجہ خرد اور سید عبد اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور فیض صحبت حاصل کرتا رہا۔

خواجہ خرد کا ایک اور واقعہ انفاس العارفین میں ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شاہ عبد الرحیم کے دادا شاہ رفیع الدینؒ سے خواجہ خرد نے ''شرح لمعات'' اور تصوف کے مختلف رسائل پڑھے جو کہ روحانی طور پر وہ مسجد فیروز شاہ میں توجہ دے کر انہیں پڑھاتے رہے۔ انہوں نے خواجہ خرد سے فرمایا کہ مسجد فیروز شاہ کی اس جگہ بیٹھ کر تصوف کی مشکل کتب کا مطالعہ کیا کرو، اور اگر پھر بھی مسئلہ حل نہ ہو تو میں ذمہ دار ہوں۔ خواجہ خرد فرماتے ہیں، اس کے بعد مجھے جو

دشواری بھی پیش آتی، وہاں جا کر مطالعہ کرتا، وہ حل ہو جاتی ۔ اگر ایک بالشت بھی اس جگہ سے ادھر اُدھر ہو جاتا تو تمام دوسرے مقامات کی طرح ہوتا ۔ اسی طرح اسباق روحانی خواجہ خرد نے حضرت شاہ عبد الرحیم کو پڑھائے اور روحانی توجہ ہی سے سب کچھ سکھا دیا ۔ شاہ عبد الرحیم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی ۔

فرماتے تھے کہ خواجہ خرد اپنے انگوٹھے سے اپنی انگلیوں پر کچھ لکھتے رہتے تھے ۔ سبق پڑھانے، باتیں کرنے وغیرہ میں بھی ایسا ہی کرتے رہتے تھے ۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھا تو فرمایا ''یہ ایک ایسا عمل ہے جسے میں ہمیشہ کرتا رہتا ہوں ۔ تیرے سوا آج تک مجھ سے کسی نے اس متعلق نہیں پوچھا ۔ آغازِ حال میں مجھے اکتساب سے لگاؤ رہا ہے ۔ اب بھی کبھی کبھی کر لیا کرتا ہوں''۔

شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ''ایک روز حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ خواجہ خرد ایک روز اپنے دوست احباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے ۔ آپ پلنگ پر اور دوسرے لوگ چٹائی پر بیٹھے تھے ۔ اس جگہ میں ان کی خدمت میں پہنچا ۔ انہوں نے میری بہت زیادہ تعظیم وتکریم کی اور خود پلنگ کی پائینتی پر بیٹھے رہے اور مجھے صدر پر بٹھایا ۔ میں جس قدر معذرت کرتا وہ نہ مانتے ۔ اس معاملے سے تمام حاضرین کے چہرے متغیر ہو گئے ۔ ان کے بیٹے خواجہ رحمت اللہ نے اٹھ کر عرض کی کہ اس مجلس میں ان سے زیادہ معتبر اور تعظیم کے زیادہ لائق موجود ہیں، ان کے ساتھ اس تواضع میں کیا راز ہے؟ فرمایا، یہ ہم نے اس لیے کیا ہے کہ سلوک کا مشاہدہ کرو اور اسی طرح ان سے پیش آؤ ۔ جب میں ان کے جدِ مادری شیخ رفیع الدین کے گھر جاتا تو وہ میرے ساتھ اسی قسم کا سلوک کرتے، حالانکہ وہ میرے استاد تھے اور میں نے ان سے فیوض حاصل کیے تھے اور جب شیخ رفیع الدین ہمارے آقا خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں آتے تو وہ بھی قریب قریب ایسا ہی سلوک کرتے تھے ۔ اگرچہ شیخ حضرت خواجہ کے خلفاء میں سے تھے ۔ کیونکہ ابتدائے سلوک میں شیخ قطب العالم کی خدمت میں رہے تھے ۔ کچھ کتابیں پڑھی تھیں اور فوائد حاصل کیے تھے ۔

شاہ عبد الرحیم فرماتے ہیں، ایک مرتبہ ہم دونوں بھائی خواجہ خرد کی خدمت میں حاضر تھے ۔ ان پر بھوک نے غلبہ کیا، جس کی وجہ سے وہ سبق نہیں پڑھا سکتے تھے ۔ اپنے گھر والوں سے دریافت فرمایا، کیا گھر میں کچھ طعام ہے ۔ انہوں نے کہا، ہاں، ایک بچے کیلئے تھوڑا سا کھانا پکایا ہے ۔ فرمایا، اس میں سے کچھ لاؤ ۔ اس میں سے بہت تھوڑا پیالی میں لائے ۔ انہوں نے ہاتھ دھوئے اور حاضرین سے فرمایا، آؤ کھاؤ، یہ سب کیلئے کافی ہوگا ۔ تمام لوگ بہت حیران ہوئے ۔ ہمیں دوسرے انداز میں پھر فرمایا ۔ ہم آگے بڑھے اور تینوں نے مل کر کھایا ۔ یہاں تک کہ ہم سب سیر ہو گئے اور پیالی میں کچھ بچ رہا، جو اس بچے کیلئے بھیج دیا ۔

حضرت شاہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت خواجہ خرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ بادشاہ مجھے ایک مہم پر بھیج رہا ہے ۔ دشمن کی تعداد اور سامانِ جنگ زیادہ ہے ۔ اور میرے پاس اسبابِ جنگ نہیں ہے ۔ میں کوئی بھی عذر نہیں کر سکتا ۔ آپ توجہ فرمائیں تو آپ نے خوش طبعی سے فرمایا، کہ کچھ نقدی پیش کرو تاکہ ہمارا دل تمہاری طرف متوجہ ہو ۔ اتفاقاً اس وقت اُس کے پاس کچھ نہیں تھا ۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے طلب کیا ۔ اُسے کچھ نہ ملا ۔ اس نے اپنی کمر سے خنجر نکالا اور گروی رکھ کر دس روپے پیش کیا ۔ آپ نے میعاد مقرر فرما دی کہ فلاں روز جنگ کرو اور دشمن کی کثرت اور دوستوں کی قلت سے خوف نہ کرنا اور اپنی جگہ سے متزلزل نہ ہونا ۔ پھر مجھے فرمایا، جب وہ مقررہ وقت آئے تو مجھے اطلاع دو ۔ جب وہ میعاد آ پہنچی تو میں نے یاد دلایا کہ خواجہ خرد حجرہ میں تنہا بیٹھ گئے اور مجھے حجرہ کے دروازے پر بٹھا دیا تاکہ کوئی شخص اس وقت دخل اندازی نہ کرے ۔ کچھ دیر بعد خوش وخرم نکلے، فرمایا، دشمن بہت زیادہ تھے اور دوست بہت کم ۔ پہلی مرتبہ احباب کو شکست ہوئی لیکن اس عزیز نے حوصلہ نہ ہارا اور اپنی جگہ سے حرکت نہ کی ۔ اس حالت میں ان کے پاس پہنچا ۔ الحمد للہ، فتح حاصل ہوئی ۔ بہت سے دشمن قتل ہوئے اور باقی بھاگ گئے ۔ ایک مدت کے بعد اس عزیز کا عریضہ پہنچا ۔ اس میں یہی واقعہ تفصیل سے لکھا ہوا تھا ۔ اس نے نذرانہ بھیجا جسے آپ نے قبول نہ فرمایا ۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ محلّہ ''کوشک زہ'' کے ایک شخص نے حضرت خواجہ خرد کی خدمت میں درخواست کی کہ توجہ فرمائیے تا کہ علم سے جلد فراغت ہو۔آپ نے فرمایا، ہم اس کا جواب دیں گے۔جب وہ شخص اپنے گھر آ گیا تو اس کے پیچھے ایک شخص کو رقعہ دے کر بھیجا کہ کل انشاء اللہ تمام علوم سے فارغ ہو جاؤ گے۔وہ یہ خوش خبری سن کو حیران ہوا۔دوسرے دن بغیر کسی ظاہری سبب کے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

بزرگوں کی نکتہ سنجی:

شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ والد صاحب فرماتے تھے کہ ایک روز بہمن یار خان لباسِ فاخرہ پہنے خواجہ خرد کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس وقت ان کے گھر میں کوئی فرش نہ تھا۔لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔حاضرینِ مجلس میں سے ایک شخص نے اٹھ کر خواجہ خرد کے کان میں کہا کہ یہ بہمن یار خان ہے، اس کی تعظیم کرنی چاہیے۔خواجہ خرد نے بلند آواز سے کہا، اگر یار ہے تو تعظیم کا محتاج نہیں اور اگر غیر ہے تو لائقِ تعظیم نہیں۔یہ بات سن کر بہمن یار خان بہت لطف اندوز ہوا۔والد صاحب فرماتے ہیں کہ ان کے ایک خادم نے شراب پی تھی۔میری اس کے ساتھ بحث ہوئی جو انقباضِ خاطر کا باعث ہوئی۔میں نے عزم کر لیا کہ آئندہ وہاں نہیں جاؤں گا۔دو تین دن کے بعد خواجہ بذاتِ خود تشریف لائے اور میرے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور ایک بوڑھی عورت سے میرا پتہ پوچھا۔اُس نے کہا، سویا ہوا ہے۔فرمایا، جب اٹھے تو اسے کہنا کہ خرد تمہاری تلاش میں ہے اور مسجد حبوط میں سویا ہوا ہے، اس کی خبر لو۔جب میں اٹھا تو اس نے مجھے بتایا۔میں تیزی سے اس مسجد میں گیا۔انہوں نے اپنی پگڑی سر کے نیچے رکھی ہوئی تھی اور بے تکلف سوئے ہوئے تھے۔جب ظہر کی اذان کہی گئی تو بیدار ہوئے۔مجھ پر مہربانیاں فرمائیں اور خیریت دریافت کی۔

حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ خواجہ خرد اور خواجہ کلاں دونوں کمسن ہی تھے کہ خواجہ محمد باقی باللہ نے وفات پائی۔اس کے بعد جب وہ سن بلوغ کو پہنچے تو شیخ احمد سرہندی کی خدمت میں پہنچے اور مدت تک وہاں رہے۔خواجہ کلاں کی حقیقت تو معلوم نہیں لیکن خواجہ خرد نے ان سے طریقِ سلوک طے کیا اور اجازتِ بیعت پائی۔پھر واپس آئے اور خواجہ حسام الدین اور شیخ الہ داد (کہ یہ دونوں حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلیفہ تھے) سے استفادہ کیا اور راہ نمائی حاصل کی۔

حضرت شاہ عبد الرحیم فرماتے ہیں کہ خواجہ خرد آغازِ جوانی میں ایک بار دعوتِ اسماء میں مشغول ہوئے کہ جنات نے زحمت کی اور خواجہ کے جسم میں حلول کر گئے۔وہ بے ہوش ہو کر مردہ کی طرح گر پڑے۔خواجہ حسام الدین آ کر تھوڑی دیر ان کی طرف متوجہ ہوئے، یہاں تک کہ انہیں افاقہ ہو گیا۔

خواجہ خرد کی زندگی گمنامی اور عزلت نشینی سے مزین تھی۔ایک بزرگ جن سے ہمارے شہر کے اکثر لوگ استفادہ کرتے تھے اور ان کا اسم محمد صالح تھا۔مسجد فیروز شاہ میں درس دیتے تھے۔وہ حضرت خواجہ خرد سے بیعت تھے۔خواجہ نے انہیں تاکیداً کہا تھا کہ میرے ساتھ اپنی نسبت کو کسی پہ ظاہر نہ کرنا اور مجھے خلوت ہی میں ملنا۔چنانچہ یہ ہمیشہ بیگانوں کی طرح رہتے تھے۔جب یہ اپنے وطن پنجاب جانے لگے تو عرض کی کہ اگر لوگ پوچھیں کہ تم نے طریقہ فقر کہاں سے حاصل کیا ہے تو میں انہیں کیا جواب دوں؟ فرمایا، اگر ضرورت پڑے تو میرا نام بتا دینا، ورنہ نہیں۔

خواجہ خرد کبھی کبھی خواجہ محمد باقی باللہ کا عرس کرتے تھے۔ایسا ہوتا کہ کوئی شخص آ کر کہتا کہ چاول میرے ذمے، دوسرا کہتا گوشت میرے ذمے، تیسرا کہتا کہ فلاں قوال کو میں لے آؤں گا۔اسی طرح دوسرے انتظامات بھی ہو جاتے۔خواجہ خرد عرس میں کوئی تکلف نہیں کرتے تھے۔شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ خواجہ خرد نے آخری عمر میں فرمایا، مجھے خواجہ محمد باقی باللہ کے روضے میں جوتے اتارنے کی جگہ میں دفن کرنا اور نسبتِ نبوت کی رعایت سے مقبرہ کے اندر داخل نہ کرنا کیونکہ میں اسی جگہ کے لائق ہوں۔میں نے عرض کی کہ یہ کام دوسروں کے سپرد ہو گا، مجھے اس میں کیا اختیار ہے۔فرمایا، میری وصیت پہنچا دینا۔سبحان اللہ! کیا عاجزی ہے اور کسر نفسی کیا شان ہے مگر ان کا حق جس جگہ تھا، انہیں ملا۔

باب سوم

حضرت شیخ ابوالرضا
قدس سرہ
کے
چند مسودات و
مکتوبات

شیخ ابوالرضا محمد جو کہ شاہ ولی اللہ کے چچا اور حضرت خواجہ خرد کے تربیت یافتہ تھے، ان کی خط و کتابت انفاس العارفین سے نقل کرتا ہوں جو کہ انہوں نے مخدوم شیخ عبد الاحد جو کہ مجدد الف ثانی پوتے تھے اور مشہور مشائخ میں سے تھے۔ ان میں سے ایک طرف " **وحدت الوجود** " اور " **وحدت الشہود** " میں فرق سامنے آئے گا اور دوسرا ان بزرگوں کے خیالاتِ لطیفہ سے آگہی ہوگی تا کہ اس کتاب کا جو موضوع ہے، یعنی، "**وحدت الوجود**" کا کافی واضح ہوگا اور سالک کیلئے عمل کرنا مشکل نہ ہوگا اور شک وشبہ کے بغیر عمل کر سکے گا۔

---

(۱)

شیخ عبد الاحد جو کہ شیخ احمد سرہندی کے پوتے تھے اور اس دور کے مشائخ میں سے تھے، حضرت والا کی خدمت میں خط لکھا جس میں تحریر تھا:

﴾ " میں آپ کے اخلاق کریمانہ سے امید کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے اوقاتِ مخصوصہ میں اپنی نیک دعاؤں سے فراموش نہیں کریں گے۔ بلا شبہ معاملہ دشوار ہے اور راستہ مشکل و خوفناک ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا، "**وان امامکم عقبة کؤد**" (تمہارے سامنے پیچیدہ اور دشوار گھاٹی ہے)۔

كيف الوصول الى سعاد ودونها	قلل الجبال ودونهن حتوف
الرجل حافية ومالى مركب	والكف صفر والطريق مخوف

﴾ میں سعاد تک کیسے پہنچوں، راستے میں بلند پہاڑ اور نشیب و فراز حائل ہیں۔ میرے پاؤں میں جوتا ہے نہ میرے پاس کوئی سواری ہے، راستہ خوفناک ہے اور میں تہی دست ہوں۔ ﴿

میرے عزیز و مشفق! حقیقت الفاظ میں نہیں سما سکتی۔ غیر حق بیان کے لائق نہیں۔ اس لیے بات مختصر کرتا ہوں۔ والسلام۔

حضرت والا نے اس مکتوب کا جواب اس طرح دیا۔

جواب

ھو الله احد۔ آپ کا شفقت و عنایت نامہ ملا جس نے دوستی و یگانگت کو استحکام بخشا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو اس مہربانی کی جزا عنایت فرمائے اور اپنے مقصد تک پہنچائے۔ آپ نے لکھا کہ

كيف الوصول الى سعاد ودونها	قلل الجبال ودونهن حتوف
الرجل حافية ومالى مركب	والكف صفر والطريق مخوف

حق یہ ہے کہ ھویت ذاتیہ مطلقہ کی محبوبہ (سعاد) تک اطلاق حقیقی کے ساتھ سیر مستطیل کے ذریعے وصول دشوار کیونکہ اس کی بنیاد اعتبارات محض اور اضافات وہمہ صرفیہ جو کہ عالم خلق و امر سے ہیں، کے پہاڑوں کی چوٹیوں کے عبور پر ہے، جو بہت صعب الحصول ہے۔ کیونکہ سالک نے اپنی حقیقت کو

اس سے خوفزدہ بنا دیا ہے۔ اور اپنے شعور و ادراک کو اس کی تلاش میں لگا رکھا ہے۔ ورنہ سبحانہٗ تعالیٰ تو درحقیقت وجوہ خاص کی بنا پر انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ اس کا راستہ پُر امن ہے، خوفناک نہیں۔ اس مقام پر ننگے پاؤں ہونے کی گنجائش نہیں۔ نہ ہی سواری کی اور نہ ہی اس جگہ تہی دستی کا سوال ہے جب کہ وہ اپنی ذات میں قائم ہے لیکن لوگوں میں اس کا ظہور نہیں۔ بس پاک ہے وہ ذات جو اپنے نور کی شعاعوں میں محجوب ہے اور اپنے ظہور کے استغراق میں مخفی ہے۔

توهمت قدماء ان ليلىٰ تبرقعت — وان لنا فی البین ما یمتنع اللثماد

فلاحت فلا واللہ ما ثم مانع — سوی ان عینی کان من حسنها اعمیٰ

﴿ ''قدماء کا خیال ہے کہ لیلیٰ نے برقعہ اوڑھ رکھا ہے مگر ہمارے سامنے تو یہی جدائی ہے کہ جو حجاب بن کر بوسہ مانع ہے۔ جب محبوبہ نے اپنا چہرہ ظاہر کیا تو اس وقت کوئی چیز اس کے دیدار سے مانع نہیں تھی مگر ہماری آنکھیں اس حسن کا جلوہ نہ دیکھ سکیں۔ ﴾

پرده هاست تا بدیدستم — دوست به دوست کرده در آغوش

آں شناسد حدیث ایں دل مست — که ازیں باده کرده باشد نوش

﴿ پردہ اٹھا تو میں نے دیکھا کہ دوست نے دوست کو آغوش میں لے رکھا ہے۔ دلِ مست کی بات وہی سمجھ سکتا ہے جس نے اس شراب کو پیا ہو۔ ﴾

وغنی بی منی قلبی و فیغیذت کما غـــــذی — وکنا حیث ما کانوا حیث ما کنا

روز آں به تو بودم و نمی دانستم — شب به تو غنودم و نمی دانستم

ظن بودمرا به من که من جمله منم — من جمله تو بودم و نمی دانستم

مکتوب میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ جو حق ہے، وہ بیان میں نہیں آ سکتا۔ اس سے ظاہر تو یہ مراد ہے کہ سننے والوں کے فہموں میں قصور ہے، اس لیے بیان میں نہیں آ سکتا۔ ورنہ سخن اگر لفظی ہے تو یہ عین گفت ہے۔ اگر نفسی ہے، فما من عیان االاولهٗ بیان ---دوہرہ

کبیرا کا کہ سکر ہے ہی جہاں سلسلی سبل — وکث بانو پپل کی سوداکون لادی بیل

والسلام علیٰ اھل اللہ الکرام۔

جب شیخ کا نامہ گرامی پہنچا تو شیخ عبد الاحد نے ایک انتہائی فصیح و بلیغ خط لکھ بھیجا جس میں صعوبت حصول اور بعد راہ کے مضامین کو بیان فرمایا۔

---

(۲)

مکتوب شیخ عبد الاحد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد للہِ والسلام علیٰ عبادہِ الذین الصطفیٰ اما بعد۔

گرامی نامہ جواز راہ شفقت وتلطف ارسال کیا گیا تھا، موصول ہوا۔ اس کے مطالعے سے بہرہ ور ہوا۔ یہ مکتوب باریکیوں سے پُر ایک باب اور معارف وحقائق سے بھرپور ایک کتاب تھی ۔ اس کی رنگین عبارتیں پاکیزہ اور اس کے اشارات دل کش تھے ۔

نکتہ ہائش ہمہ ہمرنگ چمن　　　کردہ بر دفتر گل مشق سخن

﴿ اس کے تمام نکات باغ کی طرح تروتازہ ورنگین تھے، گویا پھولوں کے کاغذ پر مشقِ سخن کی گئی ہے ۔ ﴾

اللہ سبحانہٗ آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے اور اپنی بہترین خوشنودی سے خوش کرے ۔ خط میں تحریر تھا کہ ''ھویت ذاتیہ کی محبوبہ (سعاد) تک سیر مستطیل کے ساتھ صعب الحصول ہے ورنہ حق سبحانہٗ تعالیٰ تو بندوں سے شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے ۔ ایہ آپ نے وجود کے متعلق فرمایا لیکن وجدان میں حق سبحانہٗ تعالیٰ وراء الوراء سے بھی وراء الوراء ہے ۔

برگ بے رنگی بساز اے عندلیب بے نوا　　　کیں گل ما برنتابد از نزاکت رنگ را

پذپ نکث سنکم اکم بگر مائیہ جیون جہانہ　　　چکہ اکیں مکہ ہن رہی ملنہ بہرمانہ

شیخ عطارؒ نے فرمایا ہے:

بہ ایں نزدیکی چہ بسی دوری　　　در ایں وصال تو گشت ایں مہجوری

تحریر تھا کہ اس کی طرف کوئی راستہ نہیں جاتا ۔ نہ پُر امن نہ خوفناک ۔ برہنہ پائی اور تہی دستی کی وہاں گنجائش نہیں ۔ ہاں! وہاں کوئی راستہ نہیں لیکن اس سے پہلے پہاڑوں کی چوٹیاں اور ان سے ورے نشیب وفراز حائل ہیں ۔ وہاں راہِ حقیقت کشادہ اور مضبوط ہے اور قوموں کی قومیں اس میں رواں دواں ہیں ۔ " سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا " میں اس کی طرف ایک رمز ہے اور ''انی ذاھب الیٰ ربی'' میں اس کی طرف اشارہ ۔ " قل ھذا سبیلی ادعو الی اللہ " سے یہی مراد ہے ۔ " ففروا الی اللہ " اسی معنی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور وہ دو شعر جو آپ نے نور مطلوب کے ظہور اور طالب کی کم مائیگی کے متعلق تحریر فرمائے ہیں ، نے مجھے بہت محظوظ کیا ۔ لکھنے اور کہنے والے نے کیا کمال کیا ہے ۔ ہاں معاملہ ایسے ہی ہے ۔ " انت غمامۃ علیٰ شمسک دع نفسک وتعال " ۔ فارسی اشعار میں جو مطلوب کا وصال اور محبوب کی ہم آغوشی مرموز تھی ۔ یہ سب کیلئے دل سوز اور سینہ افروز ہے اور عرفان کی بنیاد بے حجابانہ وصل ہے ۔

لیکن واضح ہو کہ یہ تمام باغ تشبیہ کے پھول اور عالم سکر ومستی کے شعبدے ہیں ۔ مقامِ تنزیہہ ، جو حضرت ذات کی طرف سب سے زیادہ قریب ہے ، ان تمام امور کو برداشت نہیں کرسکتا ۔ اور وہاں تو صرف وہی ہے جو بیان سے بلند تر ہے ۔ وہاں حیرت ونکارت میں سے کچھ نہیں اور حقیقت کا ادراک

نہ کر سکنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

عنقا شکار کس نشو ددوام باز چیں — کہ ایں جا ہمیشہ باد بدست دام راہ

ما للتراب ورب الارباب — چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

مرا ہرگز کجا آئی در آغوش — تو از خوبی نمی گنجی بہ عالم

یہی وجہ ہے کہ مقربان بارگاہِ ایزدی کو حزن وملال دامن گیر رہتا ہے اور یاس وحرمان سرمدی خاصان درگاہ کیلئے لازم کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ حدیث ﷺ میں ہے کہ "كان عليه ﷺ دائم الحزن ، متوصل الفكر"۔(حضور ﷺ ہمیشہ حزیں اور مسلسل تک مندر ہتے تھے)۔

دلہا ہمہ آب گشت و جانہا ہمہ خون — تا چیست حقیقت زپس پردہ بروں

اور وہ دوہرا جو اس راہ کی دشواری کے متعلق لکھا تھا، وہ بہت دل نشین اور بے ساختہ تھا اور اس راستے کی دشواریاں اس سے بھی زیادہ ہیں۔مخبر صادق ﷺ نے ان دشواریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ، "وان امامكم عقبة كئود"۔ (تمہارے سامنے پیچیدہ گھاٹی ہے)۔یہ تو ہے لیکن:

گر موج زند عنایت او — موراں بہ کنند کار پیلاں

﴿ اگر اس کی عنایت کا سمندر موجزن ہو تو چیونٹیاں ہاتھیوں کا سا کام کریں ۔﴾

احادیث میں ہے کہ:

"ان الله يفعل با الضعيف ما يتحير فيه القوى"۔ (بلاشبہ اللہ کمزور سے وہ کام کرالیتا ہے جس سے طاقتور حیران رہ جاتا ہے۔)

عجائب رہ عشق اے رفیق بسیا راست — زپیش آہوئے ایں دشت شیر نر برمید

﴿ اے دوست ! راہ عشق کے عجائبات بہت ہیں ۔ جنگل کے ہرن سے نر شیر بھاگتا ہے ۔﴾

روز آں بتو بودم و نمی دانستم — شب بہ تو غنودم و نمی دانستم

ظن بود بہ من کہ من جملہ منم — من جملہ تو بودم و نمی دانستم

جو آپ نے تحریر فرمائی ہے، وصال کی خبر دیتی اور غلبہ سکر وحال کے باب سے ہے ورنہ "ليس عند ربك صباح ولا مساء"۔ (اللہ کے ہاں نہ تو صبح ہے اور نہ شام)۔ "لم يلد ولم يولد" اس کے جلال کے صحیفہ کا عنوان ہے اور "ولم يكن له كفواً احد" اس کی توقیع کمال کا دیباچہ ہے۔

آبروئے دوست کے شو دوست کش خیال من — کس نزد دست زیں کمان تیر مراد بر ہدف

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ:

وغنى بى منى قلبى و فيغيذت كما غنى — وكنا حيث ما كانوا حيث ما كنا

یہ اسی قبیل سے ہے ورنہ وہاں تو قیل وقال نہیں ہے اور نہ حیث، کان اور انس وجان ہے۔ "كان الله ولم يكن معهٗ شئ والان كما كان" ور آیت وما كان لبشر ان يكن له الله الاحيااومن وراء حجاب"۔ جواہر سالکان کیلئے نقادہے۔اور "ولا تضربو الله الامثال والله يعلم

وانتم تعلمون "۔ عارفین کے پہچاننے کا معیار ہے۔کیا آپ نہیں دیکھتے کہ سرخیل محبان نے "لن ترانی" کا زخم برداشت کیا اور سر دفتر محبوبان نے "لیس لکا من الامر شیٔ" کی ندا سنی۔گویا ایک طرف عنایت ہے اور دوسری طرف بے نیازی۔آپ نے لکھا تھا کہ جو حق بات ہے، گفتگو میں نہیں آتی۔اس سے بظاہر یہ مراد ہے کہ سننے والوں کے افہام کے قصور کی وجہ سے کہ وہ ادراک نہیں کر سکتے۔ورنہ سخن اگر لفظی ہے تو عین گفت ہے اور اگر نفسی تو ہر عیان چیز کیلئے بیان ہوتا ہے۔ایسا ہرگز نہیں بلکہ اس سے مراد خود متکلم کا قصور ہے اور یہ ایسے ہی ہے اور سخن حق سے مراد حقیقت ذات کا بیان ہے کیونکہ ذات کو ہدایت کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے اور ظن وتخمین سے گفتگو کرنا بے ادبی ہے۔ "فان الظن لا یغنی من الحق شیٔا "۔ ظاہر ہے کہ جو کچھ ممکن کے قبضہ اور متناہی کے احاطہ میں آ گیا، لامحالہ وہ ممکن اور متناہی ہوگا اور واجب تعالیٰ کی ذات غیر متناہی ہے اور وہ اس سے بہت بلند ہے۔

حضرت خواجہ بزرگ (اللہ ان کی قبر کو معطر فرمائے) نے فرمایا،''جو کچھ دید وشنید ہے، تمام غیر حق ہے۔اسے کلمہ لا کی حقیقت کے ساتھ نفی کرنا چاہیے۔''

بس بے رنگ است یار دل خواہ اے دل　　　قانع نہ شوی برنگ ناگاہ اے دل

پس حاصل کلام یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو اس کے ساتھ تعلق سے منزہ ہے، اس سے تعلق تکلم سے بطریق اولیٰ منزہ ہوگی۔ابصار اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔یعنی فکر ووہم اور نگاہوں کی بصر اسے نہیں پا سکتی۔

چساں نشاں وہم آں نشان یکتا را　　　مگس چہ شرح دہد آشیاں عنقارا

میرے محترم!

جسے اس نے خلعت کلام پہنائی اور " انی اصطفیتك بکلامی ورسالتی "خوشخبری سے معزز کیا، اس نے "یضیق صدری ولا ینطلق لسانی" کی صدا بلند کی جسے اس نے جوامع الکلم عنایت فرمائے۔تاج معراج، اولیت اور خاتمیت سے عزت بخشی وہ بھی پکار اٹھا، "لا احصیٰ ثناء علیك، سبحان الله رب العرش عما یصفون "۔

اے تو از گمان خلق بس دور　　　جلوائے تو از پر مگس نور
ہر کس کہ ز کنہ تو سخن گفت　　　خود گفت و ز گفت خود بر آشفت
اے برتر ز آں ہمہ کہ گفتند　　　وانہا کہ بدیں ہم نہفتند
توحید تو ہر کہ راند در قیل　　　بر مور چہ زد عماری فیل

لیکن آپ کا یہ ارشاد کہ "فمما من عیان الاولہ بیان "۔ارشاد خداوندی ہے: "الرحمٰن علّمَ القرآن "۔یہ درست ہے لیکن جو عیان سے بلند ہے وہ بیان سے خالی ہوگا اور آپ علم کے ذریعے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔بعض محققین نے صوفیاء کے اس قول "من عرف الله تعال لسانه" کے متعلق کہا ہے کہ صفات شیون اور اعتبارات کے مرتبہ سے ہے لیکن صوفیاء کا یہ قول "من عرف الله كل لسانه" مرتبہ خالص ذات جو صفات و اعتبارات سے خالی ہے کیونکہ وہ "مجهول الكيف" ہے۔میں کہتا ہوں کہ پہلی بات قول خداوندی "الرحمٰن علّم القرآن" میں بلاشبہ قرآن صفات میں سے ایک صفت ہے۔اس لیے اسم ذات کی بجائے اسم صفت سے آغاز کیا اور دوسری بات یہ ہے کہ "فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ" میں جو کچھ وحی کیا گیا، اسے مبہم رکھا گیا اور عبد کی اضافت ھویت ذاتیہ کی طرف کی۔گویا پیغمبر ﷺ کہ اس فرمان "ابھموا ما بھم الله" میں یہی بات پوشیدہ ہے۔یعنی تم ذات کے متعلق بحث مت کرو کیونکہ تم رخ کبریا سے پردہ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے۔کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے:

ہر چہ گویم را شرح و بیاں　　　چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں

نکتہ :

محترم! چونکہ نماز اعمال میں سب سے مقرب عمل اور تجلیات ومشاہدات کا مَورد ہے۔ حدیث نفیس ﷺ " الصلٰوۃ معراج المومنین " اور خبر معتبر " اقرب ما یکون العبد من الرب تعالیٰ فی السجدہ " اس مدعا پر بین اور واضح دلیل ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کی ادائیگی کے وقت سالک کو بے حجاب کی ہم آغوشی اور بے نقاب محبوب کی ہم دوستی کا وہم پیدا ہو جاتا ہے۔ اور فرطِ عشق وطلب میں مظہر وظاہر اور صورت وحقیقت میں فرق نہیں کرتا۔ اسی لیے نماز کے تمام ارکان میں تکبیرات کا حکم دیا اور تسبیح کا امر فرمایا۔ یعنی اے سالک! تیرے دل میں وصال کا جب کوئی خیال پیدا ہو تو جان لے کہ ذات باری تعالیٰ اس سے کہیں بلند وبرتر ہے اور وہ سبحانہٗ تیرے خیال سے منزہ ہے۔

حافظ شیرازی نے، سالک کے وصول کا تو ہم جو تجلیات ومشاہدات کے ورود سے پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ وہ ایسا نہیں، اس شعر میں خبر دی ہے:

عکس روئے تو کہ در آئینہ جام افتد — عارف از خنداں مے در طمع خام افتد

یعنی خون دل عارف جو محبت کے پیدا ہونے کی جگہ ہے، ماسوا کے نقوش کو مٹا کر تجلی ذاتی جو اس ذات سے کنایہ ہے، کا مرکز بن جاتا ہے اور باطن کی کیفیت سے پہلے سوگنا ترقی کر جاتی ہے اور بے پایاں شگفتگی اور مسرت ظہور پذیر ہوتی ہے تو ناچار عارف ظلال کے بغیر اصل کے ساتھ وصول ووصال کے لالچ میں پڑ جاتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ تجلی یعنی کان کی تجلی شائبہ ظلیت سے خالی نہیں ہوتی کیونکہ وہ مرتبہ ثانیہ یا ثالثہ ظہور الشئ ہے۔

خلق را روئی کے نماید او — در کدام آئینہ در آید او

پس اگر کہا جائے کہ تب تو ذات تک رسائی بالکل ممکن نہیں، حالانکہ مشائخ کبار سے اس حد تک رسائی منقول ہے۔ بعض صوفیائے کرام نے کہا ہے:

ذات من نیست جز تجلی ذات — ذات برمن زدہ است راہ صفات

اور ایک دوسرے نے کہا ہے، **"حق تو یہ ہے کہ میں اسم صفت سے گزرے بغیر ذات تک پہنچا ہوں "**۔ اس سلسلہ میں مشائخ کبار کے اقوال اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہم کہتے ہیں کہ وصول الی الذات سے مطلقاً انکار نہیں کرتے بلکہ اس کی ذات کی کنہ تک پہنچنے سے انکار کرتے ہیں اور حصول کے طریق پر اس کی کیفیت کے ادراک سے انکاری ہیں۔ لیکن بلا کیف وصول وادراک تو ممکن ہے بلکہ واقع ہے اور اس کے براہین و دلائل ہیں جیسا کہ اپنے باب میں ثابت ہوا ہے اور اسی قبیل سے ایک یہ بات ہے کہ اس وصول کے ساتھ ابدی نگرانی حاصل ہو جاتی ہے اور اس وصول کے باوجود دائمی حزن واندوہ جدا نہیں ہوتے۔ اور یہ دو امور کی وجہ سے ہے۔ ان میں سے ایک "تلون وتلذذ" ہے جو اسے اس سے پہلے تجلیات صفاتیہ میں حاصل تھا اور اس کا باطن اس کے ساتھ کچھ عرصہ مانوس رہ چکا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ سالک اپنی تشنگی اور شوق کے باوجود اس مقام کی وسعت کے سبب اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ اگرچہ بسیط ترین ہوتا ہے لیکن ذات حق اس سے وسیع تر ہے اور یہ سب کچھ بلا کیف ہے۔ اس مقام میں عارف مستسقی کے حکم میں ہوتا ہے جو کبھی بھی اس سے سیر نہیں ہوتا نہ اس مقام کا کوئی کنارہ ہے اور کوئی اس کی انتہا ہے نہ وہاں انجام نہ اختتام۔

ے بہ میر دشتنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

شیخ عطارؒ فرماتے ہیں

نمی بینی کہ شاہی چو پیمبر — نہ دیدہ قعر گل تو رنج کم بر

یعنی اس مرتبہ پر رسائی جس کے اوپر کوئی مرتبہ نہ ہو اور خزانہ جبروت میں کوئی ایسا جوہر جس کی ضرورت باقی نہ رہے محال ہے۔ وفوق کل ذی علم علیم۔

اور کہیں کہ جسے نہ جانتے ہیں نہ پہچانتے ہیں، اسے کیسے طلب کرتے۔ اور اس کے پیچھے جگر کیسے کباب اور آنکھوں سے پانی کیسے بہاتے۔ ہم کہتے ہیں کہ جاننا اور پہچاننا طلب کی شرط نہیں ہے۔ آوازِ حسن معشوق حریف عشق کو بے قرار اور بے آرام کر دیتی ہے اور جمال محبوب کی باتیں، خوشبو اور دیوانگی عاشق کو جوش میں لاتی ہیں۔ اس قسم کے پھول اس وادی میں بہت کھلتے ہیں اور اس طرح کی نیرنگیاں اس راہ میں اکثر ٹپکتی ہیں۔ یہ عشق بازوں کی دیوانگیاں جان گدازوں کی شگفتگیاں ہیں۔ عشق میں اسی قسم کی بوالعجبیاں پیدا ہوتی ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن جامی فرماتے ہیں:

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد — بسا کہ ایں دولت از گفتار خیزد

ہاں ادب کا تقاضا یہ ہے اور محبوب کی کبریائی کے لائق یہی ہے کہ:

اے عشق ز عاشقاں عجب نیست — معشوق شناسی از ادب نیست

پھر جاننا چاہیے کہ ذات باری تعالیٰ کو جس طرح کسی عبارت سے تعبیر نہیں کیا سکتا اور نہ کوئی اشارہ کیا جا سکتا ہے، اسی طرح اس تک رسائی کسی عبارت سے تعبیر نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی کوئی اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ رویتِ اخروی، ہم اس پر ایمان لاتے ہیں مگر اس کی کیفیت بیان میں مشغول نہیں ہوتے۔

؎ بلا بودی اگر ایں ہم نہ بودی

اگر کہیں کہ پھر مبتدی اور منتہی میں کیا فرق ہے کیونکہ دونوں سوز و گداز میں ہیں اور دونوں اس راز و نیاز کے طالب ہیں۔ اگر دونوں میں فرق کرنے والی چیز اس کا حصول مقصود ہے تو یہ دونوں میں مفقود ہے۔ اور اگر حزن و اندوہ ہے تو دونوں کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مبتدی کا عدم وصول حقیقی ہے اور منتہی کا صوری۔ اور مبتدی کا گریہ وزاری حجابات کی وجہ سے ہے اور منتہی کا گریہ عظمت و کبریائی کے مشاہدہ کی وجہ سے ہے۔ وہ (مبتدی) ابھی ستر ہزار پردوں میں ہے اور یہ (منتہی) انوار کی شعاعوں میں بے قرار قدم رکھے ہوئے ہے۔ اس (مبتدی) نے بارِ ہستی کو اپنے کندھوں سے نہیں اتارا۔ اور یہ (منتہی) اس کی عظمت کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔ وہ (مبتدی) ابھی تک لباسِ مائی و منی سے باہر نہیں نکلا۔ اسے (منتہی) موہوب وجود کی خلعت سے مکرم کیا ہوا ہوتا ہے۔ وہ (مبتدی) خیالوں اور سایوں سے نہیں چھوٹ سکتا اور یہ (منتہی) سایہ سے گزر کر واصل ہو چکا ہوتا ہے۔ یہ بقاء المریدین (مبتدی) اور وہ (منتہی) بقاء الشیخ کے مقام پر پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ اس جان جہان کیلئے جان جوکھوں میں ڈالنی چاہیے اور اسم و رسم سے گزر کر اور نام و نشان سے آزاد ہو کر اپنا قبلہ توجہ تنزیہہ مطلق اور غیب صرف کو بنانا چاہیے۔ "ان اللہ یحب معالی الھم" (بلاشبہ اللہ بلند عزم لوگوں کو دوست رکھتا ہے)۔ کیا خوب کہا ہے:

؎ آں لقمہ کہ در دہاں نمی گنجد

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مقصود موصول ہے حصول نہیں اور مطلوب مقرب ہے، ادراک نہیں۔

نانو بخانو کا ادبارک لاکی جانو — جاتی جہاں کیے تہاں نانو نہ کانو نا تھانو

گرفتم نباید ایں عنقا بدامم — نباید ایں عنقا بدامم — تیند نہائے دامش را غلامم

کسے را اگرچہ برگ ایں سفر نیست — بہ از سودائے او چیزے دگر نیست

ہم اپنے مکتوب کو مجدد الف ثانیؒ کے کلام پر ختم کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: "تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جس نے امکان کو وجوب کیلئے آئینہ اور عدم کو وجود کیلئے مظہر بنایا اور وجود و وجوب اگرچہ دونوں اس کے کمال کی صفات ہیں مگر وہ تو ان دونوں سے وراء ہے۔ بلکہ تمام اسمائے صفات اور

شیون واعتبارات اورظہوروالبطون اورتجلیات وظہورات اورمشاہدات ومکاشفات ہرمحسوس ومعقول ہرموہوم ومتخیل سے وراء ہے۔پس وہ سبحانہٗ تعالیٰ وراء الوراء پھروراءالوراء ہے۔

چہ گویم با تو از مرغ نشانہ   کہ با عنقا بو دہم آشیانہ
زعنقا ہست نامی پیش مردم   زمرغ من بود آن نام ہم گم

پس وہ تعریف کرنے والے کی تعریف سے بے نیاز ہے بلکہ تمام تعریفوں کا منتہیٰ اس کے سراپردوں سے ورے ہے۔پس وہی ہے جس نے اپنے نفس پرثناء کہی اوراپنی ذات کی حمد بیان کی۔وہ خودہی حامد ومحمود ہے اوراس کے ماسواتمام اس کی مقصودبالذات حمد کے اداکرنے سے عاجز ہیں۔ان کا کلامِ قدسی ختم ہوا۔

پیہات قلم بود قلمم در کف اندیشہ گداخت   رنگ آخر شد و نیرنگ تو تصویر نی شد

عرفان پناہا! طالب فیض کسی مقابلہ یا مناظرہ کے درپے نہیں، بلکہ یہ بات نیم خامی اورترکِ جوشی کے باب سے ہے۔امید ہے آپ معاف فرمائیں گے۔

العذر عند کرام الناس مقبول ۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدا ۔ والتزام متابعت المصطفیٰ علیه وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والتسلیمات العلیٰ ۔
(سلامتی ہواس شخص پرجوراہِ ہدایت چلا اور مصطفی ﷺ کی پیروی کی)۔

جواب شیخ ابو الرضاؒ

تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں، جس نے ہمیں ہرتشبیہ اورنقصان سے نکال کراپنی ذات اقدس کی طرف جذب کرلیا۔پس ہم نے اسے بغیرکسی حیرانی، نکارت اورجریان کے اپنی شہ رگ کے قریب پایا اورہرعارف اورحیران یعنی جاہل، جوحقیقتِ امرتک نہیں پہنچا وہ حیران ہوتا ہے، کی طرف سے ہمارے نبی وآقا ﷺ اورآپ کی آل پردرودوسلام ہو۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ ا

گرامی نامہ دلکش عبارات کے ساتھ پہنچا۔اس مکتوب میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ دعوت وصول غلبہ حال کی وجہ سے ہوتی ہے توسخن مغلوب کا کیا اعتبار؟ اوراس کی مثالیں رموزواشارات اشعار کے ساتھ پیش کی ہیں۔اس کے علاوہ انوکھی تشبیہات، کنائے اوراستعارے تھے۔میں رموز واشارات کوسمجھا۔آپ نے سب سے پہلے تحریر کیا

کیف الوصول الی سعادودونھا   قلل الجبال ودونھن حتوف
الرجل حافیۃ ومالی مرکب   والکف صفر والطریق مخوف

﴿ میں سعادتک کیسے پہنچوں، راستے میں بلند پہاڑ اورنشیب وفرازحائل ہیں۔میرے پاؤں میں جوتا ہے نہ میرے پاس کوئی سواری ہے، راستہ خوفناک ہے اورمیں تہی دست ہوں۔ ﴾

میں کہتاہوں کہ یہ اشعارراستے کی طوالت اورامتناع وصول میں صریح ہے اورمیں نے جولکھاتھا کہ ھویتِ ذاتیہ کی سعاد(محبوبہ) تک رسائی سیر مستطیل جوکہ عام خلق وامر کے اعتبارات کی پہاڑی چوٹیوں پرمشتمل ہے، کے ذریعے وصول بہت مشکل ہے ت یہ بات مقصد کی تفسیر،طوالتِ راہ اوراس

میں قدموں کے وقوع کا بیان ہے۔ امتناع وصول کی تاویل وصول کی دشواریوں کے ساتھ حاصل ہونے کے ساتھ کی گئی ہے اور میں نے راستے کی نفی کسی خاص سبب سے بعض اشخاص کیلئے کی ہے جس کا کوئی منکر انکار نہیں کرتا۔ اور اس پر کوئی معترض اعتراض نہیں کرسکتا۔ لہٰذا مطلق طریق کے اثبات اور وقوع اقدام پر کوئی مصادرہ نہیں۔ میں نے لکھا تھا کہ ''وگرنہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ تو وجوہاتِ خاص سے بندوں کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔۔۔ الخ''۔ اس بات پر آپ کا یہ فرمانا کہ یہ وجود کے بارے میں ہے لیکن وجدان کے اعتبار سے وہ وراء الوراء ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کی بات درست ہے لیکن یہ اکثریت کے لحاظ سے ہے۔ لیکن اس کی ذات کی طرف کام اعتبارات کے بغیر متوجہ ہونے والوں کیلئے جس طرح سبحانہٗ تعالیٰ وجود میں شہ رگ سے زیادہ قریب ہے، اسی طرح وجدان میں بھی ہے۔

تجدنی فی سواد اللیل عبدی — قریبا منک فا طلبنی تجدنی
مرا اندر شب تاریک یابی — زجان خویش ہم نزدیک یابی
مرا نزدیک خود پیوستہ میداں — نمی دانی اگر دانی بیابی

آپ نے اپنے خط میں یہ دوہڑا بھی لکھا تھا:

پذپ نکث سنکم اکم بگرمائیہ جیون جہانہ — چکہ اکیں مکہ رہن رہی ملنہ بہرمانہ

اس کے پڑھتے ہی میرے دل میں یہ خیال آیا:

ساجن میرے آیا کل لاکھو بہر بانہ — بل مارت بچھرت نہیں نس دن کہوں

میں نے لکھا تھا:

پردہ خاست تا بدید ستم — دوست بہ دوست کردہ در آغوش

آپ نے اس پر لکھا کہ ''یہ سب گلشن تشبیہ کے پھول ہیں''۔ میں کہتا ہوں کہ ہم آغوشی آپ کی عبارت میں متوقع ہے اور میری عبارت میں حاصل ہے۔

عبارتنا شتی و حسنک واحد — وکل الیٰ ذالک الجمال یشیر

آپ نے لکھا:

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں — کہ ایں جا ہمیشہ با دبدست است دام راہ

میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد عدم ادراک و احاطہ ہے۔

اے کمان و تیر ہا بر ساختہ — صید نزدیک و تو دور انداختہ

آپ نے تحریر فرمایا: '' ما للتراب ورب الارباب۔ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک ''۔ میں کہتا ہوں کہ قصہ معراجیہ میں یہ مذکور ہے کہ از راہ ادب کہا گیا تھا۔ قولِ خداوندی ہے: " یا محمد ا انک اخرت العبودیت تا دبا انا اخرتک لجمیع الکرمات لا سیت تفضل "۔ (اے محمد ﷺ! آپ نے ادب کے طور پر عبودیت کو چن لیا اور میں نے آپ کو تمام انسانی اعزازات کے ساتھ از راہِ فضل چن لیا۔'' پس تادب اور چیز ہے اور تفضل دوسری چیز ہے۔

خاک راہ چوں کار با پاک افتاد — پیش آدم عرش بر خاک افتاد

آپ نے لکھا تھا کہ '' مقربانِ بارگاہ کو ابدی حزن و ملال دامن گیر رہتا ہے ''۔ میں کہتا ہوں کہ دائمی حزن و اندوہ خدا تعالیٰ کا عذاب ہے جو

دشمنوں کیلئے ہوتا ہے نہ کہ دوستوں کیلئے۔ دوستوں کیلئے تو ہمیشہ زوفعت اور مقربین کیلئے آرام وراحت ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: " فاما ان کان من المقربین فروح و ریحان و جنت نعیم "۔ (اگر وہ بندہ مقربین میں سے ہے تو اس کیلئے آرام وراحت اور جنت کی نعمتیں ہیں)۔

آسودہ بکام خویش از وصل حبیب   نہ بیم فراق است نہ تشویش رقیب

خط میں تحریر تھا:

دلہا ہمہ آب گشت و جانہا ہمہ خون   تا چیست حقیقت ز پس پردہ بروں

میں سچ کہتا ہوں کہ پردہ کے پیچھے جان و دل باقی ہے اور مشتاق کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے لیکن جب کوئی جان و دل سے گزر جائے تو وہ پردہ کے اندر چلا جاتا ہے اور پکار اٹھتا ہے:

راز درون پردہ زرندان مست پرس   کہ ایں حال نیست زاہد عالی مقام راہ

آپ نے دوہڑہ لکھا تھا کہ:

بنہی گردر پیہم کو بپل جہاں زیبائی   دیکھ کارج بنہ کوچو چو کچیست پنجی دہائی

اس دوہڑے کے حسن تقابل کے متعلق کیا لکھوں لیکن میرے دل میں یہ دوہڑہ آیا

سات سمندر ہم کئی نہ پت اکم اپار   کچت تہی بہ کئی بہر لاکی اردار

آپ نے تحریر فرمایا، " لا تضربو الله الامثال "۔ میں کہتا ہوں " واللهُ المثل الاعلیٰ " اور اس شعر کے متعلق

وغنی بی منی قلبی وفیغیدت کما غنی   وکنا حیث ما کانو ا حیث ما کنا

عرض ہے کہ اس سے وفاق مراد ہے، فراق نہیں۔ پس مضمون عالی میں کوئی تشبیہہ اور ضرب الامثال نہیں۔ جیسا کہ حضرت شیخ احمد کو (جو مکتوب الیہ کے دادا اور بزرگ ہیں) کہ اقتباس میں نہیں۔

چہ گویم با تو از مرغ نشانہ   کہ با عنقا بود ہم آشیانہ

ز عنقا ہست نامی پیش مردم   ز نرغ من بود آن نام ہم گم

کیونکہ مرغ سے مراد اس سبحانہ تعالیٰ کے بلند مرتبہ عنقا کے ساتھ ہم آشیانی کا وہم ہے۔ پس آپ کی گفتگو پرندوں کی بولی ہے۔ اگر دوسرا نہ سمجھے تو کوئی بھلائی نہیں۔

تحریر تھا کہ پیشوائے محبان (حضرت موسیٰؑ) نے زخم لن ترانی کو برداشت کیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اس دنیا میں نہیں دیکھ سکتے لیکن اس گروہ کیلئے دوسری دنیا ہے۔ آپ نے لکھا کہ محبوبوں کے سردار نے لیس لك من الامر شیٔ کی صدا سنی۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا شان نزول ایصال ہے نہ کہ وصول۔ کیونکہ آپ کے بلند مرتبہ کے متعلق ہے، دنیٰ فتدلیٰ فکانا قاب قوسین او ادنیٰ ۔ آپ نے لکھا تھا کہ جسے خلعت کلام پہنائی گئی اس نے کہا یضیق صدری ولا ینطلق لسانی ۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا معنی ہے کہ میں معانی کے حقائق اور مکشوفات کی باریکیاں بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن میری زبان جو اخگرِ فرعون سے جل گئی تھی اور اس پر عقدہ پڑ گیا تھا، میرا ساتھ نہیں دیتی۔ اس وجہ سے میں تنگ دل ہو جاتا ہوں۔ اور یہ آیت اس معنی پر دلیل ہے: واحلل عقدة من لسانی یفقهو قولی ۔ اور اسی طرح یہ آیت واخی هارون هو افصح منی لسان فا رسل معی رداء ۔ کیونکہ دعوت فصیح و بلیغ آدمی بہتر طور پر کرسکتا ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ جسے جوامع الکلم عنایت کیا گیا وہ بھی لا احصیٰ ثناء علیك پکار اٹھا۔ میں کہتا

ہوں کہ احصیٰ کا معنی پوری طرح شمار ہے اور معنی یہ ہے کہ تیرے کمالات عیان میں داخل نہیں اور ثناء اور بیان عیان کے بعد ہوتا ہے جیسا کہ حدیث کا وہ تمتع جو آپ نے چھوڑ دیا ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے "انت کما اثنیت علیٰ نفسك "۔ میں نے لکھا تھا کہ "ما من عیان الاوله البینا"۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے :" الرحمٰن علم القرآن ۔ خلق الانسان ۔ علمه البیان "۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے قرآن سکھایا جو کہ تمام معرف ذاتیہ، صفاتیہ اور انعامیہ پر مشتمل ہے۔ اور انسان کو باقی تمام حیوانات سے اس بیان کی تعلیم سے جس پر قرآن مشتمل ہے، ممتاز کیا۔

خط میں تحریر تھا کہ "ما کان عالیا من العیان کان خالیا عن البیان "۔ (جو عیان سے بالا ہوگا وہ بیان سے خالی ہوگا)۔ میں کہتا ہوں کہ یہ درست ہے لیکن یہ اس قول کے منافی نہیں کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو عیان کے ذیل میں آتا ہے وہ بیان میں داخل ہوتا ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ " دیگر عیان راچہ بیان "۔ میں کہتا ہوں کہ بیان کی عدم ضرورت عیان کیلئے ہے اور بیان کی ضرورت اس کیلئے ہے جو صاحب عیان نہیں ہے۔ یہ اور ہے، اور وہ اور۔ آپ کے اس قول "انما نمنع الی الوصول الاکنه الذات ودرك کیفیته " کہ ہم ذات کی کنہ تک وصول اور اسکی کیفیت کے ادراک کے قائل نہیں، کے متعلق کہتا ہوں کہ عطف اور رجاء کی وجہ سے اثبات کیفیت لازم ہو جاتا ہے۔ موصول کے لئے ہو یا ذات کیلئے۔

آپ نے لکھا تھا کہ کسی مرتبہ تک پہنچ جانا کہ اس سے اوپر کوئی مرتبہ مقصود نہ ہو سکے، محال ہے۔ درست ہے، مگر صفات کی سیر میں۔ لیکن ذات بلا اعتبارات کے وصول کے بعد تو کوئی مرتبہ مقصود میں نہیں اور یہاں عرفاء پہنچتے ہیں۔ ولیس وراء العباد ان قریته۔

مکتوب میں تحریر تھا کہ یہ عشق بازوں کی دیوانگیاں ہیں۔ میں کہتا ہوں، مجھے عشق سے کیا کام، کیونکہ عشق حجاب ہے اور عاشق ومعشوق رخ حقیقت کے القاب ہیں۔ اس کے باوجود عشق دلوں میں ایک آگ ہے جو محبوب کے سوا ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔ پس کیا ہی اچھا جنون ہے اور کیا ہی خوب مجنون۔ کلام قدسی ہے :" انت عشقی وانا عشقك یا محمد ﷺ "۔

در عشق آمد نوائے ہر دل — حل نہ شد بے عشق ہرگز مشکلے
گر عشق ہمے مونس وہم خانہ ما — غم ہا ہمہ یك جرعه پیمانه ما است
است — اونیز غلام دل دیوانه ماست
از عقل فرو گزر کہ در عالم عشق

لیکن آپ کا قول رویتِ اخروی کی طرح کہ ہم اس پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ کیفیت رویت کے متعلق صریح ہے اور وصول کیلئے مثلیت کو مستلزم ہے اور یہ دونوں کیف ہیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ اسم ورسم سے گزر کر تنزیہہ مطلق اور غیب کو اپنا قبلہ توجہ بنانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ عزائم کی بلندیوں کو پسند کرتا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ توحید میں بند ہو گئے ہیں، جو اس راہ کا وسط ہے۔ اور مغلوب الحال ہو گئے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ اس سے اوپر کوئی چیز نہیں۔ مزید ترقی کی کوشش کیجئے۔ یہ میرا اور میرے بلند ہمت ساتھیوں کا مشرب ہے اور اسم ورسم سے بے نیاز ہو کر تنزیہہ مطلق کو اپنی توجہ کا قبلہ بنانے کے متعلق جو آپ نے لکھا ہے، اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ اسم ورسم کے بغیر تو توجہ کا حاصل ہونا ہی محال ہے کیونکہ توجہ کیلئے متوجہ اور متوجہ الیہ کا ہونا ضروری ہے۔ جب کہ متوجہ کی ذات بالاتفاق رسم اور خود لفظ متوجہ اسم ہے تو یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اسم ورسم کے بغیر توجہ کو مقام تنزیہہ پر مرکوز کر دینا چاہیے اور اسی طرح تنزیہہ اگرچہ ذات کے قریب ترین مقامات میں سے ہے مگر در حقیقت نہ تو کوئی مقام ہے اور نہ مقیم۔ " ان الله یحب معالی الھمم "۔ لیکن آپ کا یہ قول کہ مقصد تو وصول ہی ہے، حصول نہیں۔ آپ نے کہا ممکن ہے یہ بات صوفیاء کے قول صعب الحصول سے سمجھی جاتی ہو تو میں کہتا ہوں یہ تو وصول کی خبر

ہے اور جہاں تک شیخ کبیر قدس سرہٗ (مجدد الف ثانیؒ) کے کلام کا تعلق ہے تو وہ بلاشبہ معارف رقیقہ اور حقائق غریبہ میں سے ہے۔لیکن ان کے کلام کے آخر میں آپ کا یہ جملہ "انتھی کلامہ القدسی" (ان کا قدسی کلام ختم ہوا)، یہ الفاظ کلام القدسی کلام اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔اس کا اطلاق انبیاء واصفیاء کے کلام پر بھی جائز نہیں،تو ایک ولی کے کلام پر اس کا اطلاق کیسے جائز ہوگا۔

میرے دوست! آپ پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مقربین کیلئے قیود، ابدی حزن ویاس اور حرمان سرمدی کی عبارات کا استعمال جب کہ نصوص اس کے مخالف ہیں، طالبین کے جذبہ طلب کو کمزور کرتا ہے۔ہمیں قریب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "اذا سالك عبادی عنی فانی قریب "۔اسی طرح کلام قدسی میں ہے: "قربونی الی عبادی ولا تبعدونی "۔(مجھے میرے بندوں سے قریب لاؤ، مجھے ان سے دور نہ کرو)۔

گفتم ملکا! ترا کجا جویم من   در خلعت وصف تو چهار م گوئم من

گفتا که مرا محجوب بر عرش و بهشت   نزد دل خود جوئی که بر تو ئم من

میرے دوست! آپ نے جو کچھ مجھے لکھا، وہ محض نصیحت کی خاطر تھا۔اللہ آپ کو سلامتی کے ساتھ باقی رکھے۔میں نے بھی جو کچھ آپ کی خدمت میں تحریر کیا،خلوص ویگانگت سے محبت ودوستی کے جذبے سے لکھا ہے۔

کاتب حروف کہتا ہے کہ ان کے قول اس دوہرے 'مبھنی کرد ۔۔۔ الخ'' کے حسن تقابل کے بارے میں کیا لکھوں۔یہ آپ کے دعویٰ کے مخالف ہے اور ایک خاص صورت میں بعض عشاق کیلئے مفید ہے۔ان (شیخ حضرت ابوالرضاؒ) کا یہ قول کہ دل ناتو اں میں یہ آیا سات سمندر ۔۔۔ الخ ، یہ دوہرا پہلے کے برعکس فنا وبقا دونوں کا حال بیان کرتا ہے۔انکے اس قول "علیٰ تقادیر العطف والارجاء یازم ۔۔۔ الخ'' کی تشریح یہ ہے کہ کیفیتہ میں ضمیر مجروح مجرد تاویل شیٔ کے ذریعے یا تو وصول کی طرف راجع ہے یا ذات کی طرف۔دونوں تقدیروں میں یا تو عطف وصول پر ہوگا یا کنہ ذات پر پس یہاں چار تقدیریں ہیں۔ان میں سے ایک وصول کی کیفیت کے ادراک کو مانع ہے۔یہ ذات کی کیفیت کے اثبات پر دلالت کرتی ہے اور تیسری وصول کی کیفیت کے ادراک تک رسائی کی مانع ہے اور پہلی تقدیر کی طرح ہے اور چوتھی تقدیر کیفیت کے ادراک تک رسائی کی مانع ہے۔اور دوسری کی مانند ہے۔ واللہ اعلم۔

جب یہ مکتوب شیخ عبد الاحد کے پاس پہنچا تو انہوں نے پھر اس کا جواب لکھا اور وہ یہ ہے:

مکتوب شیخ عبد الاحدؒ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جو اپنے باطن میں ظاہر ہوئی اور اپنے ظاہر میں باطن رہی۔جس نے عدم کے اندھیروں کو اپنے وجود کے نور سے روشن کیا اور صلوٰۃ وسلام اس ذاتِ گرامی پر جس کا نور تمام مخلوقات سے پہلے اور جو تمام حمد کرنے والوں سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ کی آل، اصحاب اور تابعین پر بھی سلام ہو۔جب تک کہ انسان مشقت میں پیدا ہو اور نمازی رکوع وسجود بجا لاتا رہے، ابد الآباد تک۔

امابعد ۔جناب والا کی طرف سے مکتوب گرامی وصول ہوا، جس میں عارفین کے حقائق اور علماء کی باریک بحثیں تھیں ۔عمدہ نکات اور بلند کلمات پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ انواع واقسام کی عنایات واعزازات کو متضمن تھا، چونکہ آپ کے مکتوبات گرامی میں ہمارے خط کے مضامین پر متعدد بحثیں تھیں ۔اس لئے اپنے قصور اور فہم کے نقص کا اعتراف کرتے ہوئے ہم نے مناسب سمجھا کہ معذرت کریں اور اپنے خط کے لہٗ ماعلیہ کے متعلق گفتگو کریں اور عذر بزرگوں کا ہاں مقبول اور اصلاح وہدایت ان کا دستور ہے ۔

السلام علیکم وتحیتہ' کے بعد ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ قول کہ "امانی الوجدان فھو اسبحانہ' وراء الوراء ثم وراء الوراء" ، بالکل بے غبار ہے اور یہ ایک نکتہ ہے جو اکابر اخیار سے صادر ہوا ہے ۔خزار نے کہا ہے اور خزاروہ ہے جس کے متعلق سید الطائفہ نے فرمایا کہ "وہ ایسی غایت ہے جس کے اوپر کوئی نہیں" اور سید الطائفہ وہ بزرگ ہیں جن کے متعلق شیخ اکبرؒ نے کہا ہے کہ "وہ طریقہ حق کی زبان ہیں" ،جن کے متعلق شیخ الشیوخؒ نے فرمایا ہے کہ "وہ ایسا سمندر ہیں جس کا کوئی کنارہ نہیں" ۔اور وہ نکتہ یہ ہے کہ "الوجد عند وجود الحق " مفقود آپ کا یہ فرمانا کہ "ھذا بالنسبۃ الی اکثیرین " ۔اس کے متعلق آپ کہتے ہیں کہ یہ تمام اعتبار سے ہے ۔کیونکہ یہاں وجدان سے مراد کنہ کا ادراک، احاطہ اور اس کا ذہن میں حصول ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر بالتفصیل ذکر ہوگا لیکن وجدان ساذج جو اس قید سے مقید نہیں تو اس کا "بالنسبۃ الی اکثیرین "ہونا ممنوع نہیں ۔آپ کا یہ کہنا کہ عبارات میں معانقہ متوقع ہے اور ہماری عبارت میں حاصل ہے ۔ہم کہتے ہیں کہ جس کی تمنا ہو، وہ اس سے بلند ہے ، جو حاصل ہو چکا ہو ۔ہمارے لیے وصول کی طرح یہ آسان ہوگیا ہے تو ہم نے وصول سے اسی پر اکتفا نہیں کرلیا ۔آپ نے لکھا کہ:

عبارتنا شتی وحسنك واحد وکل الیٰ ذالك الجمال یشیر

کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے ۔یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ علائیؒ نے کہا ہے:

ندانم آن گل رعنا چہ رنگ و بو وارد کہ مرغ ہر چمن گفتگوئے او دارد

لاکھ سہیلی ایک پیو جھودست پی پی ہوئی نہ جانو کس راہ نوسی کن سہاگن ہوئی

ہمارے اس قول " ما للتراب ورب الارباب ۔ چه نسبت خاك را به عالم پاك " کہ متعلق آپ کا یہ ارشاد کہ یہ حضورﷺ کی طرف سے پاس ادب تھا اور تفضل امر آخر ہے ۔اس کے متعلق عرض ہے کہ حضورﷺ اس میں بہتر نمونہ ہیں ۔" ولکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنہ "۔ہمارا یہ کہنا کہ حزن واندوہ ابدی مقربان کا امن گیر رہتا ہے اور وصال مطلق ہے، یاس وحرمان خاصان درگاہ لازم ہے ۔اس پر آپ کا یہ فرمانا کہ حزن ابدی خواہ کسی وجہ سے ہو، مستقل الم اور عذاب ہے ۔یہ عام مومنین کے بھی لائق نہیں تو مقربین کے لائق کیسے ہوگا ۔یہ تو نص کے بھی مخالف ہے ۔ہم کہتے ہیں کہ یہاں کئی بحثیں ہیں ۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کچھ بیان کردیں ۔تاکہ عقدہ پوری طرح کھل جائے ۔

پس جاننا چاہیے کہ بلاشبہ آبد اور سرمد جس طرح خلود پر دلالت کرتے ہیں، اسی طرح عرصہ حیات پر بھی بولے جاتے ہیں جیسا کہ لغت اور عرف اس کی گواہی دیتے ہیں ۔چنانچہ قول خداوندی ہے : " ولا تقبل لھم شھادۃ ابدا " ۔اس بنا پر ہماری گفتگو کا لب لباب یہ ہے کہ حزن وغم جو محبت کو لازم ہے اور وصال مطلق سے یاس جو عظمت محبوب کے مشاہدہ سے ہوتی ہے، مقربین کے ساتھ اس وقت تک لازم ہوتی ہے جب تک وہ اس دنیا میں ہیں ۔اگر چہ وہ تجلیات ومشاہدات سے مکرم ہیں لیکن موعود موجود سے اتم واکمل ہے اور قول خداوندی " وللآخرۃ خیر لك من الاولیاء ومن کان یرجو لقآ اللّٰہ فان اجل اللّٰہ لات " ، اسی طرف اشارہ کرتا ہے ۔پھر یہ حزن ویاس جب کہ مراتب ظلال سے اصول کی طرف ترقی اور مدارج صفات سے حضرت ذات اور اصل الاصول تک عروج کے بعد حاصل ہوتی ہے ۔ان کا خاصہ ہے جو ان کے علاوہ کسی اور میں نہیں پایا جاتا

فرعون راندائیم اے دردسر زیرا کے اوند اشت سر دردہائے ما

اے عارف باللہ! یہ ایسی مدح ہے جو مذمت کے مشابہ ہے اور وہ کمال ہے جو نقص کے مشابہہ ہے۔ قولِ خداوندی " انهُ كان ظلوماً جهولاً " اسی قبیل سے ہے۔ حیرت ہے کہ آپ نے اسے محض مشارکت اسمیہ کے بنا پر دشمنوں کا حصہ قرار دے دیا۔ اور دوستوں سے اسے دور رکھا۔ پھر آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے دعویٰ کا ثابت کرنے کیلئے قرآنی آیات پیش کیں اور ان میں سے ایک '' يا عبادی لا خوف عليكم اليوم ولا انتم تحزنون '' ۔ ہم کہتے ہیں کہ لفظ " اليوم " فصیح ترین جواب ہے جیسا کہ ہم نے شروع باب میں اس کی طرف اشارہ کیا، یہ آیت ہے " الا ان اولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون " نے اسے بھی امر آخرت پر محمول کیا ہے جیسا کہ منتخبہ اور معتبر تفاسیر میں آپ دیکھتے ہیں اور اہلِ حقائق نے بھی اسے آخرت کی مبشرات میں سے شمار کیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض روولی کی ولایت کے متعلق اس کے علم کو ممنوع قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ بات عبودیت کا لازم خوف کے زوال کا سبب بنتی ہے۔ جیسا کہ تصرف میں ہے اور اسی میں سے قولِ خداوندی " فاما ان كان من المقربين فروح و ريحان و جنت نعيم " ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس سے اس استدلال کی کوئی وجہ نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عالمِ آخرت میں روح و ریحان مقربین کیلئے خاص ہے۔ اس سے کون انکار کرتا ہے؟ ان میں سے ایک یہ ہے کہ "انه' لا ييأس من روح الله الا القوم الكافرون " ۔ ہم کہتے ہیں کہ اس سے کیسے استدلال ہو سکتا ہے کیونکہ اگر روح سے مراد تمام اقسام محیث المجموع ہوں تو اس وقت بعض سے یاس کا کوئی نقصان نہیں اور اگر سلب کلی کے طور پر ایک ایک کر کے مراد ہوں ت یہ بالاجماع باطل ہے۔ کیونکہ اس کے افراد میں سے رسالت اور نزول وحی وغیرہ بھی ہے۔ جس سے یاس اور نا امیدی فرض اور ایمان کا حصہ ہے یا اس سے مراد اس کی بعض اقسام ہیں تو یا تو یہ متعین ہیں، پس مجمل ہیں، تو اس کیلئے بیان کی ضرورت ہے اور اگر غیر معین ہیں، پس مطلق ہوں گے اور دونوں کا کائی فائدہ نہیں۔

اے عارف باللہ! جس طرح امید کے بغیر محض یاس آیت کریمہ مذکورہ کی صراحت کفر ہے، اسی طرح امن مطلق کفر ہے۔ ارشاد خداوندی ہے : " لا يامن مكر الله الا القوم الخاسرون " ۔ اور قولِ خداوندی: " وخافون ان كنتم مومنين " ۔ اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ "الايمان بين الخوف والرجاء " ۔ اور اس سے پہلے حضور ﷺ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ کر چکا ہوں: " ان الله يحب قلب دائم الحزن متواصل الفكر " ۔ اور یہ بھی کہ آپ ﷺ نماز میں روتے تھے اور حضور ﷺ کی سیرت میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ غمگین ہوتے مگر ترش رو نہ ہوتے۔

جیسا کہ احیاء العلوم میں ہے اور داؤدؑ کے متعلق روایت کی گئی ہے کہ آپ روتے تھے تو جبرائیل نازل ہوئے اور کہا کہ آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے اور اس گریہ زاری کی وجہ پوچھتا ہے حالانکہ وہ اس سے بہتر جانتا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ میں دوزخ کے خوف سے روتا ہوں۔ حظیرۃ القدس میں جبرائیل گئے اور واپس آ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے دوزخ اپنے دوستوں کیلئے نہیں بنائی تو داؤدؑ کو تسکین حاصل ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد پھر رونا شروع کر دیا تو جبرائیل نازل ہوئے اور کہا کہ آپ کو کیا چیز رلاتی ہے۔ عرض کی کہ جنت کے شوق میں روتا ہوں تو جبرائیل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنت میں نے اپنے دوستوں کیلئے بنائی ہے۔ اس پر داؤدؑ کو سکون حاصل ہوا۔ کچھ عرصہ بعد پھر رونا شروع کر دیا۔ جبرائیل نے حسبِ سابق گریہ کا سبب پوچھا تو فرمایا، میں اللہ کے شوق وصال سے روتا ہوں۔ اس پر جبرائیل نے کہا کہ اللہ کہتا ہے کہ پھر جیسے چاہو روتے رہو اس کی کوئی انتہا نہیں۔ زندگی کا باغ تو طے ہو گیا لیکن عشق کے راستے کی کوئی انتہا نہیں۔

مشائخ سے جو روایات نمونہ کے طور پر ہم نے بیان کی ہیں ان میں سے ایک خواجہ عبد الخالق غجدوانی (اللہ ان کے مزار کو معطر رکھے) کا یہ قول ہے کہ: ''اے بیٹے! میں تجھے یوں وصیت کرتا ہوں''، یہاں تک فرمایا کہ '' تمہارا دل ہمیشہ اندوہ گیں، آنکھیں گریاں اور تیرا عمل خالص اور تیری دعا میں عاجزی ہونی چاہیے''۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے؛

اے خدا درد مرا درمان مکن　　　　درد منداں راز بے درداں مکن

حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا ''میرے لیے نہ رات میں نہ دن میں خوشی ہے۔اس لیے مجھے دونوں میں سے کسی کی پرواہ نہیں کیونکہ یہ خوشی جیسے شریعت میں کج روی کا باعث بنتی ہے اسی طرح طریقت میں میں تنزل کا سبب بنتی ہے کیونکہ یہ بعض حقائق پر پردہ ڈالنے ،بعض کی پردہ دری سے کنایہ ہے'' ۔آپ نے لکھا ہے کہ

سات سمندر پم کئی نہ پت اکم اپار　　　کچت تہی بہ کئی بھر لاکی اردار

ہم کہتے ہیں کہ یہ جیسے ابھی گزرچکا ہے، ذات باری تعالیٰ کے استغناء اور اس کی کبریائی کے اعتبار سے ہے۔اس پر میرے ذہن میں دو شعر آئے ۔ان میں سے ایک تو اسی ذات پر ہے اور دوسرا اس کے جواب میں ہے۔باوجود یہ کہ اس سے پہلے میں نے ہندی میں کبھی کوئی شعر نہیں کہا ۔

سات سمندر پار پیوہوں اکیانی نار　　　نہیں نہیں بنا کھوتی کسمس اتروں پار

پیم سمندری سکھی تہاہ نہیں جس دھار　　　پار لگی لے لاکھوں بے کس اردار

ہم نے کہا تھا "لا یضربو اللہ الامثال " ۔اس پر آپ کا قول ''اللہ مثل الاعلیٰ'' کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ مکمل ہے اور سابقہ آیت کریمہ کی دلیل ہے۔آپ کا ارشاد کہ لن ترانی سے مراد اس دنیا میں ان آنکھوں سے دیدار کی ممانعت ہے لیکن اس گروہ کیلئے ایک اور جہاں ہے۔ہم کہتے ہیں کہ بات درست ہے کہ اس بلند مرتبہ گروہ کا ایک دوسرا عالم ہے۔جیسا کہ ہمارے والد قدس سرہ نے قول خداوندی " بلھم فی لبس من خلق جدید " کی تاویل کی ہے یعنی وہ حقائق و اسرار کے ادراک سے محجوب ہیں ،نشاط جدیدہ، ولادۃ ثانیہ اور فنا کے بعد موہوب وجود سے شک میں ہیں، اگرچہ رذائل سے وہ بھر دیا جائے۔لیکن ابھی ایوان استغناء بلند ہے، تعرف میں ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کو ان ظاہر آنکھوں سے اور نہ ہی دل کی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔

ابن عربیؒ قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ: ''تجلی ذات متجلیٰ لہ' کی صورت میں ہی ظاہر ہوتی ہے۔پس متجلیٰ لہ' نے آئینہ میں اپنی صورت کو دیکھا۔نہ اس نے حق کو دیکھا اور نہ ہی دیکھنا ممکن ہے۔ "ویحذر کم اللہ نفسہ " ۔پھر موسیٰ نے اس زندگی میں اس نشاۃ کا ثابت و محقق کیا۔ہمارے قول سر دفتر محبوبان نداء "لیس لك من الامر " ''بہ شنید'' کے متعلق آپ کا یہ کہنا کہ اس کا شان نزول ایصال ہے، وصول نہیں۔ہم کہتے ہیں کہ امر کلمۃ اللہ ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :''ما کنت تدری ما الکتاب ولا الیمان ولا کن جعلناہ نورا نھدی بہ من نشاء من عبادنا ---الخ " ۔ہمارا قول ہے کہ جیسے اس نے خلعت کا کلام پہنایا، وہ پکار اٹھا " یضیق صدری الا ینطلق لسانی " کے متعلق آپ نے کہا ہے کہ میں حقائق و معنی اور دقائق معرفت بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن میری زبان جو انگارہ فرعون کی وجہ سے جل گئی تھی ---الخ ۔ہم کہتے ہیں کہ یہ تمام باتیں تفسیر سے متعلق ہیں اور کوئی مسلمان ان کا انکار نہیں کرتا لیکن جو ہم نے بیان کیا ہے وہ باب التاویل جو راسخین کے ساتھ مختص ہے، سے تعلق رکھتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ:" لکل ظھر و بطن فمنھم من اکتفیٰ بالظھر فاھتدی و منھم من نفذت بصیرتہ الی البطن فقان اھتدی لکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقو الخیرات '' (ہر حرف کے دو پہلو ہیں، ظاہر اور باطن ۔جس نے ظاہر پر اکتفا کیا، اس نے ہدایت پائی اور جس کی بصیرت باطن میں سرایت کرگئی تو اس نے ہر سمت میں ہدایت کاملہ پائی ۔پس اچھائیوں کی طرف بڑھو)۔

ہمارا قول یہ ہے کہ جسے اس نے جوامع الکلم عنایت کیے وہ بھی ''لا احصی ثناء علیك " پکار اٹھا، کے متعلق آپ نے فرمایا کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تیرے تمام کمالات عیان کے نیچے داخل نہیں ہو سکتے جب کہ ثناء کا احاطہ ثناء کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ہم کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھی یہی ہے۔آپ کا قول کہ نفی بھی قید کی طرف لوٹتی ہے اور وہ یہ ہے "انت کما اثنیت علیٰ نفسك '' ۔ہم کہتے ہیں کہ یہ بات مطلقاً نہیں ہے جیسا کہ انہوں نے قول خداوندی "لا تاکلو اربو اضعافا مضاعفہ '' میں ذکر کیا ہے۔پھر کلام مذکور میں نفی کو قید کی طرف لوٹانا غیر سلم ہے اور اس میں بحث کی گئی ہے جیسا کہ

شرح المطالع کے حواشی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ ہمارے مطلوب میں مخل نہیں بلکہ اس کی موئید ہے۔پس یہ ہمارے حق میں ہوئی نہ کہ ہمارے لیے باعث نقصان۔علاوہ ازیں ہمارا یہ قول کہ ''عیان راچہ بیان'' اور اس پر آپ کا یہ تبصرہ کہ صاحب عیان کو بیان کی حاجت نہیں ہوتی اور جو صاحب عیان نہ ہوا اس کو بیان کی ضرورت ہوتی ہے۔اس کا اس سے کیا تعلق۔ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ قول آیت کریمہ مذکورہ " ذالك الكتاب لا ريب فيه " کے قبیل سے ہے۔ہمارا یہ قول کہ ایسے مرتبہ پر پہنچنا جس کے اوپر متصور بھی نہ ہو سکے،محال ہے۔یہ بات آیت کریمہ " قل رب زدنی علما "اور حضورﷺ کی حدیث " انکم لن تستطیعوا ان تغلبو ھذا الدین '' سے ماخوذ ہے۔آپ کا قول " ھذا فی سیر الصفات ۔۔۔ الخ" کہ یہ سیر صفات میں ہے۔لیکن حضرت ذات تک وصول کے بعد تو فوق کا تصور محال ہے۔ہم کہتے ہیں کہ سیر صفات سے انقطاع کے بعد اجمالی طور پر حضرت ذات تک وصول تو ممکن ہے۔بلکہ بحمد للّٰہ سبحانہٗ واقع ہے لیکن اس سے اوپر ترقی عقلاً ونقلاً محال ہے۔حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے لیکن اس کی کنہ کا احاطہ تو وہ بھی اسی طرح محال ہے کیونکہ اگر وہ (طالب) سب سے زیادہ بسیط ہے تو وہ اس کی ذات وسیع تر بلکہ غیر متناہی ہے۔چنانچہ سیر واسع جو محققین کے نزدیک سیر فی اللہ کہلاتی ہے،بھی غیر متناہی ہے اور اس کا انقطاع محال ہے۔

شربت الحب کاساً بعد کاسٍ   فما نفذت الشراب وما رویت

؎ بہ میرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

صاحب تعریف نے کہا ہے کہ القول بالاصلاح اس کی قدرت کی انتہا کو ضروری ٹھہراتا اور اس کے خزانوں کو اختتام پذیر بتاتا ہے اور جل جلالہٗ کو اس سے عاجز کرتا ہے کیونکہ جب اس نے ان کو صلاح کے انتہائی مقام پر پہنچا دیا اور اس کے بعد کوئی شئے نہیں۔اگر وہ انہیں اس میں ترقی دے تو وہ اس پر قادر نہیں ہوگا اور انہیں عطا کرنے کے بعد اس کے پاس انہیں مزید عطا کرنے کیلئے کچھ نہیں ہوگا۔حالانکہ خدا تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے۔انتہی۔

جاننا چاہیے کہ ایک مقام میں ترقی اور ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی دو مختلف چیزیں ہیں اور جس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں،ان میں سے ایک ممنوع ہے اور دوسری فی الواقع موجود ہے۔اگر ایسا نہ ہو تو واصلین ذات کے مراتب میں کوئی باہم فرق نہ ہو اور وہ تمام قرب میں برابر ہوں اور وہ تمام ایک ہی مقام میں بند ہوں۔حالانکہ یہ سب غلط ہے،اگر کہا جائے کہ ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ ان میں فرق اس وجہ سے ہے بلکہ یہ تفاوت درجات کسی اور وجہ سے ہے۔ہم کہتے ہیں کہ تسلیم کرنے بعد منع ت میں آپ کیلئے یہی ہمارا جواب ہے۔

اے عارف باللہ!وہاں ترقی اور تفوق اس ترقی اور تفوق کی طرح نہیں جو مکان کی صفت میں ہوتی ہے اور مکان سے سطح مکان تک ہوتی ہے اور سیر وسلوک سے بھی جسمانی حرکت مراد نہیں۔بلکہ یہ ایک وجدانی چیز ہے۔بیان میں آنے والی نہیں۔جس نے اس کا ذائقہ نہیں چکھا وہ اسے جان ہی نہیں سکتا اور اس کی قرین ترین تعریف جو کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ ''یہ ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف ایک حرکت کیفی اور انتقال علمی ہے۔لیکن یہ مرتبہ صفات کے اعتبار سے ہے لیکن مرتبہ ذات کے اعتبار سے تو اس سے مراد معرفت اور انکشاف کی زیادتی اور بطون البطون میں نظر کا نفوذ ہے جس کی شہادت کشف صحیح دیتا ہے،ہم یہ جانتے ہیں اور حقیقت امر تو عالم غیب والشہادۃ ہی جانتا ہے۔ہمارے اس قول کہ رویت اخروی کی طرح کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے،کے متعلق آپ کا ارشاد کہ یہ کیفیت رویت کے مطابق صریح ہے اور مثلیت وصول کو متسلزم ہے اور یہ دونوں بلاکیف ہیں۔ہم کہتے ہیں کہ یہ تو عدم کیفیت کی تصریح ہے کیونکہ کیفیت میں مشغول ہونے کی ممانعت کیفیت کے انقطاع سے کنایہ ہے۔

عبارتوں میں اس قسم کے تسامح اکثر ہوتے رہتے ہیں اور سیاق سباق عبارت مدعی پر شاہد عدل۔بعض اکابرین نے کہا ہے کہ ذات باری تعالیٰ مجہول الکیفیت ہے یعنی اس کی کوئی کیفیت نہیں۔پھر بعض امور میں تشبیہہ سے مثلیت لازم نہیں آتی۔جیسا کہ انہوں نے علم بیان میں اسے بیان کیا ہے۔یہ تسلیم کرنے کے بعد بھی دو بے کیف امور کا آپس میں مماثل ہونا کیفیت کو متسلزم نہیں،جیسا کہ باری تعالیٰ کی صفات میں ہے۔ہمارا یہ قول کہ اسم رسم سے

گزر کر تنزیہہ اور غیب صرف کو قبلۂ توجہ بنانا چاہیے۔ "ان اللّٰہ یحب معالی الھمم "۔ اس پر آپ کا یہ فرمانا کہ متوجہ اور متوجہ الیہ میں توجہ ایک نسبت ہے، پس متوجہ کا لفظ اسم ہے اور ذات متوجہ رسم ہو تو توجہ مطلق ممکن ہی نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

اے عارف باللہ! جب معرفت وولایت کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں تو وہ فنا اور ہر اس چیز کو جو ماسوا کہلاتی ہے، کو مٹا دینے سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو معرفت حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی حقیقت تک رسائی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ تمام قوم صوفیاء کی نسبت اس پر گویا ہے۔

ہیچ کس راتا نہ گردد او فنا	نیست راہ دربارگاہِ کبریا

صاحب تنزیہہ کے قول کو معرفت قرار نہ دے لینا۔

گویند عنان خود چہ تابی	گم شو کہ گم شوی یابی
ایں نکتہ نمود نا صوابم	چوں گم شوم آن گہی چہ یابم
یا بندہ اگر کسی دگر درخواست	از گمشد پس اوچہ مے خواست

کیونکہ یہ فلاسفہ کی موشگافیوں میں سے ہے، ان معارف کا شائبہ تک نہیں اور سالک کیلئے مناسب نہیں کہ باتیں بناتا پھرے اور اگر آپ دیکھیں کہ محققین نے کیسے اس کا محاسبہ کیا ہے اور اس پر کیسے اعتراض کیے ہیں اور اس کے اعتراض کو اس پر رد کیا ہے اور اس کے شافی کافی جواب دیے ہیں۔ باوجود یہ کہ کلام بتکلف تاویل کے قابل ہے، ہمیں اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ تو اشکال رفع ہو جاتا ہے۔ عارف کامل قدوتنا حضرت خواجہ احرارؒ قدس سرہٗ نے فرمایا: ''سالک کی ذات وصفات کی فنا کے متحقق ہونے کے بعد (اللہ سبحانہٗ اسے ترقی دے اور اسے بقا تک پہنچائے)، اللہ اسے اپنی طرف سے ایک نور عطا کرتا ہے جس کے ساتھ وہ اس کا مشاہدہ کرتا ہے تو گویا ذات باری تعالیٰ کو اس کا غیر مشاہدہ کرنے والا نہیں ہوتا۔ پھر یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے والے کیلئے ذات کے ساتھ ثابت اعتبارات اور اضافات کا حذف کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ اپنی جگہ پر ثابت ہے۔ اور آپ نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔ پس اسم در اسم اور اعتبارات نفس کیسے حذف ہوئے۔ اور آپ کا یہ قول کہ تنزیہہ اگرچہ ذات کے قریب ترین مقامات میں سے ہے، بہر حال وہ مقام ہے اور حقیقت میں نہ مقیم ہے اور نہ مقام۔ اس کے متعلق ہمارا قول یہ ہے کہ شاید یہاں حقیقت سے مراد مرتبہ ذات بحت ہے۔ ورنہ اس سے اس کے معنی کرنے کا کوئی مفہوم نہیں ہوگا۔ پس وہ ہمارے لیے لطف وعنایت اور توجہ ہے اور آخرت میں ہمارے قول بلکہ تمام محققین کے قول کے مطابق فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی کنہ ذات ادراک سے بری اور اضافات اور اعتبارات سے معرا ہے۔ پس اس کی طرف نہ تو اشارہ کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی عبارت سے اسے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

درافگندہ ایں آوازہ از دوست	کزو برست دف گویاں بود پست

اصدق الصادقین ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "لا یخالطہ الظنون ولا یصفہ الواصفون "۔ ذوالنون مصریؒ نے کہا ہے کہ: ''التفکر فی ذات جھل ولاشارۃ الیہ شرك وحقیقة المعرفة حیرۃ "۔

آفاق روشن و ماہ تاباں پدید نیست	پر شور عالمین و نمك دان پدید نیست
از مہر تابہ ذرہ واز قطرہ تا محیط	چوگوئے در ترو دو چوگان پدید نیست

حسین بن منصورؒ قدس سرہٗ نے کہا ہے کہ قبل اس پر سبقت لے جانے کے، بعد اسے طے کرنے کے، عن اسے ظاہر کرنے، عن اس کی موافقت کرنے، الیٰ اس سے قریب ہونے، فی اس میں رچ جانے، ان اس سے مشورہ کرنے، فوق اس پر سایہ کرنے، تحت اسے گھٹانے، ھذا اس کا مقابل بننے، عند اس کی مزاحمت کرنے، خلف اسے حاصل کرنے، امام اسے محدود کرنے، قبل اسے ظاہر کرنے، بعد اس کی نفی کرنے، کل اسے جمع

کرنے، کان اسے موجود کرنے، اور لیس اسے مفقود کرنے سے قاصر ہے۔ حدث قدم اور عدم کو وجود پر تقدم حاصل نہیں۔ اس کی ذات میں کیف نہیں اور اس کے فعل میں تکلف نہیں۔

اکابرین میں سے کلاباذی نے کہا ہے کہ مخلوقات میں سب سے زیادہ معرفت رکھنے والا اس کی ذات میں سب سے زیادہ حیران ہوتا ہے۔ ابنِ عربیؒ قدس سرہٗ نے قول خداوندی "وان من شئ الا یسبح بحمدہٖ" کی تفسیر میں فرمایا کہ اس میں ضمیر شیٔ کی طرف راجع ہے کیونکہ کسی کی تسبیح کو جناب قدس میں رسائی حاصل نہیں ہوتی۔ قونویؒ قدس سرہٗ نے کہا ہے کہ حق اپنے اطلاق کی حیثیت سے یہ درست نہیں کہ اس پر کوئی حکم لگایا جائے یا کسی وصف سے جانا جائے یا اسکی طرف کوئی اضافت کی جائے۔

مولانا رومؒ نے فرمایا ہے؎

حق منزہ ہست از ہر اسم و نام　　　　تو چہ می چفشی بہ ہر اسم اے غلام

ہر چہ گوئم عشق را شرح و بیان　　　　چوں بہ عشق آئم خجل باشم ازاں

صاحبِ گلشن راز نے کہا ہے؎

بود اندیشہ اندر ذات باطل　　　　محال محض و آں تفصیل حاصل

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے کہ "میں اس خدا کو جو احاطہ شہود میں آئے یا متخیل و متوہم ہو، ہرگز نہیں پوجتا۔ میں تو اس لقمہ کو طلب کرتا ہوں جو منہ میں نہ سمائے، اسے سمجھا، جس نے سمجھا۔"

بعض اہلِ تحقیق نے موسیٰ کے قول کے بارے میں کہ جب فرعون کے سوال، جب اس نے ماہیت حق کے بارے میں پوچھا کہ "وما رب العالمین" تو جواب میں کہا کہ "رب السموات والارض وما بینھما" ۔ یہ حکیمانہ اسلوب بیان ہے جب کہ ان سے ماہیت حق کے متعلق پوچھا گیا جو ناممکن البیان ہے تو آپ نے نشانیوں سے جواب دیا جو صانع پر دلالت کرتی ہیں؎

جانہا پر آب گشت و دلہا ہمہ خون　　　　تا چیست حقیقت زپس پردہ بروں

اس نے کیا خوب کہا، جب کہ چیست کہا اور کیست نہ کہا۔ ہمارے اس قول کے مقصود وصول ہے نہ کہ حصول کے متعلق آپ کا قول کہ شاید یہ میرے صعب الحصول سے سمجھا ہے۔ ہم کہتے ہیں آپ کے قول سے نہیں بلکہ سبحانہٗ تعالیٰ کے قول "ولا یحیطون بہ علما" سے سمجھا گیا ہے۔

آپ کا یہ فرمانا کہ نبی کے کلام کا اطلاق بھی کلام قدسی پر جائز نہیں تو ولی کے کلام پر کیسے جائز ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اس کے متعلق کوئی اثر یا معتبر خبر ہو تو سر آنکھوں پر ورنہ کسی چیز میں حرمت کا حکم نہیں لگایا جائے گا کیونکہ اشیاء میں ان کی اباحت ہے۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ ہاں انہوں نے حدیث کو قدسی اور غیر قدسی میں تقسیم کیا ہے۔ پس احادیث میں اشتباہ کی وجہ سے اس کا اطلاق غیر قدسی پر جائز نہیں لیکن جس جگہ اشتباہ نہ ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر جب ارضِ مقدسہ اور بلاد قدسیہ کہا جا سکتا ہے تو نبی اور ولی کا کلام بطریق اولیٰ مقدس اور قدسی کہا جا سکتا ہے اور اگر کہا جائے کہ قدس اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے تو اس کا اطلاق غیر خدا پر جائز ہے یا نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ قدس خدا تعالیٰ کے مخصوص اسماء میں سے نہیں ہے کہ اس کا اطلاق غیر پر جائز ہو اور اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو یہ ان کے قول اسرائیلیات الٰہیہ کے قبیل سے ہوگا۔ تو اس صورت میں اصلاً کوئی محظور نہیں۔

اے عارف باللہ! گفتگو کی طوالت اور قیل و قال کی کثرت وحشت ہی کو بڑھاتی اور نفرت پیدا کرتی ہے۔ قلیل طویل سے بہتر ہوتا ہے اور کلام میں اختصار اعجاز سے زیادہ قریب ہے۔

خاموشی فیض دیگر مے دیوانہ مارا　　　　چراغ کشتہ روشن می کند ویرانہ مارا

ہم آپ سے اوقات مخصوصہ میں نیک دعاؤں کی امید رکھتے ہیں۔ یہ میری زبان حال ہے

ماخود بگرد دامن مردے نمی رسیم   شاید کہ گرد دامن مردے بما رسد

ہمارا ارادہ تھا کہ ہم اپنے بعض اشعار آپ کی خدمت میں لکھ بھیجتے تا کہ وہ آپ کے مطالعے کے شرف سے مشرف ہوتے لیکن ہم نے اس خیال سے اس لیے اعراض کیا کہ آپ اکتا نہ جائیں اور ان چار اشعار پہ اکتفا کی ۔

کجا ہر ذرہ دار تاب حسن بے حجابش را   کہ باشد چشمہ خورشید شبنم آفتابش

نہ گنجد نشۂ حیرت در ایں خمخانہ کثرت   را

درخانہ ماجوہ گراں رشک چمن شد   ازازیں نہ شیشہ بیروں یافتم موجش

عمریست کہ در حلقۂ زلف تو اسیرم   شرابش را

ہر خار خس گل خندما برگ سمن شد

مجنون ترا خانہ زنجیر وطن شد

سبحان ربك رب العرش عما یصفون ۔ وسلام علی المرسلین ۔ والحمد للہِ رب العالمین ۔

فائدہ جلیلہ

کاتب حروف کہتا ہے کہ جب بات یہاں تک پہنچی تو ضروری ہوا کہ چند باتیں محاکمہ کہیں جائیں ۔ واللہ اعلم ۔

اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت کے راستے کی طرف راہنمائی کرے ۔ اس فقیر کو بتایا گیا ہے کہ انبیاءؑ کا کلام تہذیب باطن اور تحصیل سینہ مثل پاکیزگی خشوع خضوع پہ محمول ہوتا ہے اور اضداد سے پاک ہے اور خداتعالیٰ نے انہیں معانی کی تبلیغ کیلئے بھیجا اور ان کی قدر اس کے ساتھ اس لئے زیادہ ہے کہ ان کی زبان سے، جس چیز کیلئے وہ بھیجے گئے ہیں، صراحت سے یا اشارہ سے ظاہر ہوتی ہیں ۔ بلکہ اکثر اوقات مقام احسان سے نیچے اتر آتے ہیں اور عام مومنین کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں ۔ اور اس مقام کی خبر دیتے ہیں تا کہ لوگوں کیلئے اس مقام میں نمونہ ہوں ۔ ذالك تقدیر العزیز الحکیم ۔

اس لئے صوفیاء کا ان کے کلام سے اپنے مضامین یعنی توجہ بالذات صرف فناء، بقا اور توحید وغیرہ پر استدلال عبارت نص، اشارات اور ایماء و اقتضاء کے اعتبار سے نہیں بلکہ وہ وہی کچھ اختیار کرتے ہیں جو ان نصوص کے سماع کے وقت ان کے دل پر مترشح ہوتا ہے ۔ اکثر اوقات وہ ایک چیز سے دوسری طرف منتقل ہوتے ہیں اور کسی چیز کے متعلق کوئی نئی بات کہہ دیتے ہیں ۔ پس اس سلسلہ میں مناظرہ و استدلال مخالف کیلئے مفید نہیں ۔ یہ اصل ہے ۔

یہ بھی معلوم رہے کہ تمام الجذب مجذوب کو ذات بحت کے ساتھ خاص ربط حاصل ہو جاتا ہے اور معرفت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور اس کی معرفت سے اس کے ذہن میں کوئی چیز آتی ہے کہ اسے متعین کرنے میں تقریر کافی نہیں ہوئی ۔ اسے وصول و حصول کہیں یا ادراک نام رکھیں یا نہ رکھیں، بہر صورت کاملین کا اس کے بنیاد اور اصل ہونے پر اتفاق ہے ۔ اس کے بعد اس میں اختلاف نزع لفظی ہے ۔ شیخ عبدالاحدؒ نے کہا کہ ہم مطلق وصول الی الذات کے منکر نہیں ۔

اور شیخ مجد دقدس سرۂ العزیز نے شرح الرباعیئین کی شرح میں کہا ہے کہ مرتبہ لاتعین میں ہر چند شہود تجویز کریں مگر شہود کے اوپر بہت مراتب ہیں کہ تمام اس مقام میں گز رگاہ ہیں ۔شہود وصول کی دہلیز ہے اور مراتبِ وصول اس سے بلند ہیں ۔لیکن ہر شخص کے فہم کی وہاں تک رسائی نہیں ، بلکہ بعید نہیں کہ وہ انکار کرے۔

یہ ایک دوسرا اصل ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ شیخ کامل سے محبت ذاتی کبھی جدا نہیں ہوتی اور واصل حقیقت کے ساتھ اس کی حقیقت مظہر کی سی ہے اور متبوع کے ساتھ تعلق مانع ہے ۔ اور متصرف فیہ میں ارتباط متصرف ہوتا ہے ۔لیکن بے قراری، غم واندوہ اور وجد، تو یہ کامل کے مزاج کے تابع ہے ۔ لیکن اس کے اصل کمال سے خارج ہے ۔پس اگر اس کے مزاج میں قوتِ بہیمیہ قوی ہے تو یہی ذات ذاتیہ اس کے حق میں قلق، عشق اور غم واندوہ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور اگر قوتِ بہیمیہ کمزور ہے تو مجرد الفت و انسیت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے ۔یہ ایک اور اصل ہے اور یہ بھی معلوم رہے کہ تمام اہلِ کمال کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرتبہ ذاتیہ کی طرف دو راستے ہیں ۔ایک راستہ براہِ راست شاہراہِ وجود سے نکل کر بڑھتا ہے اور اسی کے ساتھ فی الحقیقت اس مرتبہ ذاتیہ تک سالک پہنچتا ہے ۔یہ راستہ صرف اقطاب کیلئے ہی مخصوص ہے اور دوسرا راستہ متوسط سالکین کا ہے اور یہی اکثریت کی راہ ہے اور در اصل یہ راستہ ذاتیہ تک پہنچانے والا نہیں ہے ۔اگر صوفیاء میں سے کسی نے معرفت ذات کا انکار کیا ہے تو اس سے ان کی مراد احاطہ اور ادراک ہے اور اسی کا قائل ہے ۔پس یہ نزع لفظی ہے اور یہ اس کا اصل ہے جب تُو نے ان اصولوں کو حاصل کر لیا تو نزع رفع ہو گیا مگر چند دانش مندانہ مقدمات جن کو معمولی توجہ سے رفع کیا جا سکتا ہے ۔ والعلم عند اللہ ۔

ان تمام باتوں کے بعد جاننا چاہیے کہ یہ پانچوں مکاتیب ان کی ابتدائی ملاقات میں لکھنے کا اتفاق ہوا تھا ۔چنانچہ پہلے مکتوب میں سے وہ حصہ جو ہم نے ترک کر دیا ہے ، اس کی تصریح کرتا ہے ۔جب دوسری ملاقات ہوئی اور ہر ایک نے دوسرے کے مقام کو دیکھا تو دوسرا معاملہ ظہور پذیر ہوا ۔چنانچہ یہ مکتوب جو شیخ عبد الاحدؒ نے حضرت والا کی خدمت میں ارسال کیا ، اس پر دلالت کرتا ہے ۔ خط یہ ہے :

خط

بعد حمد الصلوٰۃ کے واضح ہو کہ بلا شبہ آپ کا مکتوب ، مکتوب رحمان ہے اور آپ کا خطاب ، خطاب منان ہے ۔جس نے آپ کو طلب کیا ، اُس نے واجد کو آپ کے پاس پایا اور جس نے واجد کو پالیا ، اُس نے آپ کو طلب کیا ۔اور جس نے خدا سے عشق کیا گویا اُس نے آپ سے عشق کیا ۔اور جو آپ سے غافل ہوا ، وہ اپنے رب سے بے پرواہ ہو گیا ۔ہم آپ کے ہیں اور اُس کے جس نے آپ کو دوست رکھا ۔میں نے آپ کو معروف کے قریب اور رؤف کا ندیم پایا ۔پس آپ پر اس نعمت کا شکر ادا کرنا اور اس ثروت کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے ۔ ؎

چو بہ حبیب نشینی و بادہ پیمائی — بیاد آر حریفان بادہ پیمارا

﴾ اب عذر کیلئے کوئی راستہ نہیں ۔تجلی حق کو عشاق کے آئینہ میں سمودے ۔﴿

آں روز کہ ماہ شدی نمی دانستی — کہ انگشت نمائی عالمی خواہی شد

دوسری مرتبہ شیخ عبد الاحد نے یہ دو اشعار اپنے خط میں لکھے : ؎

یار از آغوش دل مے جو شود ورم ہنوز — صد تجلی ساقی بزم ست و مخمورم ہنوز

لن ترانی اگرچہ دی خرابم کردہ است — مے کند کاشانہ رنگین آتش طورم ہنوز

حضرت شیخ نے اس مکتوب میں لکھا:

مکتوب

مخدوماو مشفقا!

کام کا انحصار قلب پر ہے۔ جب تک آغوشِ دل فراموش نہ ہو جائے، تجلی از تجلی حاصل نہیں ہوتی اور نہاں خانہ دل کا کاشانۂ غیرت کی آگ سے نہیں جلتا اور حجلۂ حقیقت سے بے رنگی کی دلہن اپنا رخ نہیں دکھاتی اور دوری و مخموری کے حجابات درمیان سے نہیں اٹھتے۔ "وسقاکم ربکم دھاقا لا یصدعون بعدھا شقاقا ولا تفترقون فراقا"۔ ؎

برنگیرد جہان عشق دوئی　　　چہ حدیث است ایں حدیث توئی

شیخ عبد الاحدؒ کا جواب

شیخ عبدالاحدؒ نے پھر لکھا:

"تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جس نے ہمیں بنایا، پھر ہم نے اسے پالیا اور ہمیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکالا تو ہم نے تاریکیوں کو چھوڑ دیا اور ہماری طرف بشیر اور نذیر بھیجا (اور) ہم نے اس کی اتباع کی۔ اس نے ہم پر کتابِ مبین نازل فرمائی (اور) ہم نے اس کی تلاوت کی۔ اس نے ہم پر جما لی اور جلالی تجلی ڈالی اور اپنے انعامات اور وصال سے معزز کیا۔ اس نے ہمارے وجود کی چوٹی پر قہر کی تجلی ڈالی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور جب اس نے عالمِ قیود میں ظہور فرمایا تو ہمارے لیے کوئی پریشانی اور دکھ باقی نہ رہا۔ اس نے ہمیں اپنی عظمت دکھائی تو ہم ایک زمانہ تک حیرانی میں پڑے رہے۔ ہم نے اس کی شرابِ معرفت پی تو ہماری آنکھیں کھل گئیں۔ ہم نے چشمِ بصیرت سے اسے دیکھا تو ہم اس کے قریب آ گئے۔ اس نے صفات سے ترقی دے کر ہمیں اپنی ذات تک پہنچایا اور اس نے اپنے کلمات اور کمالات کی شان کے مطابق ہم سے سلوک کیا۔ پھر اس نے ہمارے ساتھ وہ سلوک کیا جس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی کسی عبارت سے اسے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ؎

ومن بعد ھذا ما تدق صفاتہ　　　واکتمہ احطی لدیہ واجمل

یہ تو ہوا مگر پیاس باقی ہے جب تک پنڈلی پنڈلی سے نہ لپٹ جائے، وعدہ پورا نہ ہو جائے اور چلنا ختم نہ جائے۔ بس اُس دن روزِ فراق ختم ہو جائے گا۔ اس پر ہمارا یقین ہے۔ پھر مولانا! ہم اپنی باتوں اور تمام لغزشوں پر، اے اللہ کے بندو! تمہارے وسیلہ سے اللہ سے بخشش طلب کرتے ہیں۔

شیخ ابو الرضاؒ کا مکتوب

پیاس کا باقی رہنا پیاسے کے موجود ہونے کی دلالت کرتا ہے اور فراق کے اثر کا نشان مہجور کے وجود کے بقا کی دلیل ہے۔ اور قیود کی نشانیوں کے باوجود فراق کا ہونا تشنگی کی علامت ہے۔ اور قائل وجود کے نزدیک تشنگی کا باقی رہنا، ترقی سے رک جاتا ہے۔ پس جس طرح قیود کی نشانیوں پر وقوف کے باوجود اطلاق کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح وصالِ محبوب کے ساتھ فراق کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا محدث حمیم کی صفات کے ہوتے ہوئے محدث قدیم

کی صفات کی طرف عروج ممکن نہیں تو ذات حضرت واجب کریم کی طرف ترقی کیسے ممکن ہوگی۔پھر پنڈلیوں کا لپٹ جانا اور چلنے کی انتہا بعض کے حق میں موعود ہوتی ہے اور بعض کے حق میں موجود۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لا یعنی حقیقتاً " اذا بلغت التراقی " ۔یعنی جب نفسِ انسانیہ اپنے سینے کی بلندیوں یعنی اس کی انتہا کو پہنچ جائے تو عالم امر میں مشاہدہ جمالِ الٰہی کے اشتیاق کا یہی نقطہ عروج ہے۔وقیل من راق۔یعنی اس کے باطن سے کہا جائے گا کہ کون ہے جو مجھے جھاڑ پھونک کرے اور زہرِ جدائی سے شفا بخشے۔

لسعت حیۃ الھوی کبدی — فلا طبیب لھا ولا راق

الا الحبیب الذی شغفت — بہ انہ' رقیقی و تریاقی

﴿ محبت کی ناگن مجھے ڈس گئی ہے۔اب نہ اس کے لئے کوئی طبیب ہے اور نہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا۔بلکہ میرے لئے میرا محبوب منتر بھی ہے اور تریاق بھی۔﴾

وظن انہ' الفراق ۔یعنی بقا الحبیب کا پیاسا سمجھے گا کہ اس پر جو قلق واضطراب نازل ہوتا ہے،وہ محبوب کے علاوہ تمام چیزوں سے جدائی کی وجہ سے ہے۔والتفت الساق بالساق ۔یعنی عالم کون وفساد کی ساق،عالمِ رحمان کی ساق سے مل گئی۔یعنی وہ ان دونوں کا مشاہدہ کرے گا اور یہی مقامِ مشاہدہ ہے۔الیٰ ربك یومئذِ ن المساق ۔یعنی جس دن ایسا ہوگا تو اسے اس روز عالمِ الٰہی کی حقیقت کی طرف لے جایا جائے گا اور وہاں اسے ماءِ زلال پلایا جائے گا۔اس کے بعد کسی کو تشنگی وصال باقی نہ رہے گی۔اس مقام پر عین،اثر،مخبر،کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔نہ تو سعادت سرمدیہ سے سعادت مند ہوگا اور نہ حضرت الٰہیہ کے انتخاب میں آنے کے بعد دور کیا جائے گا۔ ؎

آسودہ بہ کام خویش از وصل حبیب — نہ بیم فراق است نہ تشویش رقیب

اس کے بعد حضرت شیخ ابو الرضاؒ نے ایک بار پھر شیخ عبد الاحد کو خط لکھا۔

شیخ ابو الرضاؒ کا مکتوب

یا منی الی وجہ حجی ومعتمری — و حج قوم الی ترب و احجار

لبیك لبیك من قرب و من بعد — سر ابسر واجھار ابا جھار

سبحانہ' تعالیٰ کے حسن جمال کو احاطۂ تحریر میں کیسے لاؤں اور اس کی عظمت وجلال کے متعلق کیا لکھوں۔کسی کو عنایت ازلی سے نوازتا ہے اور کسی کو شانِ بے نیازی سے چھوڑ دیتا ہے۔افسوس تفاوتِ راہ پر۔ایک ہی جگہ پر لوہے کے دو ٹکڑے میں ایک گھوڑوں کا نعل بنتا ہے اور دوسرا بادشاہ کیلئے آئینہ

-----دوہڑا

بہت ابھا کی کلسری جاک رہی لورائی — ایک جوہ پیو کیوں چاہی سوتی لینہ

چکائی

شیخ ابوالرضاؒ نے ایک بار پھر شیخ عبدالاحد کو خط لکھا۔

شیخ ابو الرضاؒ کا مکتوب

حکایت: محبت نے محنت کولوح محفوظ میں دیکھا۔کہا کہ،میرا نقش تیرے نقش کی مانند اور تیرا نقش میری طرح ہے۔صرف ایک نقطہ کا فرق ہے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے عہد کیا کہ جہاں تو ہوگی وہاں میں ہوں گی،اور جہاں میں ہوں گی،وہاں تو ہوگی۔

ظن بود مرا بمن کہ من جملہ منم   من جملہ تو بودم و نمی دانستم

کاتب حروف کہتا ہے کہ یہ شعر حکایت کا جز نہیں ہے بلکہ وحدت کی طرف ترقی کی طلب اور درجہ محبت میں تصور تنبیہ کیلئے اس پر اضافہ ہے۔

پھر ایک مکتوب میں لکھا:

''معرفت خاصہ اضافہ دور کرنے اور انت کے نورانی شعلوں کے تسلسل سے انا کو بھلا دینے کا نام ہے۔''

طوراق انوار تلوح اذا بدت   فتظھر کتمانا وتخبر عن جمع

﴿نورانی ستارے جب ظاہر ہوتے ہیں تو وہ چمکتے ہیں۔وہ پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کرتے اور تمام کی خبر دیتے ہیں۔﴾

خاص الخاص معرفت نظر احدیت کے ساتھ اضافت کا مشاہدہ کرنا ہے۔ ؎

فامطر الکاس نار من ابارقھا   فاتیت الدروفی ارض من الذھب

وسبح القوم لما ان رأو عجبا   نورا من الماء

محمد مرزا سرہندی نے حضرت شیخ کی خدمت میں اشارہ لکھا کہ میں نے حال حاصل کرنے کیلئے جو ہلیلہ اسہال استعمال کیا تھا،اس سے ابھی تک حال کا اسہال ظہور پذیر نہیں ہوا۔

حضرت والا نے جواباً لکھا کہ میری رائے میں یہ آیا ہے کہ آپ کا مزاج مبارک صفراوی گرم خشک ہے،جو کہ رائے حق کے سلوک کیلئے مفید ہے۔ لیکن بعض رسمی باتوں کے سننے اور قیاسات فاسدہ عقلیہ کی وجہ سے غیر طبعی سوداوی اخلاط جو کہ سالک کو منزل مقصود پر پہنچنے سے روکتے ہیں،غالب آ گیا ہے۔حکیم حاذق نہیں تھا،اس لئے اس نے بیماری کی تشخیص نہیں کی اور ہلیلہ سیاہ کی بجائے ہلیلہ زرد دے دیا۔اس نے صفرا کی حفاظت کی بجائے سودا کی مدد کی، کام الٹا ہو گیا اور مزاج کی حالت بگڑ گئی۔حاذقانِ طریقت اور ماہرینِ حقیقت،حکمتِ نظری اور عملی کے ساتھ گرم خشک شربتوں کے ذریعہ،اللہ تعالیٰ کی توفیق سے،مزاج کی اصلاح کرتے ہیں۔حق تعالیٰ کس قدر ظاہر ہے کہ کوئی ظاہر اس کا حجاب نہیں،اور وہ باطن ہے کہ اس کے سوا کوئی باطن نہیں۔نبی ﷺ نے اپنی مناجات میں فرمایا:''اللھم انت الظاھر لا ظاھر فوقك وانت الباطن لا باطن دونك۔''

توھمت قدما ان لیلیٰ تبرقعت   وان لنا فی البین ما یمنع اللثما

فلاحت فلا واللہ ما ثم مانع   سوی ان عینی

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمہ آفتاب راچہ گناہ

حقیقت کا سرمہ ڈالنے والے سرمۂ عنایت آنکھ میں لگاتے ہیں اور اندھوں کو بخش دیتے ہیں۔۔۔ انی اُبرِی الاکمہ والابرصیہ ۔۔۔لوگ سرمہ

عنایت کو زبان طیور سے ہی لکھتے ہیں۔ سمجھ دار نے سمجھ لیا اور نا سمجھ محروم رہ گیا۔ میں لکھتا ہوں، خدا ہدایت دینے والا ہے۔

سرمہ عنایت دو اجزاء سے مرکب ہے۔ ترقیق اور تسحیق۔ ترقیق یہ کہ قلم اعلیٰ نے حروف سے عالیات کو شگاف دیا تو وہ دو زبان ہو گیا۔ ظاہر الوجود، دوسرا باطن الوجود۔ پھر باطن الوجود میں دو راستے اختیار کیے، جس سے امر و خلق ظہور پذیر ہوئے۔ ہر شخص کو قسم قسم کی اجناس عنایت فرمائیں۔ ؎

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم — مطرب بگو کہ کار جہاں شد بہ کام ما

تسحیق یہ کہ قریب کو بعید اور سفل کو اعلیٰ میں پیس کر آنکھوں میں ڈالیں تو اس سے شہود کی بجلیاں چمکتیں ہیں اور دلوں کی زمین جمال مطلق کے نور سے منور ہو جاتی ہے۔ واشرقت الارض بنور بها۔ اور احدیتِ ذات کی سطوت چمکدار کڑک طالب کی ہستی کو عالمِ نیستی میں لے جاتی ہے۔ کل شئ هالك الا وجه کا مفہوم ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور اس وقت ہر شخص اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے اور محمد مرزا محمد مرزا ہو جاتا ہے۔

جزیہ کہ نیست نقد ایں عالم — باز بیں و بعالمش مفروش

گل ایں باغ را توئی غنچہ — سر ایں گنج را توئی سر پوش

آں شناسد حدیث ایں دل مست — کہ ازیں بادہ کردہ باشد نوش

کاتب حروف کہتا ہے کہ ہلیلہ اسہال سے مراد "ریاضاتِ شاق" ہیں۔ اہلِ سلوک رذائل سے باطن کی صفائی، گونا گوں محبتوں اور دنیا کے نقوش سے دل کو فارغ کرنے کیلئے فرماتے ہیں۔ اور اس کا قول دست اسہال حال روئی نداد سے یہ مراد ہے کہ اعتکاف اور ریاضات سے تخلیہ اور تفریح حاصل نہیں ہوتی بلکہ عجیب خود بینی اور کثرت وسواس اور ان رذائل کی مددگار اور معاون ہو گئی ہیں اور ان کے قول صفراوی مزاج کے متعلق جاننا چاہیے کہ صفرا کی خاصیت ہر معاملہ میں گرمی، خشکی، تیزی اور سرعت ہے۔ لہٰذا وہ عاشق جس کی طلب میں گرمی ہو، سریع العسیر اور قوی دل ہو، تعینات بھی اس کے نزدیک نہ بھٹک سکتے ہوں، صفرا المزاج ہے۔ اور وہ جو شکوک و شبہات، قطع علائق میں بزدلی، حدیث نفس، وسوسوں اور زمنہ وساوس و خطرات میں مبتلا ہو، سوراوی مزاج کے مشابہہ ہے۔ جو شخص ان معنوں میں صفراوی مزاج واقع ہوا ہو، وہ اپنی اصل فطرت میں وصول کے لائق ہے اور اس کی اس میں استعداد ہے۔ اور جو شخص سوراوی مزاج ہے، وہ وصولِ وحدت سے محروم ہے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی اصل فطرت میں صحیح الاستعداد ہوتا ہے لیکن جب وہ سوراوی مزاج لوگوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے اور ان سے اس قسم کے شبہات حاصل کر لیتا ہے، خصوصی اہتمام اور توجہ کے ساتھ، کیونکہ دین الٰہی شبہات کے اتباع کا نام ہے، اور یہ کمال نہیں ہے۔ نفسِ ناطقہ اس کو ملکہ بنالیتا ہے۔ اور یہ روحانی بیماری ہے، اعضاء میں ہوتی ہے اور وصول سے بغض رکھتی ہے اور ان کا قول بجائے ہلیلہ اسود، ہلیلہ اصغر بداد، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہلیلہ سیاہ سوراوی اخلاط کا مسہل ہے اور وسواس جو سورا کو لازم ہیں، بٹھا دیتا ہے، اور ہلیلہ زرد صفرا کا مسہل ہے، یہ گرمی خشکی اور سرعت کو زائل کر دیتا ہے۔ یہ سخت مشقتیں نشاط کو دور کر دیتی ہیں، لہٰذا یہ ہلیلہ زرد کے مشابہ ہوں گے اور انکشافِ توحید وسواس کو دور کر دیتا ہے۔ پس یہ ہلیلہ سیاہ کے مشابہ ہوگا۔

آئمہ سلوک کا طریقہ نشاط، گرمی اور محبت کو باقی رکھنا ہے لیکن وہ تمام ذاتِ حق میں ہوتے ہیں اور ریاضاتِ شاق سے نشاط اور گرمی دور ہو جاتی ہے۔ وقولہ حاذ قانِ طریقت۔۔۔ الخ۔

جاننا چاہیے کہ صوفیاء سالکین کی تربیت کے لحاظ سے دو گروہ ہیں۔ ایک متقدمین کا مذہب ہے جس کو امام محمد غزالیؒ نے بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ "جب کوئی شخص طبیعت کے تقاضوں سے توبہ کرتا ہے تو اسے وہ کہتے ہیں، خلوت میں بیٹھنے اور لوگوں سے میل ملاپ نہ رکھے اور تمام حالات میں اپنے نفس کی مخالفت کرے۔ اپنے آپ کو ایسا بنالے کہ لوگوں کی گالی گلوچ اور مار پیٹ سے اس کا نفس شورش نہ کرے اور لوگوں کی تعریف اور برائی اس کے نزدیک برابر ہو جائے اور نوافل اعمال کو بکثرت کرے۔ ریا، غرور اور عجب کی باریکیوں کو اچھی طرح سمجھے اور ان کی جستجو اور تلاش کرے اور طعام میں پوری احتیاط کرے

۔مشتبہ چیز چھوڑ دے۔اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور تمام حالات میں آداب کے لحاظ کو ضروری سمجھے وغیرہ۔'' ذاکر اور ان امور میں اسقاطاً (رذائل کو ساقط اور ذائل کرنے) اثباتاً (کمالات کو حاصل کرنے اور قائم رکھنے کیلئے) ان معالجات کے ساتھ جو اشعار و عطیات کے ذکر کے قبیل ہوتے ہیں، تمسک کرتے ہیں۔جب تمام سے پاک ہوجائےتو اسے خدا تعالیٰ کی محبت کا راستہ دکھاتے ہیں۔جیسا کہ احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت میں بالتفصیل بیان ہوا ہے۔

دوسرا مذہب متاخرین کا ہے۔جن کے فیض سے کئی عالم منور ہوئے ہیں۔یہ نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ سے ہے۔اور یہ مذہب ہے کہ جب کوئی ان کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہےتو اسے ایسے افکار و اذکار (جو حضوری اور شوق و عشق کی زیادتی، توحید، نفی اعدا، گوناگوں تعلقات اور خلق کی محبت سے کنارہ کشی کا باعث ہوتے ہیں) میں مشغول ہونے کا حکم دیتے ہیں۔اور فرائض اور سنن مؤکدہ کی ادائیگی کے بعد ان اذکار کے علاوہ کسی چیز میں مشغول کرتے ہیں، نہ تو تخلیہ، نہ ہی نوافل اعمال اور نہ کھانے پینے میں احتیاط کی ہدایت کرتے ہیں۔بجز اس چیز کے جو قطب سنت میں ظاہر ہے۔اور نہ ہی محافظت آداب معاش وغیرہ کیلئے کہتے ہیں۔

جب سالک اللہ کے فضل سے گرمئ شوق اور نفی ماعدی حاصل کرلیتا ہےتو اوصافِ رذیلہ خود بخود مٹ جاتے ہیں۔خواجہ محمد پارسا نے اپنے رسالہ قدسیہ میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔اور گرم خشک اشربہ یہی اذکار ہیں اور حکمتِ نظری قبول شیخ ہے اور حکمتِ عملی، اس کا ذکر میں کوشش کرنا ہے۔ہم کہتے ہیں کہ حکمتِ نظری انکشافِ توحید اور عملی دوامِ حضور ہے۔اور قولہ ترقیق اور تسحیق ۔۔۔الخ،عنایت سے مراد شہود و وحدت و کثرت اور یہ حقیقت دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔ایک کثرات کی صورت میں،ظہور مبادی کی معرفت کے ذریعہ ہے اور اس کا نام ترقیق ہے، جو کہ نفس امارہ کو پینے اور اس کی قوت کا باقی نہ رہنا ہے، جو کہ کثرت میں ظہور کے لوازم میں سے رکھا ہے۔اور دوسری چیز وحدت میں اندراج کثرت کی معرفت کا ذریعہ ہے اور اس کا نام تسحیق اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ تحصیل اجزاءِ وجود کی ماہیت کی مغائرت کا ملاحظہ اور تمام ماہیات کا ماہیۃ الماہیات میں مندرج ہونا اور وجودات کا وجود الوجودات میں مٹ جانے کی خبر دیتا ہے۔واللہ اعلم۔ قولہٗ ''ہر کسے از مرزائی خود آگاہی باید ''یعنی حقیقت میں حضرت وجود ہے اور مرزا محمد گردد سے مراد یہ ہے کہ 'حقیقتِ محمد یہ تمام میں سرایت کیے ہوئے ہے۔واللہ اعلم۔

محمد مرزا نے دوسری مرتبہ اپنے خط میں یہ شعر نقل کیا ؎

مردم دیدہ تیمم کردہ از خاک درت　　گرچہ در خانہ خود آب روانی دارد

حضرت والا نے اس کے جواب میں لکھا :

مکتوب شیخ ابو الرضاؒ

مخدومنا! تیمم طہارت مجازی ہے۔مردم دیدہ تو طہارتِ حقیقی حاصل کرتے ہیں۔اہلِ حقیقت کی خاک مجاز سے پاک ہے۔مردانِ دیدہ مردانِ کوریدہ ہیں۔گھر میں پانی موجود نہیں تو شراب کو پانی سمجھ لیا۔اگر انہوں نے آنکھوں کو پانی کیا ہوتا تو پانی دیکھا ہوتا۔۔۔

مردم دیدہ آب باید کرد　　خانہ خود خراب باید کرد

تا کہ احدیت ذات کا آفتاب سر پر عزت سے جلوہ گر ہو اور تمام اشیاء کلیۃ لا شی ہو جائیں۔لمن الملك اليوم لله الواحد القهار کا راز آشکار ہو جائے ؎

آں سرکہ از گوش شنیدم ز حلقی　　از علم بعین آمد و از گوش با آغوش

کاتبِ حروف کہتا ہے کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اقتباس سوء ادب ہے کیونکہ مردم دیدہ چشم سالک کی روشنی مردم دیدہ ہے یا مردم نا دیدہ ہے۔ یعنی انسانِ کامل کو پہچان کر اس کا معتقد ہوا ہے یا نہیں۔لیکن وہ جو مردم دیدہ ہوتا ہے، وہ ان کی درگاہ کو محض حقیقت جانتا ہے اور شہود اتم کا فائدہ حاصل کرتا ہے۔پس اس کے حق میں تیمم کرنا نہیں کہہ سکتے کیونکہ تیمم طہارتِ مجازی ہے۔اور اگر مردم نا دیدہ ہے تو انسانِ کامل کا معنی ظاہری احوال کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا۔ابھی تک حجاب اور اشتباہ میں ہے۔اگر پانی کو دیکھا ہوتا ،یعنی انسانِ کامل کو پہچان لیا ہوتا تو آنکھوں کی ٹھنڈک اور نگاہ کی روشنی ہوتا اور اس قدر ناقص الفہم نہ ہوتا۔اگر چہ شاعر نے ''چشم بر خاک نہادن'' جو کہ انتہائی تو اضح ہے،کو اس طرح رنگین لباس میں بیان کیا ہے۔لیکن بظاہر اس کے معنی کی غرض یہ تھی کہ گرچہ کمالات طریقت کو مشائخ آبا وَ اجداد سے میں نے حاصل کیا ہے۔چاہتا ہوں کہ جنابِ شیخ سے بعض فوائد اخذ کروں۔پس خود بینی کے ساتھ یہ غرض جو کہ تمام فائدہ تام کیلئے رکاوٹ ہے،وقوع پذیر ہوئی۔اس کا معنی قرینہ یہ ہے کہ مکتوب کے آخر میں انہوں نے یہ لکھا ہے ؎

جو تو جانی ایک کر جو کے ہو بھی نہ سیکھ　　　لریں کر اپنوں ہو سو واہی موں مکھ دیکھ

حضرت والا نے دوسری مرتبہ مرزا کو لکھا:

''اظہارِ اسرار پر بے قرار عشق نے اذانوں کے دروازے کھول دیے۔خزانہ دنیا پر تقسیم کر دیا۔صبح ظہور نے پہلی سانس لی اور نسیم عنایاتِ ازلی چلنے لگی۔عاشق آبِ حیات میں گم ہوگیا۔کمر شوق باندھ کر صدق کے قدم کو راہ طلب میں رکھا۔اس نے پہلی نظر کھولی تو اس کی نظر جمالِ معشوق پر پڑی تو اس نے خود کو محبوب کا آئینہ اور محبوب کو اپنا آئینہ پایا۔'' ؎

عشق مشاطہ ایست رنگ آمیز　　　کہ حقیقت کند برنگ مجاز

تا بدام آورد دل محمود　　　بطرازد بشانہ زلفِ ایاز

مکتوبِ دیگر۔

حضرت والا نے ایک اور مکتوب محمد مرزا کو حقیقتِ جامعہ کی زبان میں لکھا۔ھو الحی القیوم۔

مکاتیب دیگر

'' اے مرزا اور اے میرے جلال !تو میری وحدانیت کو طلب کرتا ہے حالانکہ تو اپنی انانیت کو میری انانیت کے ساتھ شریک کرتا ہے۔یہ تو سراسر شرک جلی ہے۔شرک خفی نہیں کیا۔تو میری عزت سے نہیں ڈرتا اور تجھے میری فردانیت سے حیا نہیں آتی۔

اے مرحوم!تُو تو موہوم ہے اور میں معلوم ہوں۔میں نور اور تُو ظہور ہے۔میں حق اور حقیقت ہوں اور تُو مجاز اور طریقت ہے۔اگر تُو چاہتا ہے کہ تُو تعظیم کرنے والا موَحد ہو تو موہوم کو اٹھا دے اور معلوم کو قائم کر۔اپنے قلبِ سلیم اور سرِ قدیم کے ساتھ کہو کہ کسی عیب اور شک کے بغیر ہر مکان اور ہر زمان میں وہ نہیں بلکہ میں ہوں اور میں نہیں بلکہ وہ ہے۔جب تُو نے دوئی کو اٹھا دیا تو عین کے ساتھ مل گیا۔اگر تُو نے اس میں شک کیا تو تُو مریض ہے۔اگر تُو نے تردد کیا تو تُو معزول ہے۔اگر تُو نے اپنے ایمان اور یقین کے ساتھ قبول کر لیا تو تُو مقبول ہے۔پس تُو شک کرنے والوں اور رد کیے ہوئے لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو۔میں نے تجھے اپنی رحمت کے پیشِ نظر جواب دے دیا لیکن تم میری عظمت سے غافل نہ ہونا اور تجھ پر لازم ہے کہ جو کچھ میں نے تیری طرف القا کیا ہے، اسے دھتکارے ہوئے انسانوں پر ظاہر نہ کرے۔راندہ وہی ہوتا ہے جو معطل اور بیکار ہو اور مرحوم وہی ہوتا ہے جو واصل ہو۔اگر تُو نے میرے کلام کو سمجھ لیا ہے تو تجھ پر سلامتی اور رحمت ہو۔''

ایک اور خط میں حضرت والا نے لکھا:

'' خدائے واحد کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ مجھے حق اور شہنشاہِ مطلق نے کہا: '' اے میرے فرد اور میری رضا! مجھے اپنی عزت اور جمال کی قسم، میں احد ہوں اور میرے وراء کچھ نہیں اور میں ہی موجود ہوں۔ میں نے اپنی ذات کے ساتھ اپنی ہی ذات سے اپنے شیونات اور صفات ظاہر کیے اور مخلوق کو پیدا کیا۔ میں ہی حق اور حقیقت ہوں۔ میں ہی ہر چیز کیلئے ذات اور ذی روح کی حیات ہوں۔ خلق ساری کی ساری میری قدر ہے اور مخلوق میرا امر ہے۔ جو شخص میرے ساتھ بقا چاہتا ہے تو وہ میری خلا کا مراقبہ کرے اور مجھے میرے ذکر لاہوتی کے ساتھ یاد کرے۔ جبروتی اور ملکوتی ذکر کے ساتھ یاد نہ کرے۔ وھولاھوالاھو۔ جس نے میرے کلام کو سمجھ لیا، اس پر میری رحمت اور سلامتی ہو۔''

ایک اور مرتبہ حضرت والا نے لکھا:

وہ بے چوں ہے اور تمام کیفیات اس کی بے کیفی سے پیدا ہوئی ہیں، وہ بے نمون ہے اور تمام نمون اس کی نمونی سے ظاہر ہوئے ہیں۔ ان بلند ہمتوں کی غایت اور ان بلند مرتبوں کی نہایت بواطن میں رفیع الشان ذات کی سرمدی احدیت اور اغیار کی مزاحمت کے بغیر اسرار ہیں۔ لیکن چونکہ کثرت کی ذات میں کوئی گنجائش نہیں۔ حضرت احدیت میں رسائی احدیت کے طریق کے سوا ممکن نہیں۔ اس سے مراد صراطِ مستقیم کی عینیہ کی وحدت میں کثرتِ اعیانیہ کا ختم کرنا ہے، جو کہ تمام انبیاء و مرسل اور اولیاء کاملین کا راستہ ہے اور نمازی اپنی نماز کی فاتحہ میں اھدنا الصراط المستقیم سے یہی راستہ طلب کرتے ہیں۔ سید الطائفہ جنید قدس سرہٗ فرماتے ہیں: **''توحید ایک معنی ہے جس میں رسوم مضمحل ہو جاتی ہیں اور علوم اس میں مل جاتے ہیں اور اللہ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا ازل میں تھا اور بندہ بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ہونے سے پہلے تھا۔''**

دیدہ ور شو بحسن لم یزلی کوز غیرتبسوز معتزلی
چہرہ آفتاب خود فاش است بے نصیبی نصیب خفاش است

حضرت والا نے شیخ عبدالحفیظ کی طرف، جو آپ کے خاص دوستوں میں سے تھے، لکھا:

'' سمجھ لو! کہ تم دریائے نور کے ایک نورانی بلبلہ ہو جو اکثر سرعت سے تمام گزر جاتا اور اس حجاب سے منہ پھیر لیتا ہے تو خود کو اس نور کا دریا پاتا ہے۔ اس سمجھ کو دلی توجہ سے اور قصد کے ساتھ اپنے پاس محفوظ رکھ کیونکہ قصد و توجہ حالاتِ قلبی کو باقی رکھنے میں کامل اثر رکھتا ہے۔ جب قصد ٹوٹ جاتا ہے اور غیر کے خطرہ کو راستہ مل جاتا ہے تو فوراً اس کے خیال کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے کہ تعرف الاشیاء باضدادہا اور اس نور میں دل کی تنہا تاریک جگہ میں اسمِ ذات، اسمِ متکلم کے ساتھ حاضر ہو کر فی المخدود والآصال علی التوالی والاتصال کہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے آپ اور تمام سے بے خبر ہو جاتا ہے اور دل کی کھڑکی کھل جاتی ہے اور تمام فرشتوں اور انبیاء کی ارواح کو عالمِ بیداری میں دیکھتا اور ان سے فوائد عظیمہ حاصل کرتا ہے۔ ذالك فضل اللهِ یُوتیه من یشاء والله ذوالفضل العظیم۔'' ؎

چشم دل چوں باز شد معشوق را در خویش دید عین دریا گشت چوں بیدار چشم حباب

ایک بار شیخ عبدالحفیظ نے حدیث قدسی جو قصہ معراج میں آئی ہے، ''قف یا محمد فان الله یصلی''، کا معنی دریافت کیا۔ حضرت والا نے لکھا:

'' میری ناقص رائے میں آیا ہے کہ جب اس قاف معرفت کے سیمرغ نے عالم خلق و امر کی فضا میں پرواز کی تو عالمِ کون و مکان کے آخری نقطہ پر پہنچے تو عالمِ قدس حضرت الٰہی کی دلکش ہوا دکھائی دی۔ اپنی علوہمتی کی وجہ سے ارادہ کیا کہ اس عالم میں بھی پرواز کریں۔ اسی وقت پاکیزہ خطاب پہنچ گیا۔ قف یا محمد ﷺ! عالمِ امر کے آخری نقطہ پر ٹھہر جائیے کیونکہ یہ عبودیت کی حد ہے۔ جس کے ساتھ مشاہدۂ ربوبیت ہے۔ فان اللہ یصلی۔ یعنی وہ

چاہتا ہے کہ آپ کے ذریعہ عالمین پر نبوت ورسالت کا فیضان کرے۔اس لئے ضروری ہے کہ رسول اسی برزخ میں ٹھہرے تا کہ حضرتِ الٰہیہ سے معرف و احکام کا استفادہ کر کے عالمِ خلق و امر پر ان معارف کو بہائے اور فیضان کرے اور آپ کا میری حسبِ منشاء قیام کرنا میری رحمت کو آپ پر زیادہ کھینچ لانے والا ہے اُس قیام سے جو آپ کی اپنی منشاء کے مطابق ہو ''۔ ؎

ارید وصالہ ویرید ھجری | فاترک ما ارید لما یرید

فانی فی الوصول عبیدہ نفسی | و فی الھجر ام مولی للمولی الی

اورحضور ﷺ کی علو ہمت کے زیادہ مناسب یہ ہے کہ عالمِ الٰہی کی فضا میں پرواز کے بعد اس برزخ میں بھر لا کر ان سے خطاب کیا ہو اور بعض دوسرے دور کار معنی بھی جو محض متاخر صوفیاء کے مقلدین کے مزاق کے مطابق لکھے گئے ہیں۔

جب وہ بلند پرواز کے بعد اس برزخ وصفات الٰہیہ کی فضا سے گزر کر مقصورہ برزخیہ کبریٰ جو مراتب تعینات میں سے پہلا اور حقیقتِ محمد ﷺ کے نام سے موسوم ہے، پر جا کر دم لیا۔اس نے ارادہ کیا کہ حقیقت ذات مجرد کے عالم میں پرواز کرے تو خطاب پہنچا،قف یا محمد ﷺ !۔یعنی محمد ﷺ ! اس برزخیہ کبریٰ پر ٹھہر جایئے جو کہ عارفین کے مقامات کی انتہا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ صلوٰۃ پڑھتا ہے۔یعنی اس بلند مرتبہ اور مقامِ قربت پر فائز اپنے کامل بندوں پر وہ رحمت فرما رہا ہے۔یا ٹھہرنے کا حکم دے کر اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے۔کیونکہ ماوریٰ ک طلب کا شوق وقت ضائع کرتا ہے اور ایسی چیز کو طلب کرنا ہے جس کا حاصل ہونا ممکن نہیں۔یا یہ معنی ہے کہ وہ اپنی ذات کی تعریف کر رہا ہے یعنی اپنے کمالاتِ ذاتیہ کی ثناء کہتا ہے۔اس کی طرف متوجہ عالمین سے بے نیاز ہے۔اس کی حریم ذات اور اس کی عزت وجلال کی طرف کوشش کی گنجائش نہیں۔ ؎

تعالیٰ العشق ھمم الرجال | ومن وصف التفرق والوصال

متی ماجل شئی عن خیال | یحل عن الاحاطۃ والمثال

﴿عشق لوگوں کی ہمتوں اور وصال کے وصف سے بلند ہے۔جب کوئی شے خیال سے بلند ہو جائے ت وہ احاطہ ومثال سے آزاد ہوتی ہے۔﴾

باب چہارم

مکتوباتِ حضرت خواجہ خردؒ و حضرت خواجہ معصومؒ

اب ان عباراتِ لطیفہ کے بعد ہم حضرت خواجۂ خردؒ کے وہ مکتوبات لکھ رہے ہیں جو انہوں نے خود حضرت خواجہ معصوم سرہندیؒ قیوم ثانی اور حضرت قیومِ ثانی نے ان کے جوابات لکھے۔ اصل خطوط کی عبارات حضرت خواجہ معصومؒ کے جوابات سے واضح ہیں۔

مکتوب 85

پیرزادہ خواجہ محمد عبید اللہ کے نام اُن شبہات کے حل میں، جو کہ انہوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے کلام پر کئے تھے اور حضرت ذاتِ تعالیٰ سے تنزل وجود خواہ عیناً ہو یا زائداً، کے بارے میں حضرت حالی قدس سرہٗ کے مذہب اور حیات کے علم پر مقدم ہونے کی تحقیق اور تعین الوجودی وحبی اور ہر مقام کے متعلق مناسب تحقیقات کے بارے میں تحریر فرمایا۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ سید الوریٰ امام التقیٰ محمد ن المصطفیٰ، صاحب قاب قوسین او ادنیٰ وعلیٰ آلہ شمس الدجیٰ وصحبہ نجوم الھدیٰ۔ اما بعد۔

﴿ اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو کہ نہایت مہربان اور بہت ہی رحم والا ہے۔ سب تعریف اللہ کیلئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر خصوصاً مخلوق کے آقا و سردار، متقیوں کے امام حضرت محمد ﷺ پر جو کہ قاب قوسین کے مالک ہیں اور آپ ﷺ کی آل پر جو کہ تاریکیوں کے سورج ہیں اور آپ کے اصحاب پر جو کہ ہدایت کے ستارے ہیں، سلام ہو، اس کے بعد ﴾

پس یہ فقرات ہیں جو تنزیہات کی نرم ہواؤں سے مترشح ہوتے ہیں اور وہ باغات ہیں جو تقدیسات کی خوشبوؤں سے مہکے ہیں۔ احدیت کے وہ انوار ہیں جو کہ فتوحات کی شعاعوں سے ظاہر ہوئے ہیں اور وہ پاکیزہ حالات وواقعات ہیں جو عطیات (الٰہی) کے ترشح سے نمودار ہوئے ہیں، وہ الہامات ہیں، جن میں عقل کیلئے علاج ہے، وہ انعامات ہیں جن سے روح کے لئے تروتازگی وزندگی ہے، مشکلات کو حل کرنے میں کلمات کاملہ ہیں اور قلیل سرمایہ میں سے حقیر ساہدیہ ہیں جو اُس مخدوم مکرم کی طرف بھیجا گیا ہے جو کہ کمالات کا جامع ہے، شوق ووجد اور لذات کی چادر میں ناز سے چلنے والا ہے، وہ جذبات کا مورد، انعامات کا محیط، معقولات کے دلائل کی گہرائیوں میں غوطہ لگانے والا، تصوف والٰہیات کے دقائق میں غور کرنے والا ہے اور بے شک اُس نے ہماری طرف ایک بزرگ گرامی نامہ ارسال کیا جو بلند معارف اور نادر سوالات پر مشتمل تھا اور جو کچھ اس خط میں تھا، میرے پاس اس کی مثل نہیں تھا تو اس سے بہتر کیسے ہوتا۔ (حالانکہ نص میں) وارد ہے "فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا" **﴿ پس تم ان سے بہتر (الفاظ میں) سلام کرو یا انہی الفاظ کو لوٹا دیا کرو ﴾**۔ اور یہ میرے فہم کی کوتاہی اور میرے ادراک کی کمی کی وجہ سے ہے۔ خاص طور پر اسرارِ الٰہیہ سے کہ جن کی صحراؤں (وسعتوں) میں قدم لڑکھڑا جاتے ہیں اور جن کی تمہیدوں میں عقلیں بھٹکتی رہتی ہیں اور اسی لیے میں توجہ کی باگ کو اس طرف سے پھیر لیتا تھا کہ اُن کے مقابلہ میں کوئی چیز صراحتاً یا کنایۃً لکھوں۔ اسی طریقہ پر ایک سال گزر گیا اور ہماری جانب سے ہرگز کوئی جواب ظاہر نہ ہوا۔ یہاں تک کہ مخدوم مکرم کی جانب سے متعدد مکتوبات وصول ہوئے کہ اس کے جواب میں جو کچھ تُو جانتا ہے، لکھ، پس میں قلم پکڑنے پر مجبور ہوا اور میں نے انوارِ قدم (اللہ تعالیٰ) سے مدد طلب کی۔ پس "ما لا یدرك كله لا يترك كله" **﴿ جو چیز پوری حاصل نہ ہو سکے، اس کو بالکل چھوڑ نہیں دینا چاہیے، یعنی جس قدر حصہ ملے لے لینا چاہیے ﴾** کے مصداق میں

نے اس (تکمیل ارشاد) میں (لکھنا) شروع کیا اور کام کی بزرگی اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے اور اسی سے اس کا عقدو حل ہے۔

پس میں کہتا ہوں کہ جب میں نے اس مکتوب میں غور کیا تو میں نے اس کے بعض مسائل کو طبعیات سے متعلق اور بعض کو ریاضی سے اور بعض کو تصوف و الٰہیات سے متعلق پایا اور میں نے دیکھا کہ طبعیات اور ریاضی کے دقائق میں مشغول ہونا عزیز اور قابلِ قدر وقت کو ضائع کرنا اور دنیا و آخرت کے اعتبار سے بے ضرورت کاموں میں مشغول ہونا ہے۔ بلکہ قریب ہے کہ ان علوم کے ساتھ کثرت سے مشغول ہونا دینی عقائد میں سستی پیدا کردے۔ رسول ﷺ نے فرمایا: **"بندہ سے اللہ کی روگردانی کی علامت اس (بندہ) کا بے ضرورت کاموں میں مشغول ہونا ہے"** اور اگر نفس کا کوئی معتد بہ کمال اور ان دونوں علموں کے ساتھ وابستہ ہوتا تو صاحب شرع ﷺ اس کو ترک نہ فرماتے اور سلف اس سے روگردانی نہ کرتے بلکہ وہ اس کے حاصل کرنے میں رغبت کرتے اور اس کی تعلیم کی رغبت دلاتے اور (چونکہ) ایسا نہیں ہوا پس (یہ معاملہ بھی) ایسا نہیں ہے۔ اور جو چیز کہ تصوف سے تعلق رکھتی ہے تو اس میں سے ایک وہ چیز ہے جو مسئلہ وحدت الوجود کی شرح اور مخلوق اور حق تعالیٰ وتقدس کے درمیان اتحادِ ذاتی سے متعلق ہے اور بلا شبہ یہ مسئلہ صوفیائے وحدت الوجود کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور ہم اس مسئلہ سے بے تعلق ہیں اور ان میں سے بعض چیزیں وہ ہیں جو ہمارے شیخ و امام قبلہ حبیب رحمانی مجدد الف ثانیؒ (قدس سرہٗ العزیز) کے بعض معارف سے متعلق ہیں تو ہم اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے جو کہ غالب اور قوی ہے اور اسی پر بھروسہ کرتے ہوئے ان کے بارے میں کلام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے جو کہ قوی اور غالب ہے اور اسی پر بھروسہ کرتے ہوئے ان کے بارے میں کلام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر گناہوں سے بچنے اور نیک کاموں کے کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

قولہ' (اس کا قول یہ ہے کہ) "کیا ان کے نزدیک یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وجود ذات واجب تعالیٰ پر زائد ہے یا اس کا عین ہے اور پہلے قول (یعنی زائد ہونے) کی بنا پر ان دلائل عقلیہ سے کس طرح رہائی ہے جو اس کے عین ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور کثرت شہرت کی وجہ سے ان کو یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور علی رغم المخالف (مخالف کی مرضی کے خلاف) یہ دلائل قطعی ہیں انتہیٰ"۔

(اس کے جواب میں) میں کہتا ہوں کہ یہاں ایک تیسری صورت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ بلا شبہ وہ سبحانہٗ تعالیٰ بذاتِ خود ثابت ہے نہ کہ وجود کے ساتھ۔ پس اس کی ذاتِ عالیہ اپنے ثبوت میں کافی ہے۔ وجود کی محتاج نہیں۔ یہاں وجود کیلئے گنجائش نہیں۔ خواہ عیناً ہو یا زائداً۔ یہ اُس تحقیق کی بنا پر ہے جو کہ انشاء اللہ عنقریب آئے گی۔ پس اس سبحان وتعالیٰ کے اس وجود کے ساتھ موجود ہونے کی وجہ سے جو کہ ماہیت پر زائد ہے، دلائلِ نافیہ اس پر وارد نہیں ہوتے۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ اس تعالیٰ شانہٗ کے "بنفسہٖ" موجود ہونے اور صوفیائے کرام کے مذہب کے مطابق وجود کے، اس کی عین ذات ہونے کا مرجع ایک ہی ہے۔ اس لئے کہ وجود کے اس کا عین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ وجود پر مرتب ہوتا ہے، وہ ذاتِ باری تعالیٰ پر بھی مرتب ہوتا ہے تو ہم (جواباً) کہتے ہیں کہ بات اس طرح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس سبحانہٗ تعالیٰ کے اپنی ذات کے ساتھ موجود ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس سبحانہٗ تعالیٰ کی حقیقت اپنی ذات میں وجود سے ماوراء ہے (اور) اس پر وجود کے آثار مرتب ہونے کیلئے کافی ہے اور اس تحقیق کی بنا پر جو کہ ہمارے شیخ و امام (مجدد الف ثانیؒ) کے مذہب کی وضاحت میں انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب آئے گی، وجود اس مرتبہ عالیہ سے متنزل (نیچے کے مرتبے میں) ہے۔

اور وجود کے اس کی عین ذات ہونے کے یہ معنی کہ اس سبحانہٗ تعالیٰ کی حقیقت یہی وجود ہے، صرف اس بنا پر ہیں جو اُن حضرات کی تحقیقات سے مستفاد ہوتی ہے۔ پس اُس مرتبہ مقدسہ پر وجود کا اطلاق ان کے نزدیک حقیقت ہے اور اگر وجود کی عینیت سے یہ مراد لی جائے کہ جو کچھ اس پر مترتب ہوتا ہے تو اس سبحانہٗ تعالیٰ پر وجود کا اطلاق بطریقِ مجاز و تشبیہہ و تنظیر ہوگا اور (چونکہ) مجاز کی نفی کی جاتی ہے پس اس سے وجود کی نفی صحیح ہو جائے گی، اور ذاتِ تعالیٰ فی نفسہٖ وجود کے سوا ہو گی۔ اور وہ صوفیاء کرام جو وجود کی عینیت کے قائل ہیں، اس کو جائز نہیں کہتے۔ جیسا کہ یہ بات ان لوگوں پر پوشیدہ نہیں ہے جو

ان کے کلام میں جستجو کرتے ہیں اور ان کے اطوار سے واقف ہیں ۔ وہ (صوفیاء کرام) کہتے ہیں کہ حق سبحان تعالیٰ کی حقیقتِ وجودِ بحت ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔ اور اپنی ذات سے کسی چیز کا سلب کرنا محال ہے ۔ اور اگر ان کے نزدیک اس تعالیٰ سبحانہٗ پر وجود کا اطلاق حقیقت کے طور پر نہ ہوتا تو عینیت وجود کے قائلین کے درمیان حق سبحانہٗ کے وجودِ مطلق ہونے یا اس کا کوئی فرد ہونے میں اختلاف کیلئے کوئی حاصل شدہ معنی نہ ہوتے اور اُن کے نزدیک اس مرتبۂ عالیہ پر وجود کے اطلاق کی مجاز کے طور پر کس طرح گنجائش ہوگی ۔ حالانکہ مسئلہ وحدت الوجود کا منبع یہ ہے کہ وہ تعالیٰ شانہٗ وجود مطلق ہے، علاوہ ازیں اس کی عینیت پر اکثر دلائل غیر صحیح و نامکمل ہیں ۔ پس ان کا قطعی ہونا غیر مسلم ہے اور مخالف کے گمان پر اُن کا (ادلہ) قطعی ہونا ہمارے لئے مضر نہیں ۔

قولہ ''اور تعینِ وجودی جس کی طرف ہمارے شیخ و امام و قبلہ قدس سرہٗ الاقدس گئے ہیں، اس سے مراد یا وجودِ عام ہے یا وجودِ خاص یا وجودِ مطلق ؟''

(جواباً) ہم کہتے ہیں کہ وہ مرتبہ جس کو بعض صوفیائے عالی مرتبہ وجودِ بحت کہتے ہیں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ مرتبۂ لاتعین ہے ۔ وہ ہمارے نزدیک مرتبۂ ذاتِ اعلیٰ سے نیچے کا مرتبہ ہے اور اس کے تعینات میں سے ایک تعین ہے خواہ وہ اس کو وجودِ خاص کے نام سے موسوم کریں یا موجودِ عام سے یا وجودِ مطلق سے، اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ وجود مطلق ہے تو یہ بھی بعید نہیں ہے لیکن وہ اطلاق کی قید سے آزاد نہیں ہے، اس لئے کہ وہ متعین و متنزل ہے اور ایسا اطلاق لاتعین کے مناسب ہے بلکہ وہ قیود سے مطلق (آزاد) ہے (اور) اطلاق کے ساتھ مقید ہے، پس وہ ایک لحاظ سے مطلق اور ایک لحاظ سے مقید ہے اور اس پر کوئی غبار نہیں ہے ۔ جیسا کہ ان حضرات نے مرتبۂ وحدت میں کہا ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ تردید درست نہیں ہے ۔ اس لئے کہ اگر مطلق سے مطلقِ حقیقی مراد ہے تو تردید حصر والی نہیں ہے اور اگر اس سے مطلقِ اضافی مراد ہے تو تردید کے عدم انحصار کے باوجود دلیل کے اس کے باطل قرار دینے پر لائی گئی جو کہ آگے عنقریب آئے گی، اس کیلئے غیر مطابق ہے اور اگر وہ معنی مراد ہیں جو ان دونوں معنوں کو شامل ہیں تو مدعی کی طرف سے دلیل ناقص و نامکمل ہے، پس آخری دونوں صورتوں میں تقریب کامل نہیں ہوتی ۔

قولہ ''پہلی صورت کی بنیاد پر اس سے چارہ نہیں کہ زائد ہو، پس اس صورت میں خلاف متحقق نہیں ہوگا، کیونکہ ابنِ عربیؒ اور ان کے متبعینؒ بھی اس طرف گئے ہیں کہ صادرِ اول وجودِ عام ہی ہے بلکہ عموم و انبساط کی نسبت ہے ۔''

(اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ نہ اختلاف کو دور ہونا ممنوع ہے کیونکہ انہوں نے وجودِ عام کو وجودِ مطلق کے مغائر نہ ہونے کا حکم کیا ہے اور ہم ذاتِ اعلیٰ پر تعین اول کے زائد ہونے کے قائل ہیں اور اس کی اس سے مغائرت اور نسبت کی زیادتی خلاف یا غیر وجود کی نسبت کو رفع نہیں کرتی ۔ پھر اس کے قول "بل نسبة العموم والانبساط" (**بلکہ عموم و انبساط کی نسبت ہے**) میں ترقی کی بے قدری پوشیدہ نہیں ۔

قولہ ''اور تیسری اور چوتھی صورت کی بنا پر وہ تعین حاصل نہیں ہوتی جو مرتبۂ سابقہ میں نہیں تھی کیونکہ ذات پر کوئی چیز زائد نہیں ۔''

(اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ جب ذاتِ اعلیٰ اپنی ذات میں وجود کے سوا ہے تو اس قول کے کچھ معنی نہیں کہ ذات پر کوئی چیز زائد نہیں ہے ۔

قولہ ''لیکن وجود کے مطلق ہونے کی صورت میں تو ظاہر ہے کیونکہ وہ غیر متعین ہے ۔''

ہم کہتے ہیں کہ مطلق اضافی تعین کے منافی نہیں ہے اور وجودِ متعین کہ متحملات میں سے ہونے کی وجہ سے لفظ مطلق سے (مخالف کی) تردید میں یہ معنی (مطلقِ اضافی) مراد لینا مناسب ہے اور رہا مطلق حقیقی مراد لینا تو یہ طبع سلیم کے نہایت منافی ہے ۔ اس لئے کہ متعین غیر متعین کا احتمال ہرگز نہیں رکھتا، پس مخالف کا مذہب تسلیم کرتے ہوئے کہ وجود متعین ہے تو اب اس سے پوچھا جائے کہ اس متعین سے تیری مراد غیر متعین ہے یا کوئی دوسری چیز ہے ۔

قولہ ''اور لیکن وجودِ خاص ہونے کی بنا پر، پس بے شک ذات محض کی طرف نسبت ہونے کے باوجود وہ ایک وجود ہے اور وہ نسبت جو غیر حقیقی

واعتباری کو مستلزم نہیں ہے، وہ تعین کو واجب نہیں کرتی۔"

(اس کا جواب یہ ہے کہ) اس میں بحث ہے۔ اول اس لئے کہ کسی چیز کی اپنی ذات کی طرف نسبت تغائر کو لازم نہیں کرتی اور وجود ذاتِ مقدس کا غیر ہے اور ذات کی طرف سے اس کی نسبت سے تعین حاصل ہوتا ہے۔ اور دوسرے اس لئے کہ علم تمہارے نزدیک عین ذات تعالیٰ ہے اور ذاتِ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت سے تمہارے نزدیک تعین حاصل ہوتا ہے، اور تیسرے اس لئے کہ غیر اعتباری نسبت کا لازم نہ ہونا ممنوع ہے۔ اور جاننا چاہیے کہ ہمارے نزدیک ذاتِ اعلیٰ کی طرف وجود کی نسبت ایسی ہے جیسا کہ صادر کی نسبت مصدر کی طرف ہوتی ہے کیونکہ وہ فی نفسہٖ وجود سے بے نیاز اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے۔ پس اس صورت میں اس کے اس قول کا کوئی فائدہ نہیں ، "اگر یہ تعینِ وجودی ذات پر زائد نہیں ہوگا تو قریب ہے کہ درمیان سے اختلاف دور ہو جائے۔ پس وجود کے ساتھ متعین ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ من حیث (جس حیثیت سے کہ وہ ہے) وجود ہے۔ لیکن چاہیے کہ وہ وجودِ محض ہو، اس لئے کہ نسبت، باوجود یہ کہ وہ ہے، خصوصیت کو لازم کرتی ہے مگر یہ کہ مراد یہ ہو کہ وہ وجود ہو گیا یا موجود ہو گیا، اور وجود زائد چیز ہے اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ذات تعالیٰ من حیث ھو (جس حیثیت سے کہ وہ ہے) غیر موجود ہو، پس اس کو وہ دلیلیں رد کرتی ہیں۔ جو دلالت کرتی ہیں کہ واجب ہی وجود ہے، خواہ خاص ہو یا عام، انتہیٰ۔ آپ نے جان لیا کہ ان میں سے اکثر مدخولہ (قابلِ اعتراض) ہیں۔ پس یہ ہم پر وارد نہیں ہوتے۔

قولہ "اور یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ تعین زائد ہو، اور پہلے گزر چکا ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ تعینِ وجود وجودی زائد"۔

(جواباً) ہم کہتے ہیں کہ زیادتی ممکن نہ ہونے کے جوابات بھی پہلے گزر چکے ہیں، پس یاد کر لیجیے۔

قولہ "پھر اس تقدیر پر کہ (اس کا وجود) زائد ہے، وہ علم میں یا خارج میں موجود ہوگا یا معدوم ہوگا"۔

(جواباً) ہم کہتے ہیں کہ یہاں ایک اور شق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ تعین ظلِ خارج میں موجود ہوگا اور اس کی نفی کیلئے دلیل کا ہونا ضروری ہے۔

قولہ "پس بے شک نفس امر علم اور خارج سے خالی نہیں ہے"۔

(جواباً) ہم کہتے ہیں کہ یہ ممنوع ہے کیونکہ بعض کے افادہ کی بنا پر کلی طبعی اس کے خارجی و ذہنی امتیازات سے قطع نظر کرنے کے باوجود نفس الامر میں ثابت ہوتی ہیں اور جو دلیل اس کے ممنوع ہونے پر لائی گئی ہے، وہ اعتراض سے خالی نہیں ہے۔ اور نیز اگر خارج سے علم کے ماسوا مراد لی جائے تو ہم یہ اختیار کرتے ہیں کہ وہ خارج میں موجود ہے لیکن خارج کے لئے چند مراتب ہیں، جن میں سے بعض دوسرے بعض کے اوپر ہیں۔ پس ذاتِ مقدس مراتب میں سب سے اعلیٰ ہے اور وجود اس مرتبہ میں ہے جو کہ ذات تعالیٰ سے نیچے کا مرتبہ ہے۔ پس یہ دونوں ایک مرتبہ میں نہیں ہے اور اگر اس سے اس کا سب سے اعلیٰ مرتبہ مراد لیا جائے جو کہ ذاتِ اعلیٰ کا مرتبہ ہے تو پھر علم و خارج میں حصر ممنوع ہے۔ ہم مزید کہتے ہیں کہ تحقیق یہ ہے کہ وجود علمی و خارجی کے مطلق وجود کی اقسام سے ہے اور مطلق اقسام سے ماوراء ہے۔ پس چاہیے کہ وجود علم و خارج کے ماوراء ثابت ہو اور اس معنی کی کشف اور صحیح فراست سے تائید ہوتی ہے۔

قولہ "اور پہلی صورت کی بنا پر لازم آتا ہے کہ (یہ) صفت ہو، پس وہ کسی دوسرے وجود کا تقاضہ کرتی ہے۔"

ہم کہتے ہیں، کہ یہ بات غیرِ وجود میں مسلم ہے اور وجود میں ممنوع ہے۔

قولہ "اور دوسری صورت کی بنا پر مرتبہ وجود یعنی خارجی (وجود) میں تکثر (کثیر ہونا) آتا ہے کیونکہ خارج میں موجود ہی ذات ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں"۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ ممنوع (غیر مسلم) ہے کیونکہ یہ جائز ہے کہ خارج کیلئے مختلف مراتب ہوں اور وجود کا مرتبہ ذات تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ سے نیچے

ہو، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

قولہ: ''اور برہانِ قطعی اس کی تردید کرتی ہے کیونکہ وجود سے مراد مبدا ٓہی ہے''۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ ممنوع ہے، اس لئے کہ مبداء ذات تعالیٰ ہے اور وجود (اُس) بے نیاز ذاتِ عالیہ سے کمالات کے افاضہ کیلئے واسطہ ہے۔ پس یہ جو کہا جاتا ہے کہ وجود ہر خیر و کمال کا مبداء ہے، ہمارے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر خیر و کمال اس سجانہٗ وتعالیٰ سے فائض (جاری) ہے، پس وجود فیض کے پہنچنے میں واسطہ ہے کیونکہ وہ تعالیٰ اپنی ذات مقدس سے اس وجود کے ملاحظہ کے بغیر تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

قولہ، ''اور ضروری ہے کہ سب سے اول مبداء ہو ورنہ کوئی چیز نہیں پائی جائے گی۔ پس یہ حکم کہ وجود زائد ہے، اس کی عینیت کو لازم کرتا ہے، اس لئے کہ زائد ہونے کی صورت میں اس کا کوئی مبداء ہوگا، ورنہ وہ بالذات واجب ہوگا اور واجب بالذات کا متعدد ہونا محال ہے اور اگر مبداء ذات مع وجود ہو تو مبداء دو ہو جائیں گے۔ اور ہر دو ہونے والی چیز (جوڑا) ممکن ہوتی ہے اور یہ مشہور دلائل قطعیہ میں سے ہے جن کے ذکر کی ضرورت نہ ہونے کے باوجود قلم سے ان کا ذکر ہو گیا، انتہی۔'' ہم جواباً کہتے ہیں کہ علتِ تامہ کا مرکب ہونا اور اس کے اجزاء کا متعدد ہونا محال نہیں ہے بلکہ واقع ہے۔ اور فاعل ذاتِ واجب عزوجل ہے۔ اس کے سوا نہیں ہے اور وجود واسطہ اور شرط ہے۔ پس پہلی صورت کی بنا پر مبداء کے دور ہونے اور اس کے متعدد ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور دوسری صورت کی بنا پر تعدد ممنوع ہے۔

قولہ، ''اس مقام کے مناسب امور میں سے یہ ہے کہ تعین اول تعین ذاتی سے عبارت ہے اور ہر موجود کیلئے اس کے موجود ہونے میں اس سے چارہ نہیں ہے کیونکہ کوئی چیز جب تک متعین و متمیز نہ ہو، کم از کم عدم سے تو وہ پائی نہیں جائے گی اور لاتعین کے معنی اس تعین کا دوسرے تعینات سے مزاحم نہ ہونا ہے بلکہ اس کا اس میں منحصر نہ ہونا اور اس کا پابند نہ ہونا ہے۔ پس حقیقتِ الٰہیہ کے لئے تعین اول تمام صفات کیلئے اجمالی طور پر حقیقتِ جامعہ ہے۔ خواہ وہ صفاتِ فعلیہ ہوں یا انفعالیہ اور ہم نے ''اجمالی طور پر'' اس لئے کہا ہے کہ صفات کی تفصیل کے وقت غیر متناہی تعینات حاصل ہو جاتے ہیں اور ہم نے ''تعمیم'' (عمومیت) کے ساتھ اس لئے کہا ہے کہ صفاتِ فعلیہ کے ساتھ مقید رب ہے اور وہ بندے سے متمیز ہے اور (اسی طرح) بالعکس ہے، تعین اول ذاتی سے تنزل کے بعد واجب کی حقیقت اس کا ربوبیت کے ساتھ تعین ہے، پس ربوبیت اس کا تعین اولِ ذاتی نہیں ہے۔ (اسکو) وجود کا نام دینا بعید نہیں ہے۔ لیکن وہ زائد نہیں ہے۔ جیسا کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ اور یہ جو ان حضرات بعض عبارتوں میں واقع ہے کہ تعین اول تعین علمی اجمالی ہے تو یہ اس کے مخالف نہیں ہے جو ہم نے ذکر کیا کیونکہ اس سے یہ مراد نہیں کہ واجب کی حقیقت فقط یہی علم ہے۔ پھر اس نے نزول فرمایا اور دوسری صفات ہو گیا۔ کیونکہ اس مرتبہ میں جس طرح کہ وہ عین علم ہے، اسی طرح وہ عین قدرت و ارادہ وغیرہ ہے یا (یہ مراد نہیں ہے کہ) وہ فی نفسہٖ علم کی حقیقت سے ماوراء ہے۔ پھر اس نے نزول فرمایا اور علم کی حقیقت ہو گیا بلکہ انہوں نے اس حقیقتِ جامعہ سے تمام صفات کے ساتھ اس کا اجمال حقیقتِ علم کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اس لئے کہ صفات کو جب اس مرتبہ میں ثبوت ہے، اگرچہ اندماجی (ایک دوسرے میں مل جانے کے) طور پر ہوا اور تعدد کا ثبوت صرف علم میں ہے اور نیز علم احاطہ کے طور پر عالم اور معلوم کا عین ہے کیونکہ علم کی حقیقت کو اس حیثیت سے کہ وہ ہر معلوم کا عین ہے۔

علم کی حقیقت سے تعبیر کرنا جائز ہے اور البتہ دوسری صفات مثلاً قدرت جیسی کہ وہ ہے تو وہ عین ارادہ نہیں ہے اور نہ ہی عینِ مقدور ہے، پس علم جو کہ تعینِ اول ہے، اس علم کے سوا ہے جس کے ساتھ دوبارہ مرتبہ تفصیل میں تنزل واقع ہوا ہے اور اس مرتبہ میں بہت سے تعینات ہیں۔ ان میں سے ایک تعین علمی ہے، اس حیثیت سے کہ وہ تعین ارادی وغیر ہا سے متمیز ہے، اور اس طول کلامی سے مقصود یہ ہے کہ آپ (اس) سب سے حقیر مرید پر ان مسائل میں صواب و خطا پر متنبہ فرمانے کے ساتھ احسان فرمائیں، انتہی۔ میں (جواباً) کہتا ہوں کہ جو کچھ اس تحقیق سے مستفاد ہوتا ہے، اس کا ماحصل ذات تعالیٰ و تقدس کا اس کے مراتبِ تعینات میں حصر اور ذاتِ اعلیٰ کے لئے تعینات کے ماوراء مرتبہ ہونے کی نفی ہے۔ اور لاتعین کے معنی کسی معین و تعین میں اس کا

منحصر نہ ہونا ہے۔پس تعینِ اول اجمالی طور پر صفات کی حقیقت جامعہ ہے اور اسی کو وجود کا نام دیا جاتا ہے۔پس یہ مرتبہ تعینِ وجودی اور تعینِ علمی اجمالی ہوگا ، البتہ اس کا وجود ہونا اس لئے ہے کہ وجود حق عزوجل کی حقیقت ہے اور اس کے لئے اس مرتبہ سے اوپر کوئی مرتبہ ثابت نہیں ہے اور البتہ اس کا علمی ہونا اس لئے ہے کہ علم احاطہ کے طور پر عینِ عالم اور عین معلوم ہے، بخلاف دوسری صفات کے کہ وہ اس کی مانند نہیں ہیں ۔پس اختلاف رفع ہوگیا۔اور تعینِ اول دونوں فریق کے نزدیک ایک ہی چیز ہوگئی۔خواہ آپ اس کو علم کا نام دیں یا وجود کا۔

آپ کو معلوم ہے کہ یہ شیخ (محی الدین ابنِ عربی قدس سرہٗ) اور ان کے متبعینؒ کے مذہب کی تنقیح ہے ورنہ یہ ایسی صلح ہے جس پر دونوں فریق میں سے کوئی راضی نہ ہوگا۔اور اس جگہ چند بحثیں ہیں: **اول** یہ کہ اُس بنا پر جو کہ اُن کے نزدیک مسلم ہے، تعینِ اجمالی و تفصیلی دونوں علمی ہیں، پس اس بنا پر واجب تعالیٰ موجوداتِ علمیہ میں سے ہوگا (حالانکہ) اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔**دوم** یہ کہ یہ بات محال ہے کہ کوئی چیز اپنی ذات کے علم میں موجود ہو اور اس کیلئے اس کے وجودِ علمی کے سوا اور کوئی وجود نہ ہو۔اس لئے کہ تعیناتِ خارجیہ اس تعین سے پیچھے آنے والے ہیں اور حادث ہیں ۔**سوم** یہ کہ جب وجود کی حقیقت موجود علمی ہے تو اس کے تعینات کس طرح خارجی ہوں گے۔جیسا کہ انہوں نے کہا ہے کہ اجمالی و تفصیلی تعین کے علاوہ (کچھ) تعینات خارجی (بھی) ہیں اور البتہ جو کچھ اس سلمہ ربہٗ کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس کو علم کے نام سے موسوم کرنا اس سے محض تعبیر ہے نہ یہ کہ وہ فی نفسہٖ علم کی حقیقت ہے۔پس یہ غور طلب ہے۔اول اس لئے کہ یا تو اس مرتبہ میں ذات تعالیٰ کا حضور اس کے نفس کیلئے اس کے علم میں اعتبار کیا جائے، جیسا کہ ان حضرات کے نزدیک مسلم ہے یا اعتبار نہ کیا جائے۔اور پہلی صورت میں اس مرتبہ پر علم کا اطلاق حقیقت کے طور پر ہوگا نہ کہ محض تعبیر کے طور پر، اور دوسری صورت میں، اس کیلئے اس کے حضور سے قطع نظر کرنے کے باوجود خارج میں موجود ذات پر علم کے اطلاق کا جائز ہونا ہم نہیں مانتے۔اس لئے کہ علم کے معنی عینِ عالم ہونا و عینِ معلوم ہونا (یعنی) دونوں کا عین ہونا دونوں کے عالم و معلوم ہونے کے اعتبار سے ہے۔کیونکہ حکم کا مشتق کے ساتھ معلق علیت (علت ہونے) کا پتہ دیتا ہے، پس زید کیلئے جو کہ خارج میں موجود ہے، یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ علم ہے۔پس نسبتوں اور اعتبارات سے خالی ذات کو اس کے نفس کیلئے اس کے حضور سے قطع نظر کرنے کے باوجود اس کو علم کے ساتھ تعبیر کرنا کس طرح جائز ہوگا۔حالانکہ تعبیرات اس مرتبہ پر ساقط ہیں۔پس ظاہر ہوا کہ اس مرتبہ پر علم کا اطلاق محض تعبیر نہیں ہے۔جیسا کہ ان کی صریح عبارات اس پر دلالت کرتی ہیں۔جیسا کہ تحقیق کرنے والے پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اس کی ذات کا تعقل (سمجھنا) اس کی ذات کے ساتھ ہے اور اسی لئے وہ اس کو عقل و حضرتِ علمیہ و علمِ مطلق و وجودِ مطلق غیر مقید بالتفصیل کا وجدان کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

نقد الفصوص میں کہا ہے ''اور یہ معرفت کلی اجمالی معرفت ہے'' اور فصوص میں ہے کہ ''نسبتِ علمیہ ذاتیہ سے تعلق رکھنے والے تعینات میں سب سے اول تعین وحدت الحق اور اس کے وجود کا واجب ہونا اور اس کا مبداء ہونا سمجھا جاتا ہے۔اور خاص طور پر اس حیثیت سے کہ اس کا اپنے نفس فی نفسہٖ جاننا اور اس کا اپنی ذات کے واسطہ سے جاننا ہر چیز کیلئے اس کے علم کا سبب ہے اور دوسرے مقام میں اس نے اس تعین کو علمِ وجدانی کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور نیز اس میں ہے کہ غیبِ ھویتِ حق سے لاتعین کے اعتبار سے اس کے اطلاق کی طرف اشارہ ہے اور وحدتِ حقیقت جو تمام نسبتوں اور اسماءِ اضافات اور اعتبارات کو مٹانے والی ہے، اس سے مراد حق کا اپنے نفس کو سمجھنا اور اس کا اپنے تعین اور اتصاف کی حیثیت سے اپنے نفس کا ادراک کرنا ہے۔اور اس (کے تعین) سے مراد نسبتِ علمیہ ذاتیہ میں وجود کا تعین ہے۔اور اس کے اتصاف سے مراد اپنے تعلق میں اپنے تعین کی حیثیت سے اس کے اپنے نفس کے علم کی صورت ہے اور اسی طرح کی مثالیں ان کے کلام میں بے شمار ہیں۔

اور دوم اس لئے کہ اگر اس پر علم کا اطلاق مجاز کے طور پر ہو تو اس سے علم کی نفی کرنا جائز ہوگا حالانکہ یہ ان کے نزدیک جائز نہیں ہے، اس بنا پر جو کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

اور سوم اس لئے کہ علم کا عالم اور معلوم کے ساتھ اتحاد صرف علمِ حضوری میں ہے اور اس علم کا جس سے بعض صفات کو بعض سے تمیز کیا جاتا ہے، علمِ حضوری ہونا ممنوع ہے۔ بلکہ وہ علمِ حصولی کے قبیل سے ہے کیونکہ اس سے معلومات کی صورتیں اور اعیانِ ثابتہ کا حصول ہوتا ہے اور اگر اس (علم) کا (علم) حضوری ہونا مان لیا جائے تو ذاتِ بحت کے ساتھ اس کا اتحاد اس کے ساتھ اس کے اعتبار کو ملاحظہ کئے بغیر ممنوع ہے بلکہ تحقیق یہ ہے کہ علمِ حضوری میں بھی اس کے اعتبارات میں سے کسی اعتبار کے ساتھ ہی ذات ملحوظ ہے نہ کہ ذاتِ بحت، جیسا کہ بعض محققین نے اس کا افادہ کیا ہے۔

اور چہارم اس لئے کہ ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ متحد ہونا اس کا مقتضی نہیں ہے کہ جو اسم ان میں ایک کے ساتھ مخصوص ہے، اس کا اطلاق دوسرے پر بھی جائز ہو۔ کیا تُو نہیں دیکھتا کہ مثلاً ہر ایک ہنسنے والا اور چلنے والا انسان کے ساتھ متحد ہے لیکن انسان کی ماہیت پر جیسی کہ وہ ہے، اس کا اطلاق جائز نہیں ہے۔ اور اس لئے بھی کہ مقید اور جزئی، مطلق اور کلی کے ساتھ متحد ہیں۔ اس کے باوجود ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ جس حیثیت سے کہ وہ ہے جو اسماء و احکام مخصوص ہیں، ان کا اطلاق دوسرے پر اس حیثیت سے جیسا کہ وہ ہے، جائز نہیں، جیسا کہ صوفیاء موحدہ وغیرہ۔ ہم نے اس کو ثابت کیا ہے۔ "گر فرقِ مراتب نکنی زندیقی" (اگر تو مراتب میں فرق نہیں کرتا تو تُو زندیق ہے)۔

اور پنجم اس لئے کہ علم میں صفات کا متعدد ہونا صفاتِ مندرجہ و مندمجہ (داخل شدہ) میں سے ہر صفت کے ساتھ علم کے اتحاد کا مقتضی ہے اور ذات تعالیٰ کے ساتھ اس کا اتحاد لازم نہیں آتا کہ اس پر اس کا اطلاق جائز ہو۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ صفت اس مرتبہ میں ذات تعالیٰ سے متمیز ہ نہیں ہے، پس اس کا ان دونوں میں ایک کے ساتھ اتحاد اور دوسرے کے ساتھ اتحاد ہے۔ اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ اس بارگاہ میں تمیز کا بالکل مرتفع ہو جانا ان چیزوں میں سے ہے جن کے بارے میں بحث مباحثہ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ وہاں اس علمی تمیز کے سوا ایسی تمیز ہو جس کی کیفیت مجہول ہو، معلوم نہ ہو۔ اور یہ تمیز علمی اس تمیز کا اثر ہو اور علم کا تعلق ان دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ جدا جدا ہونا ان چیزوں میں سے ہے جو اس کی تائید کرتی ہیں۔ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا علم بعینہٖ دوسرے کا علم ہے بلکہ ذات کا علم جیسی کہ وہ ہے، صفت کے علم کا غیر ہے، جیسی کہ وہ ہے، اگر چہ وہ اس سے غیر متمیز ہ ہو، جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ حیثیت کے مختلف ہونے سے علم بھی مختلف ہو جاتا ہے۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ مثلاً قادر کے متعلق (ہمارا) علم اس کی ذات و صفت کا ایک ساتھ علم ہے کیونکہ قادر کے معنی وہ ذات ہے جس کو قدرت ہے تو جائز ہے۔ کہ یہاں بھی اسی قبیل سے ہو کیونکہ اس مرتبہ میں ذات صفات کے ساتھ ملحوظ ہے۔ اگر چہ اجمالاً ہو، صفات سے معرا نہیں ہے۔ پس اس کا جواب دو طرح پر ہے، ایک یہ کہ اس صورت میں ذاتِ بحت کیلئے کوئی مرتبہ نہ ہوگا کیونکہ اس مرتبہ سے اوپر کوئی اور مرتبہ ثابت نہیں ہوا ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بات غیر مُسلّم ہے کہ قادر کے متعلق علم ذات و صفت کا (ایک ساتھ) علم ہے بلکہ صرف صفت کا علم ہے۔ کیا تُو نہیں دیکھتا ہے کہ اربابِ معقول نے کہا ہے کہ کسی چیز کے بالوجہ علم میں فقط بالوجہ علم ہے، پس ذاتِ شی کی طرف نسبت کرتے ہوئے جہل متحقق ہو گیا۔

اور ششم اس لئے کہ اطلاق کے جواز کی صورت میں ان کیلئے خارج میں موجود ذات کیلئے علم کا نام دینے کا کوئی سبب نہیں ہے۔ چھوٹی بحث یہ ہے کہ اگر ذاتِ باری تعالیٰ اپنے تعینات کے مراتب پر منحصر ہو جائے اور مطلق کا کوئی علیحدہ وجود اس کے تقیدات کے وجود کو ماوراء نہ ہو تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ واجب سبحانہٗ اپنے وجود میں ممکنات کے وجود کی طرف محتاج ہو اور اسی طرح تمام کمالات و صفات میں بھی، اور (لازم آئے گا) کہ ممکنات کو وجود اور اس کی صفات واجب تعالیٰ کے وجود اور اس سبحانہٗ کی صفات پر مقدم ہو جائیں گی اور اس کا باطل ہونا پوشیدہ ہونے سے زیادہ ظاہر و واضح ہے۔ پانچویں یہ کہ تحقیق اس کے مخالف ہے، جو کچھ کہ قوم کے نزدیک تعینات کے ماوراء مرتبہٗ اطلاق کے اثبات کے متعلق مقرر ہے اور اسی لئے وہ ذاتِ معرا (محض) میں تفکر کرنے سے منع کرتے ہیں۔ نقد النصوص میں کہا ہے کہ جب حق سبحانہٗ اپنی حقیقت کے اعتبار سے اپنی عزت کے حجاب میں اس طرح ہے کہ اس کے اور ماسوا کے درمیان کوئی نسبت نہیں تو اس میں اس وجہ سے غور و فکر کرنا اور (اس کی) طلب کی طرف شوق کرنا وقت ضائع کرنا اور ایسی چیز کی طلب کرنا ہے

کہ کلی اجمالی صورت کے سوا جس کا حاصل کرنا اور اس میں کامیابی ممکن نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر تعین کے ماوراء ایسا امر ہے جس سے ہر متعین ظاہر ہوا ہے اسی لئے سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنی رحمت وارشاد کی زبان سے فرمایا ہے :

"وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۚ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ "

﴿ اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے ﴾ (آل عمران ۔ ۳۰)

پس معلوم ہوتا ہے کہ مرتبہ ذات موجود ہے، اس میں تفکر ممکن نہیں ہے، نہ یہ کہ وہ تعبیر محض ہے اور وہ کہتے ہیں کہ لزوم احاطہ وتمیز اور مرتبہ تعین اول میں تفکر کی وجہ سے اس سبحانہٗ کا علم اس کی مقدس ذات سے متعلق نہیں ہوتا اور اپنے لئے اس سبحانہٗ تعالیٰ کے علم کا احاطہ غیر ممنوع ہے اور نیز وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلی جو چیز اس تعالیٰ شانہٗ سے صادر ہوئی، وہ تعینِ اول ہے اور وہ اس کو صادر اول کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور یہ لازمی طور پر معلوم ہے کہ ہر صادر کیلئے مصدر موجود ہوتا ہے ۔ لاہ جی نے کہا ہے کہ: **"ارادۂ الٰہی وقدرت نامتناہی نے نفسِ رحمانی کے ساتھ جب تعینِ اول ایجاد کیا "**، نیز انہوں نے کہا ہے کہ: **"اول مرتبہ جس نے اس فیض کو قبول کیا، تعین اول ہے** اور حدیث نبوی ﷺ میں ہے، " اول ما خلق اللّٰه تعالیٰ نوری " (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا فرمایا، وہ میرا نور ہے)۔ اور دوسری روایت میں ہے:" اول ما خلق اللّٰه العقل " ، (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا فرمایا، وہ عقل ہے)۔ اور مختصر یہ ہے کہ اس مرتبہ اور اس کے بعد کے مراتب کے صادر ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ بات محال ہے کہ صادر بھی اور مصدر بھی ایک ہی چیز ہوں ۔'' نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ **''تعینِ اول حق تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ اور وجوب وامکان کے درمیان برزخ ہے** ''۔ فصوص میں کہا ہے کہ **''یہ شرط وجودی ہی عقل اول ہے جو حق تعالیٰ اور ہر اس چیز کے درمیان واسطہ ہے جس کا قیامت تک ممکنات میں سے ہونا مقدر ہے۔''** لاہ جی نے کہا ہے کہ **'' ذات احدیت نے جب تعینِ اول کا اقتضا کیا جو کہ وجوب وامکان کے درمیان برزخ جامع ہے ''** ، اور واسطہ اور برزخ کیلئے لازمی ہے کہ اس کے دو اطراف موجود ہوں اور مختصر یہ کہ ذاتِ باری تعالیٰ کا اس کے تعینات کے مراتب میں حصر حقیقت میں ذاتِ تعالیٰ وتقدس کی نفی ہے، پس اگر یہ کہا جائے کہ اس سلمہ ربہ (اللہ تعالیٰ اس کو سلامت رکھے) نے مرتبہ لاتعین کو ثابت کیا ہے (تو) میں (جواباً) کہتا ہوں کہ اس نے اس مرتبہ کو اعتبار محض قرار دیا ہے اور تعینات کے ماوراء اس کا مستقل وجود ثابت نہیں کیا ہے اور اسی لئے اول تعینات میں وجود کی عینیت کو ثابت کیا ہے اور اگر وجود کے ماوراء کوئی مرتبہ ثابت ہو جائے تو وجود کے ماوراء جس مرتبہ ذات کے ثبوت کا ہم نے دعویٰ کیا ہے، وہ ثابت ہو جائے گا۔ نیز اگر ان کے نزدیک تعینات کے ماوراء مرتبہ اطلاق ذاتی موجود نہ ہوتا تو اس بارے میں جھگڑنے کا کوئی جواز نہ ہوتا کہ مطلق جو کہ کسی چیز کی شرط کے ساتھ نہیں ہے، کس طرح موجود ہوگا، باوجود یہ کہ مطلق مقید کے ضمن میں ہی پایا جاتا ہے اور یہ حضرات اس سے خلاصی حاصل کرنے میں حیلہ وتدبیر نہ کرتے اور بعض محققین کو اس کشف ووجدان پر محمول نہ کرتے ۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ ''انہوں نے تعینِ اول کے ذات پر زائد نہ ہونے کا حکم لگایا ہے، اس لئے وہ ذاتِ تعالیٰ کے ساتھ متحد ہوگا اور وہی موجود ہوگا تو اختلاف رفع ہو جاتا ہے اور اسی لئے فصوص میں کہا ہے کہ ''حقیقت حق اس کی ذات کے سمجھنے میں اس کے تعین کی حیثیت سے اس کی ذات کے ساتھ اس کے علم کی صورت سے عبارت ہے، اس طرح پر کہ علم اور عالم اور معلوم پایا جائے ۔'' ہم کہتے ہیں کہ بے شک تعینِ اول ذاتِ مطلق کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار اور اس کے تعینات میں سے ایک تعین ہے جو کہ حضورِ ذاتی کے ساتھ مقید ہے پس وہ وجود بحت محض نہیں ہوگا اور رہا ان کا ذات پر زائد نہ ہونے کا حکم لگانا تو زیادہ ہونے کی نفی سے مراد خارج میں اس کے وجود کی نفی ہے ۔ پس بلاشبہ خارج میں جو موجود ہے، وہ وہی ذاتِ مقدس ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں ۔ اور یہ تعین بے شک علم ہی میں ہے، یا یہ مراد ہے کہ علم کے احاطے میں ذاتِ اعلیٰ کے سوا صفات واضافات متمیزہ میں سے کوئی چیز داخل نہیں ہوئی ۔ اور ان میں سے کسی چیز سے اتحاد لازم نہیں آتا اور ہم اس کو نہیں مانتے اور اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو ایک چیز کے ساتھ دوسری چیز کے ساتھ متحد ہو

جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو اسماء و احکام ایک چیز کے ساتھ جیسی کہ وہ ہے، مختص ہیں، ان کا اطلاق دوسری چیز پر بھی جائز ہو جیسا کہ عام و خاص اور ماہیت و عارض میں ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور رہی فصوص کی عبارت تو وہ تعین و تقید کی حیثیت سے حقیقت بیان کرنے کیلئے جیسا کہ اس پر وہ عبارات شاہد ہیں اور ہماری گفتگو مطلق کے بارے میں ہے اور کیوں نہ ہو۔ ورنہ ذات صورِ علمیہ متعینہ میں سے ہو جائے گی اور یہ باطل ہے، پس اختلاف باقی رہے گا۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ "ان حضرات نے لفظ مطلق کا تعین اول پر بھی اطلاق کیا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے"۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ وہ اطلاق ہے جس کی ضد تقید ہے، پس وہ مطلق مقید ہوا اور مرتبۂ لاتعین کا اطلاق صفتِ اطلاق سے بھی اطلاق ہے۔ جیسا کہ تجرد و تقید سے بھی اطلاق ہے، پس وہ قطعاً مطلق ہوگا۔ محقق دوانیؒ نے کہا ہے: "وہ وجودِ مطلق کو یعنی وجود کو اس حیثیت سے کہ وہ ہے تجرد و اطلاق کی شرط اور اس کے علاوہ صفاتِ حقیقیہ کے عوارض کی شرط کے بغیر حق جانتے ہیں اور اس کے لئے مراتب ثابت کرتے ہیں اور مرتبۂ اول غیب ھویت ہے۔۔۔ الخ"۔ پس ظاہر ہوا کہ اس کو وجود میں موجودِ اصلی ان کے نزدیک بے شک وہ مرتبہ ہے جس کو وہ غیب ھویت اور وجودِ بحت سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ تعینات سے ماوراء ہے اور تعینات اس میں اعتبارات ہیں۔ اس لئے کہ موجود وہی تعین ہے اور لاتعین محض اعتبار ہے۔ پس ان اکابر کی مراد ہرگز یہ نہیں ہے۔ یہ تو ان کی تحقیق ہے۔ اور ہمارے مذہب کی تحقیق یہ ہے کہ طالبِ یقین اور صاحبِ فطرتِ سلیمہ جب صحیح فکر اور سچے تعمل کے ساتھ اپنے وجدان کی طرف رجوع کرے گا اور اپنے آپ سے انصاف کرے گا تو پائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کو اپنے وجود میں اپنے غیر کی طرف محتاج نہیں ہونا چاہیے اور اس کو اپنی ذات میں وجود سے خالی ہونا چاہیے۔ اور اس کے ثبوت میں وجود کی طرف احتیاج نہیں ہے اور نیز وہ پائے گا کہ اس سبحانہٗ کی ماہیت و حقیقت وجود نہیں ہونی چاہیے۔ اس لئے کہ وجود کے اپنی ذات میں مصادر واحدت میں سے ہونے کے باوجود ہمارے لئے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اس واجب کی حقیقت ہے جو وجودِ اصلی کے ساتھ خارج میں موجود ہے اور (نہ اس کی ضرورت ہے کہ) غیر کی طرف اس کی عدم احتیاج کے واسطہ سے اس پر کوئی اصطلاح قائم کی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ شرع میں بھی یہ بات وارد نہیں ہوئی ہے۔ پس حق یہ ہے کہ اس سبحانہٗ تعالیٰ کیلئے وجود کے ماوراء ایک ماہیت و حقیقت ہے جو اپنی ذات کے ساتھ ثابت ہے۔ اور وہ اپنے لئے وجود کے عارض ہونے سے مستغنی ہے اور جو کچھ وجود پر مترتب ہوتا ہے، وہ بذاتِ خود اس ماہیت پر مترتب ہوتا ہے۔ پس وہ اپنی ذاتِ مقدسہ کے ساتھ موجود ہونہ کہ وجود کے ساتھ، خواہ وہ وجود عین کے طور پر ہو یا زائد ہو۔

اور ہمارا یہ قول کہ بذاتہٖ موجود ہے، یہ ہمارے قول ہست (ہے) کی محض تعبیر ہے نہ یہ کہ وجودِ امر زائد ہے جو اس تعالیٰ کے ساتھ ثابت و قائم ہے یا اس کا عین ہے، پس اس بارگاہِ عالیہ میں جو کہ تمام نسبتوں اور اعتبارات سے عاری ہے، وجود کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہے، جیسا کہ وہاں عدم کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پس اس سبحانہٗ تعالیٰ کے انتہائی مقدس ہونے کی وجہ سے کوئی نسبت اس کی طرف نہیں پہنچتی کیونکہ وہ ان (نسبتوں) میں ہر ایک کا خالق ہے، پس ہر دو نقیض اس مرتبۂ مقدسہ سے نیچے کے مرتبے میں ہیں، ان دونوں کا وہاں کوئی تصور نہیں کہ جس سے ارتفاعِ نقیضین کا تصور ہو، پس تمام اعتبارات سے عاری ذات کے مرتبہ میں کسی چیز کیلئے دوسری چیز کے ساتھ تناقض نہیں ہے کہ ارتفاعِ نقیضین کو محال سمجھا جائے کیونکہ ارتفاع و ثبوت ان اعتبارات اور نسبتوں میں سے ہیں جو اس بارگاہ سے منفی ہیں، کیا تو اس کو نہیں دیکھتا جو کہ بعض محققین نے افادہ کیا ہے کہ، "جسم اپنے وجود کے اس مرتبہ میں جو بیاض پر سابق ہے نہ ابیض اور نہ ہی لا ابیض ہے اور یہ ارتفاعِ نقیضین محال نہیں ہے اس لئے کہ محال ان دونوں کا مطلقاً نفس الامر کے اعتبار سے ارتفاع ہے نہ کہ مراتب میں سے کسی مرتبہ کے اعتبار سے، کیونکہ جن امور کے درمیان تقدم اور تاخیر و معیت کا تعلق نہیں ہے، ان میں سے بعض کیلئے دوسرے کے مرتبے میں نہ کوئی وجود ہے اور نہ کوئی عدم، انتہی۔۔۔"۔ پس جب ممکنات میں ان جیسے امور کی گنجائش ہے تو پھر ممکنات کے خالق تعالیٰ و تقدس کی شان میں تیرا کیا گماں ہے۔۔۔ "وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى" (اور اللہ کیلئے اعلیٰ مثال ہے۔ النحل ۔ ۶۰)۔

پس اس بنا پر ذاتِ مقدس کے غیر کی طرف محتاج ہونے کی نفی کرنے کیلئے اس پر کسی ایسے لفظ کے اطلاق کی ضرورت نہیں جس کا لغوی مفہوم معقولاتِ ثانیہ اوران معانی میں سے ہو جو غیر کے ساتھ قائم ہیں ۔۔۔ اور اگر ایسا ہوتا تو صاحبِ شرع ذاتِ منزہ کو وجود کے ساتھ تعبیر کرنے اور اسکی خبر دینے کے زیادہ حقدار تھے ۔ جیسا کہ اس (تعالیٰ شانہٗ) کے تمام اسماء وصفات وکمالات کی تعبیر کی خبر دی ہے ۔ اور جب یہ نہیں ہے تو وہ بھی نہیں ہے ۔ پس اللہ عزوجل اپنی ذاتِ اعلیٰ کے ساتھ اپنے لئے وجود کے عارض ہونے سے بے نیاز ہے ۔ پس جو چیز وجود پر متفرع ہوتی ہے اور یہی حال تمام صفات کے بارے میں ہے، پس جو کچھ ان صفات پر متفرع ہوتی ہے، وہ اس سجانہٗ پر متفرع ہوتی ہے اور یہی حال تمام صفات کے بارے میں ہے ۔ پس جو کچھ ان صفات پر متفرع ہوتا ہے، اس کی ذاتِ اعلیٰ اس میں کافی ہے اور اس کے باوجود اس سجانہٗ کی عادت جاریہ یہ ہے کہ جو چیز عالمِ حقیقت میں ثابت ہے، اس کے لئے عالمِ مجاز میں کوئی نمونہ بنائے تا کہ اس سے اس پر استدلال کیا جائے ۔ تو اس نے وجود کو اپنے وجود اور اپنی ذات کا نمونہ بنایا نہ کہ وجود کے ساتھ کیونکہ وجود اگر پایا جائے تو وہ وجود کے بغیر اپنی ذات کے ساتھ موجود ہوگا ۔

"المجاز قنطرة الحقيقة"

(مجاز حقیقت کا پُل ہے)

پس ذاتِ غنی واعلیٰ پر وجود کے زائد ہونے اور وجود کے اس کا عین نہ ہونے کے بارے ہم جمہور متکلمین سے موافقت کرتے ہیں لیکن ہم ذات مقدس کے وجود کی طرف محتاج ہونے اور اس کے بذ اتہٖ کامل ہونے کے باوجود غیر کے ساتھ اس کے کمال حاصل کرنے کے قائل نہیں، اور ہم امید کرتے ہیں کہ زیادتِ وجود سے سلف کی مراد یہی معنیٰ ہیں اگر چہ اُن سے اس بارے میں کوئی روایت ہو لیکن ظاہر یہ ہے کہ سلف سے اس بارے میں کوئی نقل نہیں ہے ۔ بلاشبہ ہمارے اصحابؒ میں سے متاخرین کا قول ہے کہ بخلاف زیادتِ صفات کے کہ بیشک نصوص کیلئے مددگار ہیں، پس حاصل یہ ہے کہ بیشک حق عزوجل اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے اور اُس کی ساتوں بلکہ آٹھوں صفات ذاتِ حق تعالیٰ کے ساتھ وجود کے بغیر موجود ہیں ۔ پس وجود جس طرح مرتبہٗ ذاتِ مقدس سے نیچے کے مرتبہ میں ہے، اسی طرح اس کی صفاتِ حقیقیہ سے بھی نیچے کے مرتبے میں ہے ۔ پس جب حضرت ذاتِ مقدس اور صفاتِ عالیہ میں وجود درمیان میں نہیں آتا تو وجوب اور امکان بھی درمیان میں نہیں آئیں گے ۔ اس لئے کہ امکان اور وجوب ماہیت اور وجود کے درمیان نسبت ہیں، پس جب وجود نہیں ہے تو نہ وجوب ہے نہ امکان، لہٰذا اس تحقیق سے وہ سخت اشکال دور ہو گیا جو صفاتِ حقیقیہ پر وارد کیا جاتا ہے کہ یا تو اپنی ذوات کے اعتبار سے ممکنہ ہیں یا واجبہ ہیں ۔ پس پہلی صورت کی بنا پر ان کا حادث ہونا لازم آتا ہے ۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک ہر ممکن حادث ہے اور نیز ان کا ذات سے جدا ہونا لازم آتا ہے ۔ پس اس سے حق تعالیٰ کے جہل وعجز کا جواز لازم آتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے اور دوسری صورت کے بنا پر واجب الذات کا متعدد ہونا لازم آتا ہے جو کہ توحید کے منافی ہے ۔

ہمارے شیخ وامام ربانی مجدد الف ثانی (قدس سرہٗ) نے فرمایا : ''پس اس سجانہٗ تعالیٰ کی ذات وصفات اُن تینوں منحصرہ صورتوں سے بالاتر ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جب اس ذات تعالیٰ کا تصور کیا جائے اور اس سجانہٗ کی صفات کا وجوہ اور اعتبارات کے لحاظ سے تعقل کیا جائے ، کیونکہ کنہ (حقیقت) کی طرف کوئی سبیل نہیں ہے ۔ تو تصوری ظلی وجود میں ذاتِ سجانہٗ کیلئے وجوب عارض ہوگا ۔ کیونکہ وہی (وجوب) اس تعالیٰ کے غنا کے لائق اور مناسب ہے ۔ اور وجودِ ذہنی کے ساتھ اس سجانہٗ کی صفات کیلئے امکان عارض ہوگا ۔ کیونکہ ذات کی طرف اس کے محتاج ہونے کی وجہ سے وہ (امکان) ہی اس کے مناسب ہے ۔ پس اس تعالیٰ شانہٗ کی ذات اور اس سجانہٗ کی صفات اپنی ذوات کی حد میں وجوب و امکان کے مرتبہ سے اوپر ہیں بلکہ مرتبہٗ وجود سے بھی اوپر ہیں ۔ اور وجودِ تصوری ظلی کے اعتبار سے وجوبِ ذاتِ تعالیٰ کے مناسب ہے ۔ اور امکان صفات تعالت وتقدست کے مناسب ہے ۔ پس صفات تعالت وجود خارجی کی حیثیت سے نہ واجبہ ہیں نہ ممکنہ بلکہ یہ وجوب وامکان سے اوپر ہیں اور وجودِ ذہنی کے اعتبار سے ممکنہ ہیں اور اس امکان

سے حادث ہونا لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ یہ اُن (صفات) کی ذوات کیلئے نہیں ہے جیسا کہ ممکنات کیلئے ہے بلکہ ان کے ظلی وجودات کیلئے ہے۔ اور یہ معرفت اربابِ معقول کے اس قول کے مناسب ہے کہ کلیت و جزیت و جودِ ذہنی کی خصوصیت کے اعتبار سے ماہیت کیلئے عارض ہوتی ہیں۔ پس وجودِ خارجی کی حالت میں ماہیت ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ متصف نہیں ہوتی مثلاً زید جو خارج میں موجود ہے، تعقل سے پہلے وہ جزئی نہیں ہے، جیسا کہ بلا شبہ وہ کلی بھی نہیں ہے۔ بلکہ اس کیلئے وجودِ ذہنی ظلی کے بعد جزئیت عارضی ہوتی ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ صفاتِ ثمانیہ موجودہ کے علاوہ تمام انتسابات و اضافات اور احکام و اعتبارات جن کا اس تعالیٰ شانہٗ پر حمل کیا جاتا ہے مثلاً الوہیت و ربوبیت، اولیت و ازلیت اس سبحانہٗ تعالیٰ پر ان کا اطلاق تصور و تعقل کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ ذات جس حیثیت سے کہ وہ ہے، کسی صفت کے ساتھ متصف اور کسی اسم کے ساتھ موسوم اور کسی حکم کے ساتھ محکوم نہیں ہے۔ پس بے شک صاحبِ شرع تعالیٰ شانہٗ نے اپنی ذات پر اسماء و احکام کا اطلاق تناسب و تشابہ کے اعتبار سے کیا ہے تا کہ مخلوق کی عقلوں کے قریب ہو جائے اور ان کے ساتھ کلام کرنا ان کی عقلوں کے قریب ہو جائے اور ان کے ساتھ کلام کرنا ان کی عقلوں کے اندازے کے مطابق ہو، جیسا کہ زید کیلئے جو کہ وجودِ ذہنی کا لحاظ کیے بغیر خارج میں موجود ہے۔ تشبیہ و تنظیر کے طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ جزئی ہے اور ان کا جزئی ہونے کا حکم لگانا ان کے یہ حکم لگانے سے کہ وہ کلی ہے، انسب و اشبہ ہے، پس اسی طرح ذاتِ غنی و عُلیٰ پر وجوب وجود کا حکم لگانا امکان و امتناع کا حکم لگانے سے اولیٰ و انسب ہے۔ ورنہ اس ذاتِ مقدس تعالیٰ کی بارگاہ میں نہ وجوب پہنچتا ہے نہ وجود۔ جیسا کہ اس تعالیٰ کی جنابِ تنزیہہ میں نہ امکان مناسب ہے نہ امتناع۔ پس اس بزرگ و مقدس معرفت کو سمجھ لیجیے کیونکہ یہ دین کی بنیاد اور ذات و صفات تعالت و تقدست کے علم کا خلاصہ ہے۔ اور عظماء و اکابر میں سے کسی نے ایسی بات نہیں کہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بندہ کو اس معرفت کے ساتھ نشاندہی فرمائی ہے اور اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے، سلام ہو۔'' انتہیٰ

اور ان چیزوں میں سے جن کا ہمارے شیخ و امام (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) نے افادہ کیا ہے، ایک یہ ہے کہ صفاتِ حقیقیہ مرتبہٗ ذات میں موجود ہیں۔ اور ان (صفات) کے اثبات سے اس بارگاہِ عالیہ میں ہرگز کوئی تعین و تنزل حاصل نہیں ہوا اور صفات کے حضرتِ ذات میں مندرجہ کمالات کیلئے تفاصیل ہونے کے باوجود اُن سے ہرگز کوئی دوسرا مرتبہ حاصل نہیں ہوا۔ پس ان کا حکم تمام اجمالات و تفصیلات کے احکام سے ممتاز ہے کیونکہ ان میں ہر ایک کا مرتبہ دوسرے کے مرتبے سے ممتاز ہے۔ پس تفصیل کا مرتبہ اجمال کے مرتبے سے نیچے ہے اور یہ معنی اس مقدس بارگاہ میں مفقود ہیں اور تفصیل مرتبہٗ اجمال میں ثابت ہے۔ اور اس مرتبہ کا ثبوت علم اور خارج سے ماوراء ہے اور وجودِ ذہنی اور خارجی کی تقسیم بلا شبہ مرتبہٗ امکان میں سے ہے۔ پس اس بارگاہ میں نہ خارج کیلئے گنجائش ہے اور نہ علم کیلئے۔ اس لئے کہ جب وہاں وجود کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہے تو وجودِ خارجی و علمی تو اس کی فرع ہے۔ اور یہ بلکہ وہ تمام جو عنقریب آئے گا، معرفتِ کشفی ہے، اور یہ جو ہم نے وجود وغیرہ کی تحقیق اور صفات کے اثبات کے بارے میں ذکر کیا ہے، حالانکہ جو کچھ صفاتِ عالیہ پر مترتب ہوتا ہے، اس کے بارے میں ذاتِ مقدس کافی ہے۔ تو یہ ذوقی و کشفی امور ہیں اور ان کے اثبات میں جو کچھ لایا جاتا ہے، یہ بدیہات پر تنبیہات کی قسم سے ہے جن میں بحث کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور علمِ واجبی جو کہ اس مرتبہٗ مقدسہ میں ان صفات کے ساتھ متعلق ہے، علمِ حضوری کے مشابہ ہے، جیسا کہ اس سبحانہٗ کا علم اپنی ذاتِ اعلیٰ پر اور اپنے ان کمالات کے ساتھ ہے جو کہ ذات میں مندرج ہیں اور یہ صفات مع ان کی زیادتیوں کے گویا وہ نفس عالم ہیں اور اُن کا حضور نفسِ عالم کا حضور ہے۔

پس یہیں سے صوفیاء کرام کا ایک بہت بڑا گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ (صفات) ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ عینیت رکھتی ہیں اور وہ ان کی غیریت کی نفی کرتے ہیں اور انبیاء کرام علیٰ السلهم اجمعهم عموماً و علىٰ افضلهم خصوصاً الصلوات والبركات والتحيات (ان سب پر بالعموم اور ان میں سب سے افضل پر خاص رحمتیں و برکات اور سلامتیاں ہوں) کے علوم کے مزاق کے عین موافق اور اہلِ سنت و جماعت شكر الله تعالىٰ سعيهم (اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے) کی آراء کے مطابق یہ ہے کہ اُن (صفات) کی غیریت کی نفی کا قائل ہوتے ہوئے اُن (صفات) کی

عینیت کی نفی بھی کی جائے اور یہ کہا جائے : " لا ھـــو ولا غیـــرہ " **(نہ وہ (ذات) ہی ہیں اور نہ اس کا غیر ہیں)** اور اسی لئے ہم نے کہا ہے کہ ان (صفات) کا علم اس (ذات) کا عین نہ ہونے کی وجہ سے علمِ حضوری کے مشابہ ہے اور جب کہ اس سے صورۃً الگ نہیں ہے اور ان کی ذات کا حضور موجود ہے تو یہ علمِ حضوری کی قسم سے ہوگا اور اس سے نقیضین کے ارتفاع کا وہم نہ کیا جائے، اس لئے کہ تناقص (ٹکراؤ) کے حصول میں زمان و مکان کا اتحاد شرط ہے۔ اور اس بارگاہِ مقدس میں زمان و مکان بالکل نہیں، پس تناقص متصور نہیں ہے اور لفظ غیر میں جو تصرف کیا جاتا ہے اور غیر سے اصطلاحی غیر مراد لیا جاتا ہے تو کشفی نظر اس تخصیص کی نفی کرتی ہے اور غیریت کی بھی نفی کرتی ہے خواہ کسی معنی میں ہو۔ کیونکہ بلا شبہ اربابِ کشف، ذوق و فراستِ صحیحہ سے جو کہ مشکوٰۃِ نبوت سے اخذ کی گئی ہے، یہ بات پاتے ہیں کہ صفات جس طرح اپنے زائد ہونے کی وجہ سے عین ذات نہیں ہیں، اسی طرح غیر ذات بھی نہیں ہیں اگر چہ وہ (ذات پر) زائد ہیں اور ان دونوں (ذات و صفات) میں دوئی کی نسبت ہے۔ پس اس بارگاہ میں اربابِ معقول کا یہ قاعدہ ٹوٹ جاتا ہے کہ دو چیزیں آپس میں متغائر ہوتی ہیں۔

جب تُو نے سمجھ لیا تو جان لے کہ بلا شبہ اس مرتبہٴ مقدسہ کیلئے جو کہ صفاتِ حقیقیہ تعالت و تقدست کے ساتھ ذات کا مرتبہ ہے، مرتبہٴ ثانیہ میں کسی تغیر و تبدل کے بغیر ایک ظہور ہے اور یہ مرتبہٴ وجود ہے جو کہ خیرِ محض اور کمالِ صرف ہے اور وجود کے سوا کسی چیز میں بھی ظلیت کے طور پر تمام کمالات کا مظہر ہونے کی قابلیت نہیں ہے اور اسی لئے اگر علم اس مرتبہٴ مقدسہ کے ساتھ متعلق ہو جائے اور اس کے کمالات جدا ہو جائیں تو جو چیز اس (ذات) سے سب سے پہلے جدا ہوگی تو وہ حضرتِ وجود ہے اور دوسرے کمالات ان کے تابع ہیں۔ اور اسی لئے صوفیائے کرام وغیرہ کی ایک جماعت ذاتِ مقدس کیلئے وجود کے عین ہونے کی طرف گئی ہے اور اس کے تعین ہونے کے باوجود انہوں نے اس کو لاتعین تصور کیا ہے اور اس تعینِ وجودی کا ثبوت علم اور خارج کے ماوراء ہے اور اس لئے کہ خارجی اور علمی وجود مطلق وجود کی اقسام میں سے ہیں اور مقسم کا مرتبہ اقسام کے مرتبے سے اوپر ہوتا ہے۔ پس حضرتِ وجود اس حیثیت سے کہ وہ ان دونوں وجودوں پر سبقت رکھتا ہے اور وہاں نہ خارجہ وجود متصور ہے نہ ذہنی وجود، جیسا کہ پہلے ذکر گزر چکا ہے۔ اور حضرتِ وجود ظلیت کے طریق پر تمام کمالاتِ ذاتیہ وصفاتیہ کا اجمالی اور تفصیلی طور پر جامع ہے۔ پس اجمال تعینِ اول ہے اور تفصیل گویا کہ تعینِ ثانی ہے۔ پس وجود کے مرتبہٴ اجمال میں ایک کمال دوسرے کمال سے اور ایک صفت دوسری صفت سے متمیز نہیں ہوگی اور وجود کے مرتبہٴ تفصیل میں کمالات ممتاز ہو جاتے اور صفات ظاہر ہو جاتی ہیں۔ پس وجود کی تفصیل میں پہلی چیز جو ثابت ہوئی ہے، حیات (زندگی) ہے، جو کہ تمام صفات کی ماں ہے اور یہ صفت گویا کہ اس صفتِ حیات کا ظل ہے جس کیلئے حضرتِ ذاتِ منزہ کے مرتبہ میں ثبوت ہے اور اس کے حق میں " لا ھـو ولا غیرہ " **(نہ وہ عین ذات ہے اور نہ اُس کا غیر ہے)** صادق آتا ہے۔ اور چونکہ اس ظل کا ثبوت اس مرتبہ میں ہے جو مرتبہٴ ذات تعالیٰ سے نیچے ہے، اس کے حق میں " لا ھـــو " **(وہ عین ذات نہیں ہے)** صادق آتا ہے اور لا غیرہ **(اور اس کا غیر نہیں ہے)** صادق نہیں آتا بلکہ ذاتِ حق عز و جل سے مغائر ہوگا۔ اور تمام صفاتِ تعالت کا یہی حال ہے اور صفتِ حیات کے بعد صفتِ علم ظاہر ہوئی ہے۔ پھر دوسری صفات یعنی ارادہ و قدرت وغیرہ اور علمِ تعینِ وجودی کا جز و اور اس کے حصوں میں سے ایک حصہ کے باوجود تمام صفات کا جامع ہے اور دوسری صفات اپنے استقلال (کی وجہ) سے گویا کہ صفت علم کے اجزاء ہیں۔ اس لئے کہ اس صفت کیلئے اس کے موصوف کے ساتھ ایک قسم کا اتحاد ہے۔ یہ اتحاد اس کے غیر کیلئے نہیں ہے۔ کیونکہ علم، عالم اور معلوم کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے اور قدرت، قادر و مقدور کے ساتھ متحد نہیں ہوتی اور اسی طرح ارادہ و سمع (سننا) وغیرہ موصوف کے ساتھ متحد نہیں ہوتے اور صفتِ علم کیلئے اس کی جامعیت کے ساتھ اجمال ہے جس میں صفات متمیز نہیں ہوتیں اور تفصیل ہے جس میں کمالات متمیز ہو ظاہر ہوتے ہیں، جیسا کہ وجود کیلئے اور اس کے اجمال کیلئے، دائرہ کے مرکز کا حکم ہے اور اس کی تفصیل کیلئے اس (دائرہ) کے محیط کا حکم ہے۔ پس یہاں سے وہ اعتراض بھی دور ہو جاتا ہے جو کہ وارد کیا جاتا ہے کہ تمام صفات سے حیات کا متمیز ہونا علم کی تفصیل میں ہے جس کو **"واحدیت"** کہتے ہیں اور البتہ مرتبہٴ اجمال میں تو وہاں ایک صفت کیلئے دوسری صفت سے تمیز نہیں ہے۔ پس اسی بنا پر جو کہ

ہمارے شیخ وامام (مجددالف ثانی قدس سرہٗ) کی عبارتوں میں واقع ہے، علمِ اجمالی پر حیات کے مقدم ہونے کا حکم کس طرح لگایا جا سکتا ہے اور اس اعتراض کرنے والے پر تعجب ہے کہ وہ اس طائفہ کی اصطلاح کو جو کہ مخالف کے نزدیک غیر مسلم ہے، اس کے خلاف حجت کے طور پر کس طرح وارد کرتا ہے اور اس قسم کی باتیں مخالف کے مذہب کی حقیقت اور اس کی اصطلاح پر اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے ہیں۔ پس وہ اپنی جہالت کو اعتراض شمار کرتا ہے، اور تُو نے جان لیا کہ وہ تمیز جو صفتِ حیات کیلئے وجود کی تفصیل میں اس کے حضرتِ اجمال میں مندرج ہونے کے بعد حاصل ہوتی ہے، وہ علمِ اجمالی و تفصیلی پر سبقت رکھتی ہے۔

پس حاصل یہ ہے کہ وہاں پر دو تفصیلیں ہیں۔ ایک تفصیل ان کمالات کی ہے جو وجود کے اجمال میں مندرج ہیں اور حیات وہاں علم پر اپنی دونوں قسموں کے ساتھ مقدم ہے۔

اور دوسری تفصیل حضرتِ علم میں ہے، جب کہ وہ اس کے اجمال میں مندرج ہو جائے اور حیات یہاں پر علم سے مؤخر ہے۔ پس علمِ محاط (احاطہ کیا ہوا علم) حیات کے ساتھ مسبوق ہے (یعنی حیات اس پر سبقت رکھتی ہے) اور محیط (احاطہ کرنے والا) اس پر سبقت رکھتا ہے۔ اور تجھے معلوم ہے کہ صفتِ حیات جو علم سے مسبوق ہے (یعنی علم جس پر مقدم ہے) وہ حقیقت میں صفتِ حیات نہیں ہے بلکہ اس صفت کی صورتِ علمیہ ہے۔ پس صفتِ حیات البتہ علم پر مقدم ہے اور اس کی صورت علمیہ علم کے بعد ہے اور ان تمام باتوں سے جو ہم نے ذکر کی ہیں، قطع نظر کرنے کے باوجود، پس شانِ حیات کا شانِ علم پر مقدم ہونا ان چیزوں میں سے ہے جو فطرتِ سلیمہ رکھنے والے کے نزدیک دلیل و تنبیہ کی طرف محتاج نہیں ہیں اور میرے شیخ وامام (مجددالف ثانی قدس سرہٗ) نے کسی دوسرے مقام پر ایک اور افادہ کیا ہے جو کہ حقیقۃ الحقائق اور حقیقتِ محمد یہ ﷺ تعین اور ظہور حبی ہے اور حب (تمام) ظہورات کا مبداء اور مخلوقات کی پیدائش کا منشاء ہے۔ حدیثِ قدسی میں وارد ہوا ہے:

" کنت کنزا مخفیا فاحبت ان اعرف فخلقت لا عرف "

(میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، پس میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں)

پس اگر یہ حب نہ ہوتی تو وہ ہرگز کسی کو پیدا نہ کرتا، پس یہاں سے " لولاك لما خلقت الافلاك " **(اگر تُو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا)** کا بھید ظاہر ہو گیا۔ اور ایک روایت میں ہے " لما اظهرت الربوبية " **(میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا)** اور یہ حب کا مرکز ہے اور اس کا محیط خُلّت ہے جو اس کے مرکز کیلئے ظل کی مانند ہے، پس مرکز حقیقتِ محمد یہ ﷺ ہے اور اس کا محیط وہ دائرہ ہے جو کہ اس مرکز کیلئے ظل کی مانند ہے اور خُلّت حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی حقیقت اور ان کے تعین کا مبداء ہے اور جائز ہے کہ خُلّت تعینِ ثانی ہو لیکن کشفی نظر میں یہ مرکز اور محیط ایک ہی تعین ہے اور تعینِ ثانی کشفی نظر میں تعینِ وجودی ہے جو اپنی اصل کے عنوان کے ساتھ جو کہ تعینِ حبی ہے، اس اصل کے ظہور سے پہلے ظاہر ہوا ہے۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ حب وجود کی فرع ہے کیونکہ وجود کے بغیر حب کا تصور نہیں کیا جا سکتا تو حب وجود کی اصل کس طرح ہوگی۔

ہم (جواباً) کہتے ہیں، پہلے گزر چکا ہے کہ حق سلطانہٗ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے اور اس کی صفاتِ ثمانیہ تعالت (آٹھ صفات) ذاتِ حق کے ساتھ موجود ہیں اور وہاں وجود اور وجوب کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ وجود و وجوب اعتبارات میں سے ہیں جو کہ اس بارگاہ سے نیچے کے درجے میں ہے۔ پس پہلا اعتبار جو ایجادِ عالم کیلئے ظاہر ہوا، وہ حب ہے۔ اس کے بعد وجود ہے جو کہ ایجاد کا مقدمہ ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں اعتبارات کے بغیر اس مرتبۂ مقدسہ کو ایجادِ عالم سے غنائے ذاتی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ

بے شک اللہ تعالیٰ البتہ عالمین سے غنی ہے۔ (عنکبوت۔٦)

اور اگر تُو اس مقام کی تفصیل اور اس مقصد کی پورے طور پر تحقیق کرنا اور مقامِ خلّت وحب و وجود کی حقیقت جاننا چاہتا ہے تو تجھ پر امام غوث الانام ربے شیخ وقبلہ (مجدد الف ثانی قدس سرہ، جزاہ اللہ سبحانہ عنا خیر الجزاء) کے کلام کا مطالعہ کرنا لازم ہے۔ اور جان لے کہ تعینِ علمی اجمالی، جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، وہی ہے جس کو شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور ان کے متبعین قدس اسرارھم نے وحدت وتعینِ اول وحقیقتِ محمد یہ ﷺ کے نام سے موسوم کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تعینات میں سب سے زیادہ وسیع ہے اور وہی مشہودِ کُل ہے اور وہی تجلیِ ذاتی ہے اور اس کیلئے توحید کا اعلیٰ مقام اور اس کا مبداء ہے اور وہ اعتبارات کا مآخذ اور اُن انتسابات و اضافات کا منبع ہے جو وجود میں ظاہر اور عقلوں اور ذہنوں کے میدان میں باطن (پوشیدہ) ہے اور اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ وجودِ مطلق واحد واجب ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ پر اسمِ ذات کا اطلاق اس تعین کے اعتبار ہی سے صادق آتا ہے۔ اس کے علاوہ نہیں۔ اور اس کے ماوراء مرتبۂ تعین اور وجودِ مطلق ہے۔ پس میں کہتا ہوں کہ کاش تجھے معلوم ہوتا کہ انہوں نے نسبتوں اور اضافتوں سے پاک ذات کیلئے اس کی صفات میں سے کسی صفت کے تعین ہونے کا کس طرح حکم کیا ہے۔ بلکہ اظہر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ تعین صفتِ علم کا تعین ہے اور اس کا ظہور مرتبۂ ثانیہ میں ہے۔ اور صفت حقیقت میں موصوف کا غیر ہے اور مناسب نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس صفت کے ساتھ ذات کا تعین ہے۔ کیونکہ ذات صفت کے ساتھ متعین نہیں ہوتی اور اربابِ معقول نے کسی چیز کے بالوجہ علم کے بارے میں کہا ہے کہ معلوم وہی درجہ ہے۔ پس چیز کی ذات کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے جہل متحقق ہوگا اور ثابت شدہ امر کے ساتھ متحقق ہو چکا ہے کہ یہ تعین اس وجود کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے جو کہ وجود کی تفصیل میں متمیز و متعین ہو گیا ہے لیکن وہ سب سے زیادہ جامع حصہ ہے اور وہ صفتِ حیات کے بعد ہے اور حیات وجود کے اجمالی و تفصیلی دونوں مرتبوں کے بعد ہے اور وجود خُلّت کے بعد ہے اور خُلّت حب کے بعد ہے اور حب تعینِ اول ہے اور سب سے پہلا اعتبار ہے۔ پس تعینِ علمی اجمالی تعینِ اول سے چھ مراتب نیچے ہے۔ اور اس مرتبہ سے جو اس سے اوپر ہے، سات مراتب نیچے ہے اور اُن چیزوں میں سے جن کا جاننا ضروری ہے، یہ ہے کہ ہمارے نزدیک تعین کے معنی یہ نہیں ہیں کہ حق عزوجل نیچے اُتر آیا۔ پس وہ حب یا وجود ہو گیا۔ بلکہ تعین کے معنی صدور (ظہور) کے ہیں کیونکہ وہ تنزیہہ کے زیادہ لائق ہے اور انبیاء کرام کی زبان کے زیادہ مناسب ہے۔

علی اجمعھم عموما و علی خاتمھم خصوصا الصلوٰت والتسلیمات والتحیات والبرکات

(ان سب پر بالعموم اور ان کے خاتم پر بالخصوص رحمتیں اور سلام و برکات نازل ہوں)

مکتوب 156

(اپنے پیرزادہ خواجہ محمد عبید اللہ کی خدمت میں اس بارے کہ فناو توحید و تجلیِ ذات کے ماوراء دوسرے معاملات بہت ہیں اور نماز کے بعض کمالات کے بیان اور حضرت خواجۂ بزرگ (خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ) کے اس کلام کی شرح میں کہ انہوں نے فرمایا ہے، فنائیت کے بعد ہوا جن وساوس (شیطانی ونفسانی خطرات) کا ظہور، مضر نہیں ہے تحریر فرمایا۔)

بسم اللہ والسلام علیٰ رسول اللہ ﷺ

مخدوم زادہ کے خدام کیلئے اخلاص کے ساتھ دعا کرنے والوں میں سے کم ترین کی عرض دعا و نیاز قبول فرمائیں۔ آپ کے عنایت نامۂ گرامی نے مشرف فرمایا۔ امید ہے کہ اسی طریق پر دور افتادہ دوستوں کو تازہ الطاف و معارف سے نوازتے رہیں گے۔ یہ گناہ گار تباہ کار نہایت شرمندگی و خجالت کی وجہ

سے جو کہ باری تعالیٰ کی مقدس بارگاہ سے رکھتا ہے، اپنے آپ کو اس کے لائق نہیں جانتا کہ تحقیق یا تقلید کے ساتھ اُس بارگاہِ مقدس کے اردگرد کی کوئی بات زبان یا قلم پر لائے اور اسی وجہ سے بعض اوقات عنایت ناموں کے جواب ارسال کرنے میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس وقت (آپ کے) امر شریف کے مطابق جرأت کرتا ہے اور جو کچھ اس احقر کی ناقص سمجھ میں آتا ہے، لکھتا ہے اور کوتاہیوں کی معافی کی امید رکھتا ہے۔

میرے مکرم!

کامل درجہ کی فنا تجلیٔ ذات کے بغیر میسر نہیں۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ تجلیٔ ذات کے ظہور سے ماوراء دوسرے معاملات بہت ہوں کہ (اس) سعادتِ عظمیٰ کا حاصل ہونا ان کے ساتھ وابستہ ہو، اور (ہوسکتا ہے) انبیائے کرام علیہم الصلوات والبرکات کے درمیان آپس میں (ایک دوسرے پر) فضیلت دینے والی چیز بھی یہی معاملات ہوں۔ بے شک انبیاء کا طریقہ نیستی (فنائیت) وگزشتگی (گزر جانا) وآزادی ہے۔ لیکن حقیقت انبیاء بظاہر اس کے ماوراء ہوگی۔ طریقت سے حقیقت تک بہت فرق ہے۔ "فنا فی نفسہٖ" مطالب مقصود میں سے نہیں۔ مقصودِ اصلی دوسرے امور ہیں کہ فنا ان کیلئے شرط ہے۔

وفی ذالك فلیتنا فس المتنافسون

﴿ اور رغبت کرنے والوں کو چاہیے کہ ضرور اس میں رغبت کریں۔ المطففین۔ ۲۶ ﴾

اگر چہ جو صاحب نفی نقطۂ نفی کے انتہائی درجہ پر نہیں پہنچا ہے وہ مجملاً اثبات سے کچھ حصہ رکھتا ہے، اگر چہ تھوڑا سا ہی ہو، لیکن ایک حصہ سے دوسرے حصے تک بہت فرق ہے۔ وہ لوگ جن کی اصلی فطرت نفی کے مقام سے ہے، اگر چہ وہ اثبات کے مقام سے کسی قدر حصہ رکھتے ہوں لیکن یہ حصہ طفیلی ہے، ذاتی نہیں، جو کچھ ان کا ذاتی حصہ ہے، وہ ہی ومنتفی ہوتا ہے اور جو لوگ کہ فطری استعداد کے مطابق اثبات کے مقام سے کچھ حصہ رکھتے ہیں، نفی ان کا طفیلی حصہ ہے، اثبات کے ضمن میں جو کہ اس جماعت کا ذاتی حصہ ہے، نفی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ ان دونوں حصوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ ان معاملات میں سے جو کہ مقامِ اثبات سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں کچھ تقلید کی راہ سے اور کچھ تحقیق کی راہ سے اس بے حاصل کی سمجھ میں آئے ہیں، اگر کچھ بیان کریں تو قریب ہے کہ نزدیک کے لوگ دوری تلاش کریں اور ڈرتا ہے کہ اس کے حق میں ''قطع البلعوم'' (گلا کاٹ دیا جائے) صادق آئے ؎

سراپا آتشی امشب قدح گو دیگرے پُر کن — کہ خواہد سوخت مجلس تا تو مے در جام

خواہی کرد

﴿ تو آج کی رات سرتاپا آگ ہے۔ اس لئے کسی دوسرے کو کہہ دے کہ پیالہ پُر کرے کیونکہ اگر تُو پیالہ میں شراب ڈالے گا تو مجلس جل جائے گی ﴾

اس مقام میں اس قاصر کے (میرے) گمان میں توحیدِ ذاتی اور کثرت میں وحدت کے شہود کا کوئی نام ونشان ظاہر نہیں ہے اور اسی طرح مخلوق کے ارشاد (ہدایت) کیلئے اس مقام سے کامل نزول کے بعد کثرت میں وحدت کا شہود نہیں سمجھتا اور ضروری نہیں جانتا اور مبتدی اور غیر مرجوع یعنی نزول کی طرف رجوع نہ کرنے والے اور مرجوع یعنی نزول کی طرف رجوع کرنے والے متوسط کو اس معرفت میں کوئی فرق نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اگر کثرت کے آئینوں میں مشہود مطلوبِ حقیقی ہے اور نفی کے لائق نہیں ہے تو پھر مبتدی اور متوسط کو یہ معرفت نقصان دہ کیوں ہو اور اس کی نفی میں کوشش کیوں کی جائے اور اگر مطلوبِ حقیقی نہیں ہے اور قابلِ نفی ہے جیسا کہ حضرت خواجہ بزرگ خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ: " **جو کچھ دیکھا، سنا اور جانا گیا ہے وہ سب غیر ہے، کلمہ "لا" کی حقیقت کے ساتھ اس کی نفی کرنی چاہیے** "۔ تو منتہی مرجوع (نزول کی طرف لوٹے ہوئے) کو کیوں اس سے چارہ نہیں ہوتا؟ اور کس قصور میں اس کو غیر مطلوب کے مشاہدہ سے آرام دیتے اور اس غیر واقع معرفت کو اس پر ظاہر کرتے ہیں؟ اور اطلاق کی فضا میں آزادی حاصل کرنے کے بعد اس کو تنگ کوچہ (توحیدِ وجودی) کے قید خانہ میں کیوں قید رکھتے ہیں؟ جیسا کہ ہمارے خواجہ حضرت معید الدینؒ (باقی باللہ) نے فرمایا ہے: ''توحید (وجودی) تنگ کوچہ ہے، شاہراہ اور ہی ہے۔''

اس عبارتِ شریفہ سے دو چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ توحید (وجودی) مطالب میں سے نہیں ہے بلکہ مطلوب کا راستہ ہے کیونکہ مطلوب کوچہ و شاہراہ کے ماوراء ہے۔ دوسری چیز یہ کہ یہ ایک بہت تنگ راستہ ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مطلوب سے باز رکھتا ہے اور یہ عبارت اس پر دلالت نہیں کرتی کہ کامل ترین فنا اور پوری طرح نزول کے بعد یہ معرفت ضرور ظاہر ہونی چاہیے۔ اگر لوگ کہیں کہ کثرت کے آئینوں میں اگرچہ مطلوب کلی طور پر مشہود نہیں ہے لیکن اس کے ظہورات ہیں جو کہ جزیت کہ عنوان کے ساتھ مشہور ہوتے ہیں، پس مبتدی و متوسط چونکہ مطلوب تک نہیں پہنچے ہیں، شاید اس معرفت کے ظہور کے وقت جزئی شہود کے ساتھ کلی شہود سے باز رہ جائیں اور منتہی چونکہ مطلوب کو پہنچ چکا ہے (اس لئے) اس کے رجوع کے بعد مدت دعوت کی تکمیل کے زمانہ تک اگر اس کو ان جزئی مشاہدات کے ساتھ مانوس رکھے تو اس کی گنجائش ہے (وہ) غیر مطلوب کو مطلوب نہیں جانے گا اور اس کے ساتھ کامل طور پر آرام نہیں بولے گا اور تنگ کوچہ (توحیدِ وجودی) کا مقید نہیں ہوگا کیونکہ فضائے اطلاق میں آزادی حاصل کر چکا ہے اور مطلوب کو جیسا کہ وہ ہے، پا چکا ہے اور جانتا ہے کہ یہ شہود اس کی تسلی کیلئے ایک مقررہ مدت تک عطا کیا گیا۔

(اس کے جواب میں) ہم کہیں گے کہ جو منتہی انتہا کے کامل درجے تک نہیں پہنچا ہے، ممکن ہے کہ وہ اس رجوع کے بعد ان جزئی مشاہدات کے ساتھ خوش ہو جائے لیکن جو عارف انبیاءؑ و اکابر اولیاء اللہؒ کے کمال تک پہنچ چکا ہے اور اصل سے کچھ شربت حاصل کر چکا ہے، اگر وہ عالم کی طرف نزول (رجوع) کرے تو وہ اس قسم کے مشاہدات پر کیوں فریفتہ ہوگا اور اس شہود کے ساتھ کب مانوس و گرویدہ ہوگا اور نیز جو منتہی، کہ کمال کے کامل درجے تک پہنچ چکا ہے اور اس نے یقین کامل کے ساتھ جان لیا ہے کہ جو کچھ موجودات کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے وہ " **کسراب م بقیعۃ یحسبه الظمٰن ماءً** " **(وہ ایک چٹیل میدان میں چمکتی ہوئی ریت کی مانند ہے جس کو پیاسا آدمی پانی گمان کرتا ہے۔ النور۔۳۹)** کی قسم سے ہے اور غیر مطلوب ہے اور مطلوب اسسے وراء الوراء ہے۔ پس وہ گیر مطلوب کے ساتھ کیسے مانوس ہوگا اور یہ معرفت کس لئے اس پر ظاہر ہوگی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

تو در عالم نمی گنجی ز خوبی　　　مرا ہرگز کجا گنجی در آغوش

(تو سارے عالم میں خوبی کی وجہ سے نہیں سماتا تو پھر میری آغوش میں بھلا کہاں سما سکتا ہے)

ایک درویش نے کسی وقت میں عالمِ امکان کی موجودات مثلاً زمین، بادل، آسمان، سورج، نباتات، اور حیوانات سے دریافت کیا کہ اربابِ وحدت الوجود تمہارے آئینوں میں جو کچھ شہود و مشاہدہ ثابت کرتے ہیں، کیا یہ درست ہے اور مطلوب تم میں جلوہ گر ہے؟ سب نے الگ الگ اس (اللہ) کی تقدیس و تنزیہہ (پاکی) بیان کی اور ظاہر کیا کہ ہم پر یہ تہمت مت لگاؤ۔ ہمیں اس کی کیا طاقت کہ اس کا مظہر و آئینہ ہونے کا دعویٰ کریں۔ وہ سبحانہٗ اس بلندیِ شان اور تنزیہہ کے باوجود ہم میں کس طرح ظہور فرما ہوگا۔

منہ تہمت سایہ بر آفتاب　　(تو آفتاب پر سایہ کی تہمت مت رکھ)

انہوں نے اپنے آپ کو محض خالی اور صرف سادہ ظاہر کیا۔ آسمان کی حقیقت نے دوسروں کی حقیقتوں سے پہلے اس دعویٰ سے بریت ظاہر کی اور عاجزی و زاری و ذلت کے کامل اظہار کے ساتھ پیش آیا اور چونکہ کچھ لوگ اس بے چارے سرگرداں (آسمان) کے ساتھ غیر واقع امور کو منسوب کرتے ہیں اور کوئی حوادث اور اس قسم کے امور کو اس کی طرف لوٹاتے ہیں۔ اس وجہ سے اس پر اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کی ہیبت کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ اس کو بیان نہیں کر سکتا تھا۔ خوف و خجالت سے پگھل کر پانی ہو جاتا تھا۔ اس اثناء میں سورج نے بھی اپنی عبادت (پوجا) کرنے والوں سے بریت ظاہر کی اور بیان کیا کہ اس جماعت نے مجھ کو شرمندہ و رسوا کر دیا ہے۔ میں اس نامرادی اور سرگردانی کے ساتھ اور یہ اس (میری بندگی کے) مقام میں (وہ آفتاب) لرزاں و نالاں تھا

-

(اب) ہم اصل بات کی طرف جاتے ہیں۔ کامل مرجوعین (واپس لوٹنے والوں) کا انس (لگاؤ) محبوب کی طاعات و عبادات اور اس کی

مخلوقات کے حقوق کی ادائیگی میں ہے، خاص طور پر نماز میں جو کہ مومن کی معراج ہے، اس حد تک خاص اُنس رکھتے ہیں کہ اس (نماز) کے باہر گویا معطل اور بیکار ہیں۔

حدیث ﷺ : " **ارحنی یا بلال** " **(اے بلال! مجھ کو (نماز کے ساتھ) راحت پہنچاؤ)** اور حدیث : "**قرة العینی فی الصلوٰة** " **(میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے)**، اسی کا اشارہ ہے۔ خاص طور پر وہ لوگ جو کہ محبوبیتِ ذاتی آپ کے ساتھ مشرف ہیں اور ولایتِ خاصۂ محمد ﷺ کے ساتھ واصل ہوگئے ہیں۔ ان کا اُنس طاعت میں ہے اور ان کی ہمت نماز کی تکمیل پر مصروف ہے۔ بلند ہمتی سے شہود و مشاہدہ کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتے۔ کیونکہ انہوں نے یقین کے ساتھ یہ جان لیا ہے کہ اس عالم کے مکشوفات و مشہودات مطلوب کے ظلال ہیں، عین مطلوب نہیں اور مطلوبِ مطلق (ذاتِ حق تعالیٰ) ان مقیدات و مشاہدات سے پاک و بری ہے۔ اس لئے ہزاروں شہود و مشاہدہ کو اُس تحریمۂ اولیٰ کے برابر نہیں جانتے، جس کو وہ امام کے ساتھ پاتے ہیں اور نماز کے خشوع کی طمانیت کو تجلیات سے بہتر تصور کرتے ہیں، البتہ محبّ چونکہ ہمیشہ محبوب کے شہود (مشاہدہ) کا طالب ہوتا ہے اور ہر وقت اس کے وصل و اتصال کا خواہشمند ہے (اسلئے) جائز ہے کہ وہ کمالِ شوق کی وجہ سے محبوب کے ظلال کے ساتھ بھی آرام حاصل کرلے اور اس کے ظہورات کے ساتھ محبتیں کرے۔ کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے ؎

بہ بوئے تو از جا جہم مست و بے خود   زہر سو کہ آوازِ پائے برآید

﴿ جس طرف سے بھی تیرے پاؤں کی آواز آتی ہے، میں تیری بُو کی وجہ سے مست و بے خود ہوکر اپنی جگہ سے (اس طرف) چل پڑتا ہوں ﴾

محبوب اصل کی کچھ نشانیاں رکھتا ہے اور ذات کی من حیث ھو (جیسی کہ وہ ہے) گرفتار ہے اور اس گرفتاری کے غلبہ کی وجہ سے دوسرے امور کی طرف متوجہ نہیں ہے۔ جو معاملہ کہ وہ رکھتا ہے، اس مقام میں شہود و تجلی کا نام لینا عار (شرم) ہے۔ پس **محمدی المشرب** کو جو کہ محبوبیت کے زیادہ قریب ہے، (اُسے) چاہیے کہ ان مشاہدات سے دور اور تمام شہودات سے ایک طرف (بےتعلق) ہوجائے خواہ وہ شہود آئینوں میں ہو یا آئینوں سے باہر ہو اور جو عبارت کہ حضرت خواجہ بزرگ (خواجہ نقشبند بخاریؒ) سے منقول ہے کہ فنا کے بعد ہوا جن وساوس کا ظہور مضر نہیں ہے، اس کے محامل (مواقع) اور ہیں جو کہ بہت بلند ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ (اسے) کسی ایسے محمل (موقع) پر اتاریں جو ان بزرگ کے مشرب کے مخالف ہو اور ان حضراتِ عالی کی عبارت کے ساتھ جو کہ پہلے لکھی جا چکی ہے، تضاد رکھتا ہو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ عبارت اس معنی میں ہو کہ فنا سے مقصود اُس (اللہ) کے ماسوا کی گرفتاری کا زائل ہونا ہے اور جب فنا و اطمینان نفس کے ساتھ یہ معنی حاصل ہوگئے، پھر اس کے بعد اگر اشیاء کا علم لوٹ آئے اور وساوس پیدا ہوجائیں تو وہ مضرت سے بچ جاتا ہے۔ کیونکہ اشیاء کا علم جو کہ فی نفسہٖ صفتِ کاملہ ہے، اشیاء کے ساتھ گرفتاری کی وجہ سے مذموم ہوتا ہے اور فنا کے ذریعے اس گرفتاری سے نجات میسر ہوگئی تو اشیاء علم ذم (برائی) کی صفت سے نکل گیا اور نیز ہوسکتا ہے کہ اس معنی میں ہو کہ عارف کامل کام کی تکمیل کے بعد جب عبدیت کے مقام تک پہنچ جاتا ہے تو اس کیلئے افرادِ عالم میں سے ہر فرد اُس (اللہ) تعالیٰ شانہٗ کی مقدس بارگاہ کی طرف شاہراہ ہوجاتا ہے۔ پس خطرات جو کہ پہلے غفلت اور دوری کا سبب تھے، اس وقت جمعیت وحضوری کا سبب بن جاتے ہیں اور خطرات سے خالقِ خطرات تعالیٰ تقدس کی طرف ایک راستہ کھل جاتا ہے ؎

درد دل ما غم معشوق شود   بادہ گر خام بود پختہ کند شیشہ ما

﴿ ہمارے دل میں دنیا کا غم (بھی) معشوق کا غم ہوجاتا ہے، شراب اگر کچی ہو تو ہماری صراحی اس کو پختہ کر دیتی ہے ﴾

اور نیز ممکن کا علم چونکہ عالم کی ذات میں معلوم کی صورت حاصل ہونے کے ساتھ ہے اور معلوم کے ساتھ عالم کے اثر قبول کرنے کا سبب ہے، اس لئے عالم کے تغیر و تلون (بدلتے رہنے) کا سبب ہے، جس سے نقص لازم آتا ہے۔ اور واجب تعالیٰ کا علم حصول کی کیفیت سے پاک و بری ہے۔ پس اگر عارف کامل کا علم "**تخلقوا باخلاق اللہ** " **(اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ موصوف ہوجاؤ)** کے مصداق اس قسم کا ہوجائے اور تاثر و تغیر سے رہائی

حاصل کر لے اور نقص سے کمال میں آجائے تو بعید نہ ہوگا کہ اس وقت میں خطرات وحدیث نفس ہو اور اس سے کچھ بھی تاثر و تغیر نہ ہو، یہ معرفت نہایت عجیب معارف اور نہایت پوشیدہ اسرار میں سے ہے۔

ربنا اٰتنا من لدنك رحمة و هيئ لنا من امرنا رشداً

﴿اے ہمارے رب! ہم کو اپنے پاس سے رحمت کا سامان عطا فرما اور ہمارے لئے ہمارے کام سے بھلائی مہیا فرما﴾

وصل اللّٰه تعالىٰ علىٰ خير خلقهٖ محمد واله اجمعين ، وصل علىٰ جميع الانبياء والمرسلين والملائكة المقربين وسائر الصالحين والمؤمنين ۔

مکتوب 230

پیزادہ خواجہ محمد عبید اللہ (صاحبزادہ خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ) کی خدمت میں آنجناب کے مکتوب کے جواب میں اور اُس مکتوب کے بعض معاملات پر اعتراض اور حکما کے اس قول کو دور کرنے میں کہ موجود معدوم نہیں ہوتا اور معدوم موجود نہیں ہوجاتا اور نماز کے کمالات کے ذکر میں اور اس تحقیق میں تحریر فرمایا کہ وجود زائد ہے یا عین ۔

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم ، الحمد للّٰهِ رب العٰلمين ، والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله محمد واله اجمعين

حضرت مخدوم زادۂ گرامی سلمہ ربہ کے بزرگ نامۂ عالی نے اس گناہ گار کو شرف و ممتاز کیا۔ اشفاق پناہا! مسلۂ وحدت الوجود ہمارا موروثی مسلہ ہے کہ باپ دادا کے واسطے سے یہ بزرگ مسلہ ہم تک پہنچا ہے۔ ان بے حاصلوں کو بار بار اس کی تلقین کرنا تحصیل حاصل اور زیرہ کو کرمان بھیجنے کا مصداق ہے۔ سابقہ تکلیف دہی مقصود یہ تھا کہ معلوم ہوجائے کہ اس معرفت کے علاوہ دوسرا معاملہ کہ ان کے درمیان وہی نسبت ہے جو چھلکے اور مغز کے درمیان ہے۔ اُس مشفق کو (آپ) پسند نہیں آیا اور آپ نے اس کو محال و تخمینی باتیں تصور فرمایا۔ حسبنا اللّٰه و نعم الوكيل (ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ آل عمران۔ ۱۷۳)

آپ نے لکھا کہ "تجلیٔ ذات کے بعد تمام کاروبار تجلیات صفات کے ساتھ ہے کہ جس کی نہایت نہیں ہے"۔ تجلی ذات کے بعد عالی ہمت کو چاہیے کہ ذاتِ متجلی کا طالب رہے اور ایک ایسے معاملہ کا گرفتار ہو جو کہ ان تجلیات سے ماوراء ہے، وہ تجلیات صفات کی طرف نزول کیوں کرے اور اس بات کی جرات کرنا کہ کامل نزول کے بعد مطلقِ حقیقی کمال اطلاق و تنزیہہ کے ساتھ ذراتِ وجود کے ہر ذرہ سے ظاہر و روشن ہے، بہت گراں ہے۔ آپ نے کہاں سے یقین کرلیا ہے کہ وہ مشہود مطلقِ حقیقی اور ذاتِ حق جل وعلیٰ ہے۔ وہی معاملہ ہے کہ ؎

بخواب اندر مگر موشتے شتر شد (شاید کوئی چوہا خواب میں اونٹ بن گیا)

شرابِ کوثر سے سوائے سراب کے ان کو کچھ حاصل نہیں اور مطلقِ حقیقی کو غیر و غیریت سے تنزیہہ کرنا اور غیریت کو تعینات میں منحصر کرنا شاید کہ یہ دونوں مقدمے اس بات پر مبنی ہوں کہ مطلقِ حقیقی کیلئے مقیدات اور تعینات کے ضمن میں ہونے کے سوا کوئی وجود اصلی نہیں ہے اور یہ معنی ذات کی نفی کو لازم کرتے ہیں۔ تعالىٰ عن ذالك (اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے)۔ کیونکہ اگر وجود متاصل ہوتو دوئی ثابت ہوگی اور الاثنان متغائران (دو چیزیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں) ثابت شدہ قضیہ (اصول) ہے۔ اطلاق اور تقید کے قضیہ کو ماننے کی صورت میں اس کا حکم تمام اطلاقات و تقیدات سے جدا

ہے۔ کیونکہ مطلق کیلئے مقیدات کے ضمن میں ہونے کے سوا کوئی وجود نہیں ہے اور اس جگہ ایسا نہیں ہے کیونکہ مطلق معلق وجود متاصل رکھتا ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل اُس (آپ) مخدوم کے مکتوب کے جواب میں جو کہ بہت سے مسائل پر مشتمل ہے، تحریر ہو چکی ہے اور تنزیل (تجلیاتِ صفات میں نزول کرنے) کو مان لینے کی صورت میں جو شخص کہ مطلق کا اس حیثیت سے گرفتار ہے کہ وہ مطلق ہے، مقیدات کے ساتھ ہرگز خوش نہ ہوگا، اگر چہ وہ اس کا عین ہی ہوں
۔

مقیدات اگر چہ مطلق ہوں لیکن ہر ایک کے احکام جدا اور معاملات الگ ہیں ۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ مخلوط کرنا اور ایک کی گرفتاری بعینہٖ دوسرے کی گرفتاری جاننا نگاہ کی تیزی سے بعید ہے، اگر چہ اس میں تمیز مفقود ہے لیکن اس گرفتاری تک بہت فرق ہے۔ حیوان کا طالب اس حیثیت سے جیسا کہ وہ (حیوان) ہے، ہرگز ماشی (چوپایہ) اور فرس (گھوڑا) سے خوش نہیں ہوتا، ہر چند ان کے درمیان نسبتِ اتحاد موجود ہے، حیوان کے مرتبے میں تمیز مفقود ہوتی ہے۔ اور جو کچھ کہ حضرت خواجہ بزرگ (خواجہ بہاؤ الدین نقشبند) کے کلام کی توجیہہ میں آپ نے فرمایا ہے کہ غیر سے مراد مطلوب کا غیر ہے نہ کہ حق (اللہ تعالیٰ) کا غیر، تو یہ سابقہ بیان کے منافی ہے کیونکہ جب ذرات میں مطلقِ حقیقی کا وجود کمال اطلاق و تنزہ کے ساتھ مشہود ہوگا (وہ) غیر مطلوب کس طرح ہوگا اور نفی کے قابل کس وجہ سے ہوگا اور غیر سے غیر اعتباری مراد لینا خلاف متبادر (جلدی ذہن میں آنے کے خلاف) ہے، ہاں اگر اُن حضرت (قدس سرہٗ) کا مشرب جزم (یقین) کے ساتھ وحدتِ وجود ہو تو اس قسم کے حیلوں اور تدابیر کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔

اس کے باوجود ہم یہ کہتے ہیں کہ مطلق جو کہ (خواجہ بزرگ کی) عباراتِ شریفہ میں واقع ہے، اس سے مراد اگر مرتبۂ لاتعین اور غیب ھویت ہے، جیسا کہ عبارتوں سے متبادر ہے کیونکہ مطلقِ حقیقی کمال اطلاق و تنزہ کے ساتھ اسی مرتبہ منزہ، کے طلب و شوق سے منع کرتے ہیں اور اس کے طلب کرنے کو وقت کا ضائع کرنا سمجھتے ہیں۔ پس ذرات میں سے ہر ذرہ کے اندر اس کے مشاہدہ کرنے کا قول کوئی معنی نہیں رکھتا اور جس وقت وہ غیریت سے منزہ ہوگا، تمام مشاہدات اسی کا مشاہدہ ہوں گے۔ پس اس کے شوق و طلب کو منع کرنا صورت پذیر نہ ہوگا اور اگر مرتبۂ وحدت جیسا کہ قوم کا کلام اس کا پتہ دیتا ہے، جیسا کہ انہوں نے کہا ہے **" اور وہ مشہودِ کُل ہے اور وہ تجلی ذاتی ہے اور اس کیلئے اعلیٰ توحید کا مقام ہے "**، اگر چہ اُس کو مطلقِ حقیقی کہنا کوئی زیادہ مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ یہ ایک لحاظ سے مرتبۂ مطلق ہے۔ کمال اطلاق اوپر کے مرتبہ کیلئے ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ مطلوب ابھی تک ماوراء ہے اور سالک راستہ میں ہے، مطلب سے راستے میں رک جانا، طالبِ کامل کا مقتضی نہیں ہے۔ اگر چہ اس تعین کو متعین پر زائد نہیں جانتے لیکن تعین (بہر حال) تعین ہے، عالی ہمت شخص اس پر فریفتہ نہیں ہوتا اور محمدی المشرب جو کہ محبوبیت کے زیادہ قریب ہے اس کے ساتھ عاجز نہیں رہ جاتا اور تمام اشیاء کیلئے اس تعین کی عینیت کے ساتھ اور غیریت سے اس کے تنزہ کے ساتھ لاتعین کی طلب سے فارغ نہیں بیٹھتا ۔

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست (دوست کا فراق اگر معمولی سا ہے تو وہ بھی معمولی نہیں ہے)

اگر کہیں کہ " یہ تعین عین متعین ہے۔ پس ایک کی یافت و شہود بعینہٖ دوسرے کی یافت و شہود ہے۔" جواباً) ہم کہتے ہیں تو پھر اس کے اوپر کے مقام سے کیوں ڈراتے ہیں اور اس کی طلب سے کیوں منع کرتے ہیں کیونکہ اس کی یافت (تو) اس تعین کی یافت کے ضمن میں حاصل ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ اُس مرتبہ کی یافت اس مرتبہ کی یافت سے جدا ہے، اسی لئے وہ ممنوع ہوا اور یہ ممنوع نہیں ہوا اور اگر وہ لوگ کہیں کہ جب اُس مرتبہ کا وصول و یافت محال ہے تو اس کا گرفتار کیوں ہوا اور اس کی طلب میں وقت کیوں ضائع کرے۔ (جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ اس کو مان لینے کی صورت میں عشق و گرفتاری اختیاری امر نہیں ہے کہ مقدماتِ عقلیہ کے ساتھ اس کو منع کیا جائے اور عاشق صادق کو ایسے محبوب سے باز رکھا جائے جس تک پہنچنا محال ہو ۔

باسر زلف تو مارا سر سودائی ہست وصل ہر چند محال است تمنائی ہست

﴿ تیری زلف کے سرے کے ساتھ ہمیں جنونی خیال ہے اگر چہ وصل محال ہے (لیکن پھر بھی) تمنائی ہے ﴾

بے چارے عاشق کی تمنا یہ ہے کہ اپنے آپ کو معشوق کی طلب میں جلائے اور برباد کرے بلکہ اپنا نام و نشان نہ چھوڑے اور اس کے بغیر نہ رہے، اگر چہ معشوق سے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے، اگر چہ عتاب نہ کریں اور خواہ رد کردیں کہ یہ رد کرنا نہیں بلکہ ناز ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اگـــر نـــدہـی بـکـف دامــــان یــــارم　　　گــــرفتــــار کســـے دیـگــــر مــــدارم

﴿ اگر تو دوست کا سامن میرے ہاتھ میں نہیں دیتا تو مجھے کسی دوسرے کا گرفتار (بھی) مت رکھ ﴾

عاشق دردمند اس سب کچھ کے باوجود نہایت خوش ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ معشوق اس آوارہ کی طلب سے آگاہ ہے اور اس بیچارہ کے درد فراق سے باخبر ہے۔

فان لم تكن فانه يراك

﴿ پس اگر تو اس کو نہیں دیکھتا تو بلا شابہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے ﴾

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عشق سے مقصود محض درد و غم ہوتا ہے اور وصل ہرگز منظور نہیں ہوتا۔ طلب کے اس درد کو وقت کا ضائع کرنا کس طرح کہا جائے گا کہ اس غمگین مبتلا کی عمر کا سرمایہ یہی درد و اندوہ ہے ؎

بے غم و درد تو صد حیف زعمرے کہ گزشت　　　پیــش ازیں کــاش گــرفتــارر غمـت مـی بودم

﴿ جو عمر تیرے درد و غم کے بغیر گزر گئی، اس پر صد افسوس ہے۔ کاش کہ میں پہلے تیرے غم میں گرفتار ہوتا ﴾

اور یہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ: ''معرفت کی کچھ خاص خاصیتیں اور علامتیں ہیں''۔ چونکہ توحید حقیقت میں شہودی ہے، وجودی نہیں ہے، اس لئے ان علامات کے ساتھ محقق ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ تمام معاملہ سالک کے شہود (مشاہدہ) میں ہے۔ حقیقت میں اس (سالک) کی صفات پابندی کی اسی حالت پر ہیں، واجب تعالیٰ کی صفات نہیں ہوگئی ہیں۔ قلبِ حقیقت (حقیقت کا بدل جانا) محال ہے اور اگر بلا فرق ممکن کی صفات بعینہ واجب کی صفات ہو جائیں تو چاہیے کہ ہدایت محمدی ﷺ اور ہدایت خداوندی جل شانہ میں کوئی فرق نہ ہو۔ پس آیت کریمہ :

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ

﴿ بے شک تُو جس کو چاہے ہدایت نہیں دے سکتا، ولیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے۔ القصص ۔۵۶ ﴾

کس معنی میں ہو گی۔ و نیز حدیث :

انتم اعلم بامور دنیا كم

﴿ تم اپنے دنیا کے کاموں کو بہتر جانتے ہو ﴾

کی کیا وجہ ہو گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں اس طرح نہیں کہا جا سکتا۔ اور آیت کریمہ :

لو كنت اعلم الغيب

﴿ اگر میں غیب کو جانتا۔ الاعراف ۔۱۸۸ ﴾

اور آیت کریمہ :

لا ادری ما يفعل بی ولا بكم

﴿ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ الفتح ۔۹ ﴾

کس اعتبار سے ہوگا اور اس شہود (مشاہدہ) میں صاحبِ استعداد سالک کو بہت سے منافع ہیں کیونکہ سیر وسلوک اور ریاضات ومجاہدات سے مقصود ما سویٰ اللہ تعالیٰ کی گرفتاری (تعلق) کا زائل ہونا ہے۔اس شہود کے ذریعے حصول سے جا ملتے ہیں اور اس سعی وکوشش سے مقصود بندگی کا حاصل ہونا اور اپنی عاجزی واحتیاج وگمنامی کا مشاہدہ ہے نہ یہ کہ بندہ بندگی کے راستے سے پاؤں کھینچ لے اور خدا ہو جائے اور اس کے کمالاتِ ذاتیہ کے ساتھ متحقق ہو جائے کہ ان امور کی تمنا کرنا کمالِ خودی اور انانیت کا پتہ دیتا ہے۔حضرت خواجہ بزرگ (خواجہ بہاؤالدین نقشبند) قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ: ''بندگی خواجگی کے ساتھ راست نہیں آتی''۔اور یہ جو آپ نے لکھا تھا کہ ''مرتبۂ وحدت میں فنائے حقیقی (کا حاصل ہونا) اس راستہ کی نہایت ہے ''۔ وحدت وجود کے قائل حضرات چونکہ ہمیشہ انفس کے گرفتار ہیں، اس گروہ کیلئے کامل طور پر فنا (کا حاصل ہونا) کس طرح کہا جائے کیونکہ فنا ماسویٰ اللہ تعالیٰ کی گرفتاری کا زائل ہونا ہے اور یہ لوگ ہر وقت ذرات میں سے ہر ایک ذرہ کے ساتھ گرفتار ہیں، اگرچہ وہ غیریت کے عنوان کے ساتھ نہیں جانتے لیکن حقیقت میں وہ غیر ہے، کمال درجہ کی تجرید ونیستی اس وقت ظاہر ہوگی جب وہ ابھنور سے نکل جائیں اور آفاق ونفس کے ماوراء دوڑیں۔اس کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ خاصیات وعلامات کے ساتھ تحقق اس فنا کی حالت میں چاہت نہیں ہے کیونکہ یہ تحقق مقامِ بقا میں ہے۔اس لئے کہ فنا واستہلاک کے وقت میں ممکنات کا ہیولیٰ (مادہ) بن جانا اور جوہریت وعرضیت کی صورتوں کے ساتھ متمثل ہونا نہیں ہے۔پس اس تقدیر پا جائز ہے کہ مرتبۂ توحید کی نہایت تک پہنچ جائے جو کہ فنائے حقیقی ہوتی ہے اور ان علامات میں سے کوئی چیز بھی اس میں نہ ہو اور اگر ان علامات کے ساتھ متحقق ہونا نہایت کمال ہو تو پھر فنا کو نہایت کہنا کس طرح درست ہوگا۔

ہم اصل بات کی طرف جاتے ہیں۔فنا وبقائے وجودی اس صورت میں ہوگی جب کہ ممکنات کا کوئی وجود ہو، اس (وجود) کا ہونا شہود میں ہونے کے سوا نہیں ہے۔امانتیں ہمیشہ اہلِ امانات کی ہیں۔اس جگہ سوائے اس کے نہیں کہ علم بدل جاتا ہے لیکن :

انا عند ظن عبدی بی

﴿میں اپنے بندہ کے گمان کے نزدیک ہوں﴾

کے مطابق اس کمال کے اندازے سے اس کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں اور مذکورہ آثار وعلامات اس میں ظاہر کرتے ہیں اور تسلیم کر لینے کی صورت میں دوسروں سے ان معاملات کی نفی کس طرح معلوم ہوگی اور کہاں سے معلوم کیا جائے گا کہ دوسرے حضرات اس حد تک اس کے حقائق میں غور وفکر کرنے اور اس کے دقائق میں غوطہ لگانے کے باوجود کہ اس مسئلہ کی تحقیق کی بلند چوٹی اور تدقیق کے انتہائی درجے تک پہنچ چکے ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی امداد سے اس سے گزر چکے ہوں اور علومِ وراثت حاصل کر چکے ہوں ، ابھی تک توحید کے راستے میں ہیں۔

میرے مشفق!

معارفِ توحیدِ وجودی کے متعلق جس قدر آپ جانتے ہیں، (شوق سے) لکھیں، کہ (یہ) حالِ شریف ہے۔کس کو اس مقام میں کلامِ سخن ہے کیونکہ اکابر اولیاء اللہ نے اس کے ساتھ کلام کیا ہے، اگرچہ انہوں نے سُکر وغلبۂ محبت کی وجہ سے ہی کہا ہو۔میرے جدِ امجد (حضرت شیخ عبد الاحد قدس سرہٗ) اس مقام (توحیدِ وجودی) میں مضبوط قدم رکھتے ہیں اور انہوں نے تصانیفِ عالیہ بھی تالیف فرمائی ہیں۔لیکن انہوں نے آدابِ شریعت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا، جیسا کہ محققین کا طریقہ ہے۔لیکن دوسروں کی نفی کرنا اور حق کو اپنے علم میں ہی محصور رکھنا اور اس (علم) کے ماسوا کو محال جاننا آپ جیسے حضرات سے بہت زیادہ محلِ تعجب ہے اور اسی طرح شیخ ابنِ عربی قدس سرہٗ کو خاتمِ ولایتِ محمدی متعین کرنا اپنے تمام پیرانِ نقشبندیہ سے اس ولایت کی نفی کرنا ہے۔ان امور کی جرأت کرنا بلند فطرت حضرات سے نہایت ہی مستبعد ہے اور (اس سے بھی) زیادہ عجیب یہ ہے کہ آپ نے ابنِ سینا کو کامل محبت سے یاد کیا ہے، حالانکہ اس کے فاسد عقائد اہلِ حق کے عقائد کے مخالف اور اس کی تکفیر وتضلیل کا باعث ہیں اور امام غزالی (قدس سرہٗ) نے حکماء کے عقائد

بیان کرنے کے بعد کہا ہے ۔پس ان کی تکفیر و تشنیع (ان کو کافر و برا کہنا) واجب ہے، جیسا کہ فاران و ابن سینا ۔اور آنسرور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات واقعہ میں ایک بزرگ کو اس (بوعلی سینا) کے بارے میں فرماتے ہیں: رجل اضله الله وعلى علمه (وہ ایک ایسا آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے علم کے باوجود گمراہ کردیا ہے) اور کسی دوسرے بزرگ کو بھی کسی دوسرے واقعہ میں اسی کے مثل فرمایا ہے ۔اگر غیروں سے اس قسم کے امور مطالعہ کیے جائیں تو چنداں شکایت کا مقام نہیں ہے ۔لیکن اگر آپ جیسے حضرات (کی جانب) سے مخلصوں اور دوستوں کے کان میں اس قسم کے امور کی ذرا سی بھنک بھی پڑے تو اس کی گنجائش ہے کہ شکایات کی جائیں، اسی بنا پر یہ سب جرأتیں کرتا ہے، معافی کی امید ہے۔

میرے مخدوم!

جبکہ ہمارے خواجہ حضرت قطب عرفا مؤید الدین الرضی (قدس سرہ) انجام کار میں فرماتے ہیں کہ یقین کامل کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ توحید ایک تنگ کوچہ ہے، شاہراہ کوئی اور ہی ہے ۔پھر بھی وہ مخدوم (آپ) تحریر فرماتے ہیں کہ وہ حضرت (خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) وحدت اور کثرت کے مشاہدہ میں رہے ہیں ۔شاید کہ وہ جائے پناہ (آپ) اُن حضرت عالی قدس سرہ سے اس عبارتِ شریفہ کے صادر ہونے کے قصہ پر مطلع نہیں ہوئے ہیں جا اس تاویل میں جلدی کر رہے ہیں ۔ایسا نہیں ہوا ہے کہ صرف یہی عبارات اُن (حضرت قدس سرہ) سے واقع ہوئی ہیں تا کہ اس کی تاویل کریں اور ظاہر سے اس کو دوسری طرف لے جائیں، اگر چہ وہ تاویل کے قابل نہ ہو، اس عبارتِ عالیہ کا صدور (کچھ) معاملات کی خبر دیتا اور (چند) مقدمات پر مبنی ہے۔

آسودہ شبے باید و خوش مہتابے تا با تو حکایات کنم از ہر بابے

﴿ ایک آرام و راحت کی رات ہو اور چاندنی خوب چھٹکی ہوئی ہو تا کہ میں تجھ سے ہر طرح کی گفتگو کروں ﴾

جب کہ حضرت خواجہ قدس سرہ اس طرح فرمائیں اور اس مقام میں ہوں تو آنجناب ان کی متابعت کے زیادہ حقدار ہیں ۔آپ اگر چہ مغلوبِ حال ہوں، پیر کی تقلید کو ترک نہ کریں ۔اور یہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ عقلی و نقلی دلائل اس معرفت کی تائید کرتے ہیں ۔جو نقلی دلائل اس بارے میں لوگ لاتے ہیں، اُن میں سے اکثر متشابہات کی قسم سے ہیں ۔وہ لازمی طور پر ظاہر سے دوسری طرف پھیرے ہوئے اور تاویل کیے گئے ہیں اور دلائلِ عقلیہ اقناعیات (قانع اور قائل کر دینے والے) کے سوا جن میں کہ کلام کی گنجائش نہیں رہتی اور کیا چیز ہوں گے اور محقق دوانی (علامہ جلال الدینؒ) لکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ طریقۂ عقل سے ماوراء ہے اور مولانا عبد الرحمٰن جامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ طریقۂ عقل کے علاوہ ایک اور طریقہ ہے کہ جس طریقہ میں مکاشفہ و مشاہدہ کے طریق پر چند چیزیں منکشف ہو جاتی ہیں کہ عقل ان کے ادراک سے عاجز ہے، جس طرح کہ حواسِ معقولات کے ادراک سے جو کہ عقل سے معلوم ہوتے ہیں، عاجز ہیں اور اس طریقہ میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حقیقت وجود جو کہ عین واجب الوجود ہے، نہ کلی ہے نہ جزئی ۔۔۔الخ

اور یہ جو حکماء نے کہا ہے کہ معدوم موجود اور موجود معدوم نہیں ہوتا اور ان دونوں مقدموں میں یہی بدیہی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، نا قابلِ تقسیم ہے اور بدیہی ہونے کا دعویٰ نا قابلِ سماعت ہے ۔کیونکہ (یہ) وہم کا حکم ہے ۔بلکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی کھلی ہوئی قدرت کا انکار ہے ۔اگر وہ (اللہ تعالیٰ) معدوم کو موجود کر دے اور عالم کو کسی چیز کے بغیر پیدا فرما دے، یا سب کو معدوم اور لا شے بنا دے تو اس کی قدرت سے کوئی تعجب کا مقام نہیں ۔یہ مقدمہ عالم کے قدیم ہونے کی طرف لے جانے والا ہے کہ جس کا قائل ہونا کفر ہے ۔کیونکہ (تمام) اہلِ مذاہب کا اجماع ہے کہ عالم اپنے تمام اجزاء کے ساتھ محدث (غیر قدیم) ہے اور آیۂ کریمہ:

او لا يذكر الانسان انا خلقنه من قبل ولم يك شيئاً

﴿ کیا انسان اس بات کو یاد نہیں کرتا کہ ہم نے ابتداء اس کو پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں تھا ۔مریم ۔۷۔۶ ﴾

کے بھی مخالف ہے ۔(علامہ) بیضاویؒ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے بلکہ وہ عدمِ محض تھا اور نیز اس سے صانع مختار (اللہ) کا معطل (بیکار) ہونا لازم آتا ہے

کیونکہ ان لوگوں کے طریق پر اس سبحانہٗ تعالیٰ کی صفت معدوم کی ایجاد نہیں کرتی اور موجود کو ایجاد کرنا خود محال اور تحصیل حاصل ہے اور دوسرے مقدمہ (یعنی موجود معدوم نہیں بنتا) کے مطابق موجوداتِ ممکنہ کو بقا میں بھی صانع کا محتاج نہیں ہونا چاہیے بلکہ (چاہیے) وہ تعالیٰ شانہٗ اشیاء کے فنا کرنے پر (بھی) قادر نہ ہو اور نیز اعراض غیر قارہ (ایک حالت پر قائم نہ رہنے والے اعراض) میں کہ جن کا حدوث بھی مشاہدہ میں آتا رہتا ہے اور ان کا فنا ہونا بھی مشاہدہ میں آتا رہتا ہے، یہ لوگ کیا کہیں گے۔ اس بات کا قائل ہونا حقیقت میں صانع مختار (اللہ تعالیٰ) کی نفی کرتا ہے۔ تعالیٰ عن ذالک علواً کبیرا (اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے) اور صفات کا (ذات پر) زائد نہ ہونا بھی ناقابلِ تسلیم ہے کیونکہ اہلِ سنت کے مسلمہ عقیدے کے خلاف ہے۔ صاحبِ تعرف صفات کے بارے میں کہ وہ لاھو ولا غیر ہیں (نہ وہ ذات ہیں، اور نہ غیر ذات ہیں) ۔صوفیاء کا اجماع بیان کرتا ہے اور یہ بات مان لینے کی صورت میں ان (صفات) کے بالمقابل اعدام کو تمیز کرنے کیلئے تمیزِ علمی کافی ہے اور زیادتِ وجود کے بارے میں کلام آنجناب (آپ) کے اُس مکتوب کے جواب میں جو کہ بہت سے مسائل پر مشتمل ہے، تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ لیکن چونکہ اس جگہ بھی بات آ گئی ہے کہ کچھ مختصراً لکھا جاتا ہے۔

میرے مکرم!

جب یقین کا طالب جو کہ فطرتِ سلیمہ رکھتا ہو، اپنے صحیح وجدان کی طرف رجوع کرے اور (اپنی) درست سمجھ کے ساتھ صحیح طور پر غور کرے تو معلوم کر لے گا کہ اللہ تعالیٰ کو ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اپنے موجود ہونے کیلئے اپنی ذاتِ مقدس کے علاوہ کسی اور کا محتاج ہو اور فی نفسہٖ اپنی ذات میں ہستی سے خالی اور وجود کی احتیاج رکھتا ہو اور نیز وہ شخص معلوم کر لے گا کہ اس تعالیٰ شانہٗ کی حقیقت و ماہیت عین وجودِ ہستی نہیں ہوتی کیونکہ ہستی جو کہ فی نفسہٖ مصادر و احداث (جس سے دوسری چیزیں نکلیں اور جوئی پیدا ہونے والی ہوں) سے ہے۔ اس کو غیر کی جانب عدمِ احتیاج کے واسطے سے باری تعالیٰ کی حقیقت جاننا اور اس پر اصطلاح باندھنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور جو ذات کہ خارج میں وجودِ حقیقی کے ساتھ موجود ہے، کیا ضرورت ہے کہ ہم اس پر ایسا لفظ کا اطلاق کریں جو کہ اس معنی کا لغوی مفہوم ہو غیر کے ساتھ قائم ہو اور عوارض سے ہو اور معقولاتِ ثانویہ سے ہو اور اس کے باوجود شرع اس کے اطلاق کے ساتھ وارد نہ ہوئی ہو۔ صوفیاءِ کرام جب کہ تمام نسبتوں اور اعتبارات کی اس بارگاہِ قدس سے نفی کرتے ہوں تو ان کی ایک جماعت وجود کی بھی نفی کیوں نہیں کرتی اور وجود کی نفی سے عدم کا ثابت ہونا لازم نہیں آتا کہ وہ بھی ایک نسبت ہے اور وہ سبحانہٗ تعالیٰ نسبتوں اور اعتبارات سے ماوراء ہے اور عینیت وجود سے ان بزرگواروں کی مراد اس معنی میں وجود کی نفی نہیں ہے کہ وہ تعالیٰ شانہٗ خود بخود ہے اور وجود ایک تعبیر سے زیادہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اکابر حق سبحانہٗ کی حقیقت کو وجودِ مطلق جانتے ہیں۔ اس سے وجود کی نفی کی کیا صورت ہے؟ کیونکہ کسی چیز کی اس کی ذات سے نفی کرنا محال ہے۔ پس حق یہ ہے کہ وجود کے علاوہ اس کی ایک حقیقت اور ایک ذات ہے اور وہ بنفسہٖ اپنے موجود ہونے میں وجود کے عارض ہونے سے بے نیاز ہے۔ بلکہ وہ ایک ایسی شان کیساتھ ہے کہ یہ عارض ہونا وہاں نہیں پہنچتا اور وہ خود بخود موجود ہے۔ غیر کا محتاج ہونے کی نفی کرنے کیلئے کیا ضروری ہے کہ ہم اس کو عین وجود کہیں۔ وجود سے برتر کیوں نہ کہیں اور (لفظ) وجود کے اطلاق جن کے اطلاق (استعمال) کی اس بارگاہِ قدس میں اجازت نہ دیں۔ اور عادت اللہ (اس طرح) جاری ہے کہ جو کچھ عالمِ حقیقت میں ہے، اس کا نمونہ اور مثال عالمِ مجاز میں ظاہر کرتا ہے تا کہ وہاں سے حقیقت کی طرف قدم بڑھائیں اور چونکہ اس ذاتِ مقدس کیلئے ایک خاصیت ہے کہ وہ خود بخود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ اور وجود کو اس کا نمونہ بنایا۔ اگر موجود ہو تو خود موجود ہو نہ کہ وجود کے ساتھ۔

المجاز قنطرۃ الحقیقۃ

﴿مجاز حقیقت کا پل ہے﴾

اور یہ جو ہم کہتے ہیں کہ ذاتِ مقدس خود بخود موجود ہے، یہ محض تعبیر نہ یہ کہ وہاں اس کے ساتھ قائم ایک وجود ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے اور یہ جو شیخ امان نے کہا ہے کہ: ''حق تعالیٰ کی حقیقت وجود ہے اور اس کے علاوہ سوائے عدم کے اور کچھ نہیں ہے ،عدمِ اشیاء کا مبداء اور ان کی اصل نہیں ہو سکتا

کیونکہ اس سے حقیقت کا بدل جانا لازم آتا ہے۔ اس لئے وجود کا ہونا لازمی ہے اور وہ متجزی (اجزاء ہونے والا) نہیں ہے، اس لئے تمثیل کے ساتھ ہوگا۔"

(اس قول میں) چند وجوہ کی بنا پر بحث کی گئی ہے۔

(۱) وجود کو حقِ سبحانہ کی حقیقت کہنا اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔

(۲) صفاتِ واجبی جلِ سلطانہٗ اہلِ سنت کے طریقہ پر ذاتِ تعالیٰ وتقدس پر زائد ہیں۔ پس اس بنا پر یہ کہنا کہ اس کا علاوہ عدم کے سوا اور کچھ نہیں ہے، درست نہیں آتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس تقدیر پر صفات مبداء ہوں۔

(۳) قلبِ حقیقت (حقیقت کا بدل جانا) اس وقت ہوگا جب کہ عدم وجود ہو جائے لیکن اگر موجود ہو جائے تو اس میں کیا استحالہ ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ وجود معدوم ہے اور کوئی قلبِ حقیقت نہیں ہے۔

(۴) قلبِ حقیقت اس وقت ہوگی جب عدم موجود ہو جائے لیکن اگر عدم موجود نما ہو جائے تو قلبِ حقیقت نہیں ہوگی۔

(۵) لفظ مبداء جو اس عبارت میں واقع ہوا ہے، اس کا محمل مادہ وہیولیٰ ہے۔ اس لئے اس (لفظ) نے اس تعالیٰ شانہٗ کو تجزی و تمثیل میں منحصر کر دیا۔ حق جل علیٰ کو ممکنات کا مادہ وہیولیٰ کہنا نہایت ہی بری بات ہے۔ اور مبداء بمعنی موجد ذاتِ حق سبحانہٗ ہے اور ایجاد میں تجزی و تمثیل کی ضرورت نہیں ہے۔

انم قولنا لشئ اذا اردنه ان تقول لهُ كن فيكون

﴿ بے شک جب ہم کسی چیز کا ارادہ کریں تو اس کیلئے ہمارا کہنا یہ ہوتا ہے کہ کہہ دیں ہو جا، تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔﴾

(۶) ذاتِ حق کو عدم کے مقابل کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ وہ وجود دوسرا ہے کہ جس کے مقابل میں عدم ہے کہ وہ کون وحصول کے معنی میں ہے۔

(۷) وجود عدم کی نقیض (ضد) نہیں ہے کہ عدم کی نفی کرنے سے وجود لازم آئے بلکہ ان دونوں کے درمیان تضاد کی نسبت ہے۔ واضدان یرتفعان (اور ضدیں مرتفع ہوسکتی ہیں)۔ کسی عارف نے کہا ہے: "فوق عالم الوجود عالم الملك اودود "(عالمِ وجود کے اوپر ملک الودود (خدا کا) عالم ہے

-

اور یہ جو کہا ہے کہ "اعدام اضافیہ علم میں حصول رکھتے ہیں، یہ بھی اشیاء کے اصول نہیں ہو سکتے کیونکہ اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ جب علمِ حضوری ہوگا اور اعدام کا حصول نہیں ہوگا کہ وہ اصول ہو جائیں۔ یہ اعدام علم میں کہاں سے آئے کیونکہ "معلوم من وجہ ثابت ہونے کے سوا (اور کچھ) نہیں ہوتا" یہ کامل طور پر ساقط ہے۔ اول اس لئے کہ علمِ واجبی کو (علم) حضوری کہیں یا اس کا غیر، اعدامِ اضافیہ سے اللہ تعالیٰ کے علم کی نفی کرنا اُس تعالیٰ شانہٗ کیلئے اُن اعدام سے جہل کو ثابت کرنا تعالیٰ اللہٗ عن ذالک علواً کبیرا (اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلندتر وبالاتر ہے)۔ دوسرا اس لئے کہ ہم نہیں مانتے کہ معلوم من وجہ ثابت ہونے کے سوا نہیں ہے کیونکہ بلاشبہ اعدام متمائزہ (متضادہ) کو جانتے ہیں۔ اگرچہ وہ ثبوت نہ رکھتے ہوں۔ تیسرا اس لئے کہ اعدام متمائزہ کا کسی بھی لحاظ سے ثابت نہ ہونا ناقابلِ تسلیم اور محلِ نظر ہے۔

حضرت شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ نے کہا ہے کہ "شیئت (شے ہونا) دو طریق پر ہے۔ شیئت ثبوتی و وجودی۔

شیئت وجودی، شے کا مراتب میں کسی مرتبہ اور عوالم میں سے کسی عالم میں اپنے آپ کو ظاہر کرنا ہے۔

شیئت ثبوتی، شے کا علم میں ثابت ہونا ہے نہ کہ خارج میں اور شیئت بنانے والے کے بنانے سے بنائی نہیں گئی ہے۔

پس معدوم مطلق مطلقاً (کسی اعتبار سے بھی) شے نہیں ہے۔ نہ ثبوت کے اعتبار سے، نہ وجود کے اعتبار سے۔ لیکن معدوم ممکن کیلئے وجودِ عینی سے پہلے شیئت ثبوتی ہے اور (وہ) امر کن سے اسی شیئت کے ساتھ مخاطب ہوتا ہے اور اثر قبول کرتا ہے اور خارجی وجود میں آجاتا ہے۔ اور کسی دوسری جگہ حضرت شیخ (قدس سرہٗ) نے فرمایا ہے: "علم واجب کا معدومات ممکنہ کے ساتھ وجودِ خارجی سے پہلے متحقق ہونا حقیقت میں معدوم کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔

کیونکہ تمام لامتناہی ممکنات ام الکتاب میں ہیں اور قلم اعلیٰ جو کہ روحِ قدسی اور عقلِ کُل ہے، اس کے بعض کا مجمل ہے اور محو و اثبات کی لوح (لوحِ محفوظ) جو کہ نفسِ کل ہے، اس مجمل کا مفصل ہے۔''

محقق دوانی (جلال الدینؒ) فرماتے ہیں: ''عدم بھی وجودِ حقیقی کے مظاہرے میں سے ہے، چنانچہ امام حجۃ الاسلام (امام غزالیؒ) کسی رسالہ میں فرماتے ہیں کہ: ''تمام کائنات کی اصل فنا ہے، پس فنا پر بھی ایجاد کے ساتھ رحمت کی گئی ہے کیونکہ فنا اصل میں موجود نہیں تھی۔ وجودِ فنا کا پہلا درجہ فنا کا پیدا کرنا ہے کیونکہ کائنات کی فنا قدیم نہیں ہے۔ فنا اصل میں خود فانی ہے، جب اس کو موجود کیا گیا تو فنا کا نام اس پر صادق آیا۔ اگر ہم کائنات کی فنا کو قدیم جانیں تو باری سبحان تعالیٰ کی صفتِ قدم کے ساتھ شریک کرنے والے ہوں گے۔ پس صحیح بات یہ ہوئی کہ فنا قدیم نہیں ہے بلکہ فنا محدث (نئی پیدا شدہ) ہے۔ پس فنا جو کہ کائنات کی اصل ہے، اپنی فنا میں محدث ہے، قدیم نہیں ہے اور خاک جو کہ جماد کی اصل ہے اور اپنے جماد و مواد (مادہ) ہونے میں محدث ہے، قدیم نہیں ہے۔ اہلِ سنت کے قول: المعدوم لیس بشیئ '' (معدوم کوئی چیز ہی نہیں ہے) کے یہی معنی ہیں۔ امام الاسلام امامِ غزالی کا قول یہاں تک ہے۔ چوتھے اس لئے کہ بظاہر یہ کلام متناقض (متضاد) ہے۔ کیونکہ اول جس جگہ یہ کہا ہے کہ اعدام اضافیہ جو کہ علم میں حصول رکھتے ہیں، یہ بھی اشیاء کے اصول نہیں ہو سکتے۔''

تو اس قول میں اعدام کے حصول کو علم میں مسلم رکھا ہے۔ پھر اس کی نفی کی ہے۔ پہلے علمِ حضوری کے اثبات کے ساتھ اور پھر اس کے ساتھ کہ معلوم من وجہ ثابت ہونے کے سوا نہیں ہوتا۔

پانچویں یہ کہ اس لئے صوفیاء کرام اعیانِ ثابتہ کو اعدامِ اضافیہ کہتے ہیں اور ممکنات کے حقائق تصور کرتے ہیں اور جو یہ اس کے بعد لکھا ہوا ہے کہ معلومات کی اصل (تو) ظاہر ہوگئی کہ علم بلکہ عالم ہے لیکن اعدام کی کونسی اصل ہے۔''

ہم کہتے ہیں کہ اعدام کا منشاء (اصل) کمالاتِ الٰہی ہیں جو کہ بالاتفاق علم میں تمیز رکھتے ہیں۔ اس مقام میں کس کو اختلاف ہے۔ لہٰذا (یہ بات یہاں ختم ہوئی)۔ اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ بندگی کی حقیقت اس کے ساتھ گرفتاری اور اس کے غیر سے گزر جانا ہے اور جو چیز بھی ہو، خواہ دنیا ہو یا آخرت، اسی طرح ہے۔ لیکن سچا اور جھوٹا اس معنی کا دعویٰ کرنے میں شریک ہیں۔ ان ہر دو فریق کے درمیان انصاف کے ساتھ فرق کرنے والا امر احکامِ شریعت سے آراستہ ہونا اور حضور ﷺ کی پسندیدہ سنتوں کے ساتھ مزین ہونا ہے۔ اس (سبحانہٗ تعالیٰ) کے ساتھ کمالِ گرفتاری اور اس کے غیر کو چھوڑنے کی علامت کامل طریق پر سنت کی پیروی اور بدعت سے پرہیز کرنا ہے۔ جس قدر وہ زیادہ ہوگا، یہ بھی زیادہ ہوگا اور نہ اس گرفتاری (تعلق) کو پسند نہیں کرتے اور اس ترک (چھوڑنے) کو عین گرفتاری شمار کرتے ہیں۔

میرے مکرم!

آپ نے جو اعتراضات حضرت خواجہ (خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ) کے کلام پر کیے ہیں، اگر چہ وہ تمام اعتراضات سندِ اخص پر کلام ہے جو کہ مدفوع (دفع کیے ہوئے) ہیں، اس کے باوجود بطریقِ تنزل (نیچے کے نیچے درجہ پر اترآنے کے طریق پر) ہم کہتے ہیں کہ چونکہ خطرات و وساوس کا عود (لوٹ آنا) علم کے عود کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتا۔ کیونکہ نسیان کے وقت خطرات و وساوس نہیں ہوتے۔ اس بنا پر کلام کی بنا اشیاء کے علم اور اشیاء کے نسیان پر رکھی گئی ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان تلازم ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے کہ اس کی مخلوق کا وجود اور تمام صفات اس سبحانہٗ تعالیٰ کی واضح قدرت کا اثر ہے۔ مخلوق سے خالق کی طرف ایک کشادہ راستہ ہے کہ موثرِ حقیقی تک وصول کے بعد قوی بصیرت والوں پر وہ پوشیدہ راستہ اور معنوی تعلق محسوس اور ظاہر ہو جاتا ہے۔ رہنمائی میں اتحاد کی ضرورت ہے۔ دھوئیں کو آگ کے ساتھ کیا اتحاد ہے۔ جس جماعت نے نسبت کو درست کر لیا ہے اور محبت کو کمال تک پہنچایا ہے، وہ لوگ محبوب کے ادنیٰ سے تعلق کے ساتھ کھینچ جاتے ہیں۔ اور کسی چیز کے ساتھ اس سے عاجز نہیں رہ جاتے۔ اور تمام اشیاء کو مذکورہ تعلق کے

ساتھ ملاحظہ کرتے ہیں ۔اس صورت میں کوئی چیز عارف کو اپنی طرف نہیں بلاتی بلکہ ماورئی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نظر بصیرت عارف کو اپنے سے باہر ڈالتی ہے ۔اتحاد کی صورت کے برخلاف کہ اس میں سالک بیچارہ کو ہر چیز اپنی طرف بلاتی ہے اور اپنی گرفتاری کی طرف رہنمائی کرتی اور اپنے آپ کو محبوبیت کے عنوان کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے اور ہر بدشکل اور دیو (بھوت) معشوق کے ناز و انداز کے ساتھ سامنے آتا ہے اور سدِ سکندری بن جاتا ہے ۔

پری نہفتہ رخ و دیواز کرشمہ و ناز　　بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی اسـ ـ ـت

﴿پری نے اپنا چہرہ چھپالیا اور دیو کرشمہ و ناز میں مصروف ہے ۔عقل سے حیرت جل گئی کہ یہ کیا بوالعجبی ہے ﴾

اور نیز اگر ممکنات میں وجود اور تمام کمالات اس مرتبہ مقدسہ کے ظلال ہوں تو ظل سے اصل کی طرف شاہراہ ہے ،ظل کیلئے اصل کا عین ہونا ممنوع ہے اور اس فقیر نے عارف کے علم کو جو کہ کمال کے بعد اشیاء سے تعلق رکھتا ہے ،کمال حضوری نہیں لکھا ہے ۔علمِ حصولی کی نفی سے علمِ حضوری لازم نہیں آتا کیونکہ حق سبحانہ کا علم جو کہ اشیاء سے متعلق ہے ،حضوری وحصولی سے ماوراء ہے ،محض انکشافی ہے جو کہ حصولِ صورت کے بغیر معلوم کی تمیز کا سبب ہے ۔اور موجوداتِ علمی اس معنی سے ہیں کہ علم ان کا تمیز کا باعث ہوا ہے ۔اشیاء جس جگہ بھی ہوں ،اس سبحانہ تعالیٰ پر منکشف ہیں ۔اشیاء کے ساتھ علم واجب تعالیٰ کو علمِ حضوری یا علمِ حصولی کہنا شاید اہلِ توحیدِ وجودی کے طریق پر درست آتا ہے اور عارف کا علم کمال کے بعد اسی طریق پر ہو جاتا ہے ۔اور اشیاء جس جگہ بھی ہوں ،عارف کے نفس میں ان کی صورتوں کے حصول اور تاثر کے بغیر عارف پر منکشف ہو جاتی ہیں ۔یہ علم حضوری اور حصولی کے علاوہ ہے ۔اگر چہ محدود عقل کے گرفتار اس کا یقین نہ رکھیں اور قبول نہ کریں کہ یہ لوگ بحث سے خارج ہیں ۔اس قسم کے امور ذوقی اور وجدانی ہیں ۔الزامی نہیں ہیں ۔اس معرفت کا نادر ہونا اسی وجہ سے ہے کہ (یہ) علم حضوری نہیں ہوتا اور صورت کے حصول سے آزاد و فارغ ہے ۔

من لم یذق لم یدرا

﴿جس نے نہیں چکھا، اس نے نہیں جانا﴾

میرے مخدوم!

نماز کو تجلیات و مشاہدات سے بہتر کہنا اس اعتبار سے ہے کہ کامل یقین سے معلوم ہو گیا ہے کہ مطلوب ان تجلیات و مشاہدات سے وراء الوراء ہے اور ان کے ساتھ گرفتاری ظلال کے ساتھ گرفتاری ہے بلکہ شبہ و مثال کے ساتھ (گرفتاری) ہے جو کہ حقیقت میں غیر مطلوب ہے اور تمام اشیاء کو مطلوب کا عین ہونے کا حکم لگانا سکر کی وجہ سے ہے ۔نماز ہی ہے جو کہ مطلوب کی خبر دیتی ہے اور اس بے نشان کا کچھ نشان رکھتی ہے جو قرب کہ اس کی ادائیگی کے وقت (ہوتا) ہے، اس کے باہر نہیں ہے ۔حدیثِ نبوی ﷺ ہے: **"نماز میں اس حجاب کو جو بندہ اور خدا کے درمیان ہے، اٹھادیا جاتا ہے۔"** اسی لئے اس کو معراج فرمایا ہے ۔پس جس قدر کوشش اس (نماز) کی تکمیل میں کی جائے ،یہ اس نسبت کی تکمیل میں کوشش ہے کہ یہ تجلیات و مشاہدات جس کی گرد کو نہیں پہنچتے ۔

ذالك فضل الله يؤتيه من يشآء والله ذو الفضل العظيم

﴿یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس کو چاہتا ہے، عنایت فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے ۔الجمعۃ ۔۴﴾

اس معاملہ نماز کا کمال قربِ نبوت کے ساتھ وابستہ ہے کہ اکثر اربابِ ولایت کا ہاتھ اس بلند و بالا درخت سے کوتاہ ہے ۔انہیں تمام ورق پلٹ دینے چاہئیں تاکہ معاملہ اس سے اُس تک پہنچ جائے ۔اس کا قرب جدا ہے اور اس کے علوم و اسرار علیحدہ ہیں ۔اس قربِ نبوت تک پہنچنے کا راستہ اس راستہ کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا (وہ) ایک شاہراہ ہے کہ انبیاء کرامؑ اور ان کے اصحابِ کرامؓ اور نیز اس امت کے خال خال افراد اس راستہ سے مطلوب تک

پہنچے ہیں ۔ہوسکتا ہے کہ ہمارے خواجہ حضرت قطب العرفاء (خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ) نے اس راہ کی نشاندہی فرمائی ہے۔ اس جگہ جہاں انہوں نے فرمایا ہے کہ شاہراہ اور ہی ہے اگر چہ جائز ہے بلکہ واقع ہے کہ ولایت کی راہ سے کوئی شخص اس بلند چوٹی پر پہنچ جائے ۔

بہ وصلش تا رسم صد بار از پا افگند شوقم — کہ تو پروازم و شاخ بلندے آشیاں دارم

﴿اس کے وصل کو پہنچنے تک میرا شوق مجھ کو سو بار پاؤں سے گراتا ہے کیونکہ میں نیا اڑنے والا ہوں اور بلند شاخ پر آشیاں رکھتا ہوں۔﴾

نماز کو اس صورت پر مقصور (محدود) نہیں جاننا چاہیے ۔(یہ) عالمِ غیب الغیب میں ایک حقیقت رکھتی ہے جو کہ تمام حقیقتوں سے اوپر ہے۔ جب تک اس حقیقت کو نہ پہنچے اور اس (حقیقت) کے اہل کے ساتھ آشنا نہ ہو جائے ،نماز کے کمال سے کیا پائے گا۔شاید حدیث قدسی **"قف یا محمد ا فان اللّٰہ یصلی "** **(اے محمد ﷺ! ٹھہر جاؤ، پس بے شک اللہ تعالیٰ نماز میں ہے)** میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہو،نماز ایک دلربا معشوق ہے ۔ گویا اس کی صورتِ زیبا کو عالمِ مجاز میں ان مخصوص ارکان کے ساتھ دکھایا گیا ہے اور اس کی خوبصورتی کی اداؤں کو اس خشوع و آداب کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔ جو شخص کہ اس صورت کے ساتھ گرفتار اور فریفتہ نہ ہو، وہ ان ارکان کی حقیقت کیا پائے گا (اور) جو شخص ان اداؤں کا والہ و شیفتہ نہ ہو جائے ،وہ اس خشوع و طمانیت کا کیا ادراک کرے گا۔ مختصر یہ ہے کہ اس کی لطافتیں اس سے کہیں زیادہ بلند ہیں کہ اس فضول گو کی زبان پر جاری ہیں۔ اور اس کی خوبیاں اس سے کہیں برتر ہیں کہ اس بوالہوس کا قلم اس کی ترجمانی کا خیال کرے۔لیکن اس دولتِ عظمیٰ کے اہل حضرات کے پاکیزہ انفاس سے بہت امیدیں اور ان کی محبت و خدمت کی برکت سے بہت بشارتیں رکھتا ہوں۔

چکد تراز دو ستم گر آں گیسو بچنگ افتد — دمد صبح از گریبانم گر آں مہ در کنار آید

﴿ اگر وہ گیسو میرے پنجے میں آجائیں تو میرے ہاتھ پر مشک ٹپکنے لگیں۔ اگر وہ محبوب میری آغوش میں آجائے تو میرے گریباں سے صبح طلوع ہو جائے ﴾

سبحٰن ربك رب العزة عما یصفون ۔ وسلام علی المرسلون ۔ والحمد للّٰہ رب العلمین

﴿تیرا رب، جو کہ عزت والا رب ہے، ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں، اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔﴾

(الصّٰفّٰت ۔۱۸۲۔۱۸۱۔۱۸۰)

آپ بزرگوار کی عام شفقتوں سے امید ہے کہ اس کے بعد گفتگو کے دروازے کو اس فرقت زدہ گنہگار پر بند کر دیں گے اور چھوڑ دیں گے کہ نامرادی کے گوشہ میں اپنے گناہوں کا ماتم اور جدائی کا غم رکھتا ہے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

باب پنجم

رسالۂ سید

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

سرورِ وحدت

ترجمہ: "نُورِ وحدت"

رسالۂ سید

حضرت باقی باللہ جو دنیائے تصوف میں بڑے پائے کے بزرگ گزرے ہیں، ان کے صاحبزادے حضرت عبید اللہ نقشبندؒ عرف خواجہ خردؒ کی تصنیف لطیف "نُورِ وحدت" ایک قلمی رسالہ فارسی میں ہے۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت خواجہ خردؒ نے یہ رسالہ کن بزرگ کے لئے تحریر فرمایا تھا۔ تاہم قیاس کیا جاتا ہے کہ کسی سیدزادے کیلئے آپ نے یہ رسالہ لکھا تھا کیونکہ رسالہ میں "اے سید" لکھ کر ہر مسئلہ وحدت کو آپؒ نے بیان فرمایا ہے۔ اب اس کتاب "نورِ وحدت" کا ترجمہ **"سرورِ وحدت"** پیش کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب جناب محمد ﷺ کے صدقہ میں قبول فرمائے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ الحمد للّٰہ کہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے اور ہر دم کثرت کے آئینے میں وحدت کا جمال نظر آرہا ہے۔ یہ رسالہ تیری حقیقت سے تیرے لئے لکھا جارہا ہے۔ تجھے چاہیے کہ ہمت کی آنکھ سے اس کا مطالعہ کر۔ ایسا مطالعہ کہ جس سے میں یہ جان لوں کہ ہاں تو مجاز سے حقیقت کو پہنچ گیا ہے۔ اور وہمی دوری درمیان سے اٹھ گئی۔

اے سید!

ایک امر دوری کی خبر دیتا ہے اور اس کی کوئی وجہ ہے۔ اور دوسرا قرب کا پتہ دیتا ہے، اس کا بھی ایک سبب ہے۔ تیری ہی حقیقت ہے جو اس رسالہ کی زبان ہو کر تجھ سے گفتگو کر رہی ہے۔ ہر وحدت اطلاع دیتی ہے کہ وہاں دوری ہے نہ نزدیکی اور جب وحدت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے تو دوری اور نزدیکی عین وحدت ہو جاتی ہے۔

اے سید!

ایک فرقہ دوسرے فرقے سے لڑائی جھگڑے میں ہے۔ مگر صرف وحدت والے ہی ایسے ہیں جو سب کے ساتھ یکساں ہیں۔ اگر چہ کوئی ان کے ساتھ یکساں نہیں ہے۔

اے سید!

وہ بھی وحدت والے ہیں جو مختلف مذہبوں، مختلف مشربوں اور عبرت آمیز جھگڑوں کو لبیب روحانی اور مذہبی عام حالت میں (ڈھال کر) وجدانی (رنگ میں) جھگڑتے ہیں۔ ان کا اس مذہب اور مشرب کے سوا ایک اور مذہب اور مشرب ہے جس میں اس قسم کے جملے گفتگو میں آتے ہیں اور کہے جاتے ہیں کہ متکلم نے اس طرح کہا اور حکیم (فلسفی) نے اس طرح اور صوفی نے اس طرح۔

اے سید!

وحدت باطن کی کثرت ہے اور کثرت ظاہر کی وحدت۔ دونوں کی حقیقت ایک ہے۔

اے سید!

ایک ہی ہے جو کثرت کی موہوم صورتوں میں نظر آتا ہے۔

اے سید!

تُو وحدت سے کثرت میں لایا گیا ہے۔ ایک سے دو دکھلائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے خاص بندے اسی کے حکم سے اس حکمت کی وجہ جانتے ہیں اور تجھ کو ایسا (ازلی) مست بنایا ہے کہ ازلی وحدت کی بھی تجھ کو خبر نہیں اور تجھ میں اس حالت کا اب کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ تمام عالم کو وحدت سے کثرت میں لایا ہے اور اس کے بعد اس نے اپنے بعض بندوں کو بغیر کسی واسطے کے اپنا کرلیا۔ اس کے بعد کثرت سے وحدت کی تعلیم دے کر کثرت میں بھیجتا ہے۔ یہ کثرت میں جیسی وحدت دیکھتے، ان سے ویسا ہی دوسروں کے طریقہ تعلیم کیلئے بھی فرما دیا ہے۔ انہوں نے

(صوفیاء نے) اس حکم کی تعمیل کی اور اس طریقے کا اعلان کر دیا۔ جو اس راستے پر چلا اور جس نے اس جماعت (انبیاء و اولیاء) کی پیروی کی، وہ کثرت سے وحدت میں آ گیا۔ یعنی دوئی سے وحدت والوں کی جماعت میں آ گیا۔ یہی انبیاء کی اصل جماعت ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ شریعت اور طریقت تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے۔

اے سید!

چند کاموں کے اختیار کرنے اور چھوڑ دینے کا نام شریعت ہے۔ جس کا فقہ کی کتابوں میں مفصل بیان موجود ہے۔ اخلاق درست کرنے کو طریقت کہتے ہیں۔ یعنی بری عادتوں کو اچھی عادتوں سے بدل دینا۔ اسی کو سفر در وطن اور سلوک بھی کہتے ہیں۔ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے اور بعض آداب و اشغال جن کو مشائخ نے ترتیب مرتب کیا ہے، وہ بھی طریقت میں داخل ہیں۔

اے سید!

اگر چہ شرع کے احکام کا منشا دوئی ہے مگر ان میں ایک خاصیت یہ ہے کہ وہ وحدت سے ملا دیتے ہیں۔ اس کا بھید خدا اور اس کے خاص بندے ہی جانتے ہیں۔ پس وہ عمل جن میں کثرت پائی جائے، وہ درحقیقت وحدت کی طرف متوجہ کرنے والے ہیں، کیونکہ کثرت عین وحدت ہے۔ یعنی یہاں غور سے کام لینا چاہیے۔

اے سید!

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ نیز اسی قسم کی اور چیزیں، یہ سب اپنی خاصیت میں وحدت سے ملا دینے والی ہیں۔ (لیکن اس کیلئے) مقرر کی ہوئی شرطوں کے ساتھ ایک وہ وقت ہوتا ہے کہ اس وقت دل خاص اللہ کیلئے محبت میں غرق ہوتے ہیں۔ اس مقام میں لفظ "الٰہ" کے معنی ہر شخص پر نہیں کھلتے، گو ہر شخص اپنی سمجھ کے موافق سمجھتا ہے۔ وحدت کے طلب کرنے والے کیلئے جو چیز ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ (سالک) یہ تصور کرے کہ میں (اللہ ہی کیلئے) نماز، روزے کا پابند ہوں (نہ کہ حوروں یا جنت کیلئے) کیونکہ خدا ان سب سے اعلیٰ ہے، وہی مطلوب ہونا چاہیے۔ (اور جب خدا مطلوب ہوا تو اب اس کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز کی کیا ضرورت ہے) ۔یا سالک کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ ہم اپنی حقیقت کی بازیافت کیلئے نماز پڑھ رہے ہیں کیونکہ ہم اس کو کھو بیٹھے ہیں اور اب چاہتے ہیں کہ وحدت کے ذریعے اللہ تجلی فرمائے۔

اے سید!

وہی عابد ہے، وہی معبود ہے، (یعنی) وہ مرتبۂ تقید میں عابد ہے اور مرتبۂ اطلاق میں معبود۔ مدارج میں مرتبوں کی تمیز کرنا عقلی باتوں کے نتیجے ہیں۔ (مگر حقیقت یہ ہے کہ) صرف ایک ہستی کے سوا کوئی اور موجود نہیں ہے۔ پس سمجھ لینا چاہیے، یہی بات سمجھ لینے کی ہے۔

اے سید!

برے اخلاق کو کسی طرح بہتر تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ طریقت میں ان کا دور کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ برے اخلاق دشمنی اور دوئی سے پیدا ہوتے ہیں اور اچھے اخلاق جن کا حاصل کرنا فرض ہے، وہ تمام روحانی پروفیسروں کے بیان کے موافق اتفاق، یکجہتی اور محبت سے پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا وحدت طلب کرنے والے کو اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ اچھے اخلاق اختیار کرے (کیونکہ عمدہ اخلاق پر ہی وحدت کا دارومدار ہے)۔ ابتداً اگر چہ (سالک) کو اس کا پتہ نہیں چلتا کہ وحدت سے شریعت کا کیا تعلق ہے، لیکن چند روز میں (سالک) کو تھوڑا سا تفکر کرنے پر مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے، جیسا کہ ہم اس کا طریقہ بتا چکے ہیں۔

اے سید!

بزرگوں نے سلوک کیلئے جتنے مراقبے، ذکر، شغل اور توجہ کے طریقے بتائے ہیں، وہ سب اسی وہمی دوئی کے دور کرنے کیلئے مقرر کیے ہیں۔ میں آگاہ کرتا چلوں کہ خلق کی کثرت میں اور حق کیلئے وحدت میں (حدّ) فاصل وہم اور خیال کے سوا کوئی چیز نہیں۔ جو بظاہر کثرت نظر آرہی ہے وہ درحقیقت وحدت ہے۔ ایک ہی چیز ہے جو کثیر نظر آرہی ہے۔ جیسے کہ احوال (بھینگے کو) ایک کے دو دکھائی دیتے ہیں۔ یا اس طرح سمجھیے کہ کسی چیز کو تیزی کے ساتھ چکر دیا جائے تو وہ دائرہ کی شکل میں نظر آتی ہے۔ حالانکہ دائرہ نہیں ہوتا صرف ایک چیز ہوتی ہے۔ (اس عالَم کثرت کی یہی مثال ہے)۔ یا جس وقت زور سے پانی برستا ہے تو آسمان سے زمین تک سیدھی پانی کی لکیر آتی معلوم ہوتی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک ایک قطرہ علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے جو اپنی تیزی میں گرمی کی وجہ سے اس شکل میں دکھائی دیتا ہے۔

اے سید!

ایک بڑے پائے کے صوفی کا قول ہے کہ : **"صحیح معنوں میں لفظ خیال کا اطلاق (صرف) درویش پر ہو سکتا ہے۔"** سبحان اللہ کیا نادر بات فرمائی ہے۔

اے سید!

جب (دوئی کے) خیال کے سوا اور کوئی چیز حجاب نہیں تو اس حجاب (دوئی کے خیال) کے دور کرنے کیلئے اس سے بہتر کوئی اور تدبیر نہیں کہ دن رات وحدت ہی کے خیال میں غرق رہے۔

اے سید!

اگر سرداری کی آرزو ہے تو ایک بننا چاہیے اور ایک ہی کا ہو کر رہنا چاہیے۔ دوئی کے وہم سے نکل جاؤ (اور) ہمیشہ وحدت میں غرق رہنا یہی (واحد) ایک ہونا ہے۔ جب تک دوئی ہے، دل سے رنج و غم دور نہ ہوگا اور جب دوئی دور ہو جائے گی تو پھر کوئی کھٹکا نہیں (اور) آرام ہی آرام ہے۔ اسی لئے جنابِ باری تعالیٰ نے اولیاء اللہ کیلئے فرمایا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

"خبردار ہو کہ اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں"

اگر توحید کا خیال مستقل طور پر جم گیا، حال ہو گیا تو پھر نہ کسی بات کی فکر ہے نہ کسی بات کا غم۔ ایسا شخص دو جہان کے بکھیڑوں سے آزاد اور اطمینان میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ توحید کے سوا کسی اور حالت میں آرام و اطمینان نہیں۔

اے سید!

جب توحید کی حقیقت کھل جائے گی اور سالک وحدت صفت ہو جائے گا، تب اس کو معلوم ہوگا کہ حقیقت سے اس کو جو نسبت تھی، سلوک کے بعد اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ اب بھی اس کو وہی نسبت ہے جو سلوک سے پہلے تھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہم کچھ بات بھول گئے تھے جو اب یاد آ گئی۔ بلکہ اپنے وجود سے پہلے حق سے جو نسبت تھی، وہی وجود میں آنے کے بعد ہے۔ جو عرفان اور یقین خدا کی عنایت اور بزرگوں کی توجہ اور تصرف سے عنایت ہوتا ہے، آگ، پانی (نفسانیت) میں یہ قوت نہیں کہ اس کو دور کر سکے۔ کیونکہ ازل سے ابد تک حق ہی حق ہے۔ بس کوئی اور نہیں۔ (جھوٹی بھوک قابلِ اعتبار نہیں ہوا کرتی)۔ زید کو ایک بیماری تھی، وہ یہ کہ وہ اپنے آپ کو ایک عرصے تک "عمر" سمجھتا رہا اور زید کی تعریفیں سن سن کر اس کی جستجو شروع کی۔ جب اس کی بیماری کا عمدہ علاج ہوا اور جھوٹا وہم دور کیا گیا تب اس کو معلوم ہوا کہ میں تو خود "زید" ہوں، عمر کا کہیں پتہ بھی نہیں۔ پھر اس کی تلاش کیسی؟ تیس مرغ اڑے، مگر جب وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچے تو انہوں نے اپنے آپ کو سیمرغ پایا۔ کوئی پرند جب آسمان کی طرف اڑتا ہے تو اڑتے وقت اس کا سایہ بھی ساتھ ہوتا

ہے لیکن جس قدر بلند ہوتا جاتا ہے، اسی قدر اس کا سایہ غائب ہوتا جاتا ہے۔یہی حال جسمانیت کا ہے کہ جب روحانی طیران نصیب ہوتا ہے تو رفتہ رفتہ جسمانیت سے بالکل تعلق باقی نہیں رہتا اور جسمانیت ہی کثرت کا سبب ہے۔جب جسمانیت ہی باقی نہ رہی تو پھر وحدت ہی وحدت ہے۔حق اپنی صفتوں سے خوب واقف ہے۔اس نے (اپنی حکمت سے) مختلف چیزوں میں اپنی صفتوں کو ظاہر کیا ہے۔اس عالم میں غیر کہاں ہے۔یہاں غیر کی گنجائش ہی نہیں پھر غیر کا کیا ذکر؟

اے سید!

جب اس طرح حقیقتِ حال معلوم ہوگئی تو اب یہ سمجھ لینا چاہیے کہ دوری اور منزلوں کا فاصلہ، یہ سب وہم ہے۔دور کون ہے؟ جس کی نزدیکی حاصل کی جائے اور جدا کون ہے جس کے وصل کی آرزو کی جائے۔(مگر یہ ان حضرات کا مرتبہ ہے جو اپنا سلوک ختم کر چکے ہیں)۔اس میں غور کیا جائے تب بھی حقیقتِ مطلقہ کے سوا (جو عین وحدت ہے) کوئی ذات، کوئی صفت، کوئی حیثیت، کسی سمت بھی، عام اس سے کہ خارجی ہو یا ذہنی یا وہمی، نہ پائی جائے گی۔جو کچھ سمجھ میں آئے گا، وہ ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔کیونکہ اس کے سوا کوئی موجود بھی نہیں۔وہی سب کچھ ہے اور سب کچھ وہی ہے۔اور وہ ایسا سب کچھ ہے کہ ہمارے کچھ نہ ہونے کو گھیرے ہوئے ہے۔

وسع کرسیه السموات والارض

اے سید!

جو کچھ سمجھ میں آئے اور جو سمجھ میں نہ آئے، وہ بھی وہی ہے۔اور جس کو اس کا ظہور کہتے ہیں، وہ اس کا ظاہر ہے اور جس کو اس کا عدم کہتے ہیں وہ اس کا باطن ہے۔(ایک ذات ہے) کہ اول بھی ہے، آخر بھی ہے، باطن بھی ہے ظاہر بھی ہے، مطلق بھی ہے مقید بھی ہے، جزوی بھی ہے کلی بھی ہے، منزہ بھی ہے مشبہہ بھی ہے۔ هو الاول والآخر هو الظاهر والباطن۔

اسے محض مطلق مت کہو کہ مقید آپ ہوا ہے وہ   وہی ایک ہے کہ بنا ہے دو، نہ خفی ہے وہ نہ پدید ہے
(شاہ تراب قلندر)

دوسری جگہ فرماتے ہیں

آنکھ موندی تو سیر کی عدم کی، گم ہے وجود   آنکھ کھولی تو وہی ہے ظاہر و باطن میرا

منزہ اور مشبہہ سے تنزیہہ اور تشبیہہ سے مراد ہے یعنی حق کو تمام عیبوں اور نقائص سے پاک جاننا یہ تنزیہہ ہے۔اور حق کو باوجود تنزیہہ کے عالم کے ہر ہر ذرے میں جلوہ گر دیکھنا یہ تشبیہہ ہے۔

اے سید!

سب اس کے ساتھ ہیں اور وہ سب کے ساتھ ہے (باوجود اس کے کہ وہ سب کے ساتھ ہے مگر سب سے پاک ہے۔اس اطلاق کی سرحد اُس اطلاق سے، جس سے کہ وہ خود سب کچھ ہے، بالکل علیحدہ ہے اور اس اطلاق کی کنہ کو کوئی کشف، کوئی عقل، کوئی سمجھ نہیں پہنچ سکتی۔"یحذر کم الله نفسه" ۔اسی جگہ سے ارشاد فرمایا گیا ہے۔(پوری آیت یہ ہے کہ: "یحذر کم الله نفسه والله رؤف بالعباد"، ﴿اللہ تم کو اپنے نفس سے ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے﴾)

اللہ کا نفس (یعنی غیب الغیب) عالم کی تخلیق کا راز ہے، اسی لئے وہ ڈراتا ہے۔یعنی اس مقام پر نیکی بدی، رحم ظلم، جائز و ناجائز سب کا ایک ہی وجود فاعل ہے۔لیکن اس مقام پر جو لوگ اللہ کو قصور وار ٹھہراتے ہیں ان ہی کیلئے ڈر ہے اور ان ہی کو اللہ ڈراتا ہے۔جو لوگ اللہ کو قصور وار نہیں ٹھہراتے بلکہ

اپنے آپ کو قصوروار ٹھہراتے ہیں، ان ہی پر اللہ مہربان ہے۔ اور محبت کے معنی بھی یہی ہیں کہ عاشق ہر حال میں اپنے آپ کو خطا کار سمجھے نہ کہ معشوق کو۔

اے سید!

اس کا شہود مرتبوں میں ظہور ہے اور کبھی وہ (حق) مرتبوں کی قید سے بھی آزاد ہوتا ہے اور حق کی یہ تجلی اُس بجلی کی طرح ہوتی ہے جس سے آنکھیں جھپک جایا کرتی ہیں اور اس تجلی کیلئے ہمیشہ ناممکن ہیں (کیونکہ ایسی صورت میں حق کو تقید لازم آئے گا حالانکہ حق قید سے آزاد ہے)۔ اس کا حصول ہمیشگی نہ ہونا اور انسانی جامعیت کا مقتضےٰ ہے جو حق کا پورا پورا مظہر ہے۔

اے سید!

اس سے بالاتر عارف کیلئے کوئی مقام نہیں۔ یہاں فنائے کلی اور صرف عدم ہے اور قیامت کلیہ کی قسموں سے ہے۔

اے سید!

یہ معارف اس جگہ محض سلسلۂ بیان کی وجہ سے بیان کر دیے گئے ہیں ورنہ سالک کیلئے وہی وحدت کا تفکر جو پہلے لکھا گیا ہے، بہترین چیز ہے۔ اسی لئے دن رات اسی ادھیڑ بن میں لگا رہنا چاہیے تا کہ وہی کثرت کی وقعت جو غیریت کے عنوان سے نظر آتی ہے، نظر سے گر کر وحدت کا آئینہ بن جائے اور سالک ایک کے سوا نہ کچھ پڑھے، نہ دیکھے، نہ جانے۔

اے سید!

ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ " لا الٰہ " ۔ یہ سمجھے کہ جو کچھ نظر آرہا ہے، کچھ نہیں۔ اور یہ کچھ نہ ہونا ان معنوں میں ہوگا کہ یہ تمام موجودات ذاتی طور پر بالکل ہی نہیں ہیں (یہ تو نفی ہوئی)۔ اب " الا اللّٰہ " سے اثبات ہوگا۔ یعنی ذات کی وحدت ان چیزوں کی شکلوں سے ظاہر ہے اور آنکھیں اس کو دیکھ رہی ہیں۔

پس چیزیں (درحقیقت) باطن ہیں اور وہ (یعنی حق) اشیاء (چیزوں کی شکلوں) کے لباس میں ظاہر ہے۔ بلکہ اشیاء کی ظاہری اور باطنی دونوں حالتوں سے حق ظاہر ہے اور اشیاء میں ظاہر باطن (حق) کے سوا کوئی چیز نہیں۔ (کیونکہ) اگر ان شکلوں میں حقیقت ظہور نہ کرتی تو یہ وجود ہی میں نہ آتیں)۔ اسی طرح عارف کی نگاہ میں کوئی چیز نہیں بلکہ حق ہے۔ ہر چیز کیلئے اس کا نام محض یادداشت اور عارضی طور پر رکھ لیا گیا ہے۔ مگر یہ عارضی طور پر نام رکھنا حقیقت سے خالی نہیں۔ جب حقیقت سے خالی نہیں تو یہ بھی حق ہے۔

اے سید!

مراقبہ کا طریقہ پہلے فقروں سے مختلف طور پر پہچانا جاتا ہے۔ عبادت کا مراقبہ معنیٔ وحدت کے ملاحظہ پر موقوف ہے۔ جس صورت سے چاہے مراقبہ کرے (مگر وحدت مدِ نظر رہے)۔ اگر تعقل کے ذریعے الفاظ اور تخیل سے حق کا مراقبہ کرے تو اس کو ذکر کہتے ہیں چاہے وہ کلمہ " لا الٰہ الا اللّٰہ " سے ہو یا لفظ " اللّٰہ " سے اور اگر الفاظ کے تخیل سے حق کا مراقبہ کیا جائے تو اس کو توجہ کہتے ہیں۔ اس کی بہت سی وجہیں ہیں جو بزرگوں کی کتابوں سے معلوم ہوسکتی ہیں۔ توجہ کا صرف یہ مقصد ہے کہ وحدت کے معنی دل پر جم جائیں اور ذکر سے یہ غرض ہے کہ تصور کے ذریعے دل کو حقیقتِ قلبیہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے۔ اس طرح پر کہ وہ قلبی حقیقت، حق کی مظہر ہے۔ اور پھر اس پر لفظ " اللّٰہ " کا خیال جمایا جائے (یعنی دل جو صنوبری شکل کا ہے اس پر سنہرے لفظوں میں "اللہ" لکھا ہوا سمجھنا چاہیے)۔

اے سید!

اگر کوئی اپنی طرف متوجہ ہو تو یہ توجہ آسانی سے قائم ہوسکتی ہے۔

اے سید!

اصل میں روح کے اثر سے آپ کے (بدن) جسم نے یہ صورت اختیار کر لی ہے ورنہ (روح) کے سوا کچھ بھی نہیں بلکہ یہ جسمی اور روحی صورتیں وہی ہیں۔ جب آپ اللہ کے خیال میں غرق ہو جائیں گے اور اس کی حقیقت کی طرف جو صورت اور بدن سے ظاہر ہے، متوجہ ہو جائیں گے تو پھر آپ پر ساری حقیقت کھل جائے گی (اور آپ کو معلوم ہو جائے گا) کہ میں وہی ہوں۔ امید ہے کہ کثرت میں وحدت کا شہود نصیب ہو جائے گا۔

اے سید!

جو کچھ نظر آئے، اس کی بابت خیال کرنا چاہیے کہ گویا ایک شکل ہے، ایک روح ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت سے خالی نہیں، وہ صورت **ناسوت** ہے، اس کی روح **ملکوت** اور اس کی حقیقت **جبروت** اور **لاہوت** ہے۔ حق کی ذات اور صفتیں اور بھی ہیں (یعنی ایک ہی وجود، ایک ہی ہستی، ایک ہی حقیقتِ مطلقہ ہے جس نے اپنے تعین، اتنی شکلیں اختیار کر لی ہیں۔ "**حقیقتِ مطلقہ**" غیب الغیب کو کہتے ہیں اور غیب الغیب ایسا نقطہ ہے کہ آدم اور عالم جس کی تفصیل ہے یعنی یہی نقطہ انفس میں انسانِ کامل کا دل ہے جس میں حق کی سمائی ہے اور پھر یہی آفاق میں خود انسانِ کامل ہے جس میں عبد سمایا ہوا ہے۔ اس طرح دل وہی ہستی ہے جہاں الوہیت اور عبودیت کی سرحدیں مل جاتی ہیں۔

اے سید!

"**جبروت**" صفات ہے اور "**لاہوت**" ذات اور صفات (دونوں ہے)۔ غرض ذات کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ (کیونکہ ذات سے صفات جدا نہیں ہوا کرتیں)۔ ہاں کشف اور شہود میں اعتباری غیریت جلوہ گر ہوتی ہے (لیکن وہ بھی مقامِ حصول میں ذاتی اور صفاتی تجلیوں سے ہو جاتی ہے، ہم نے اس جگہ عینیت کے اعتبار سے ذات وصفات کو ایک ہی مرتبہ میں لیا ہے)۔

اے سید!

عالم حق کا علم۔ یہ ذاتی تجلی ہے جو الف کی شکل میں ظاہر ہے اور علم عین ذات ہے (اس کی کھلی مثال آگے آتی ہے)۔

اے سید!

حقیقتِ مطلقہ کے ظہور کی کوئی انتہا نہیں ہے، تاہم اس کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) عالم کا اجمالی ظہور

(۲) عالم کا تفصیلی ظہور

(۳) روحانی شکلوں کا ظہور

(۴) مثالی ظہور

(۵) جسمانیت کا ظہور

اور اگر انسانی ظہور کو الگ گنا جائے تو 6 قسمیں ہوں گی، اور ان ظہورات کو "**تنزلاتِ ستہ یا تنزلاتِ خمسہ**" بھی کہتے ہیں۔

(۱) **(اخفیٰ اور انا)** یعنی **احد، غیب الغیب، قلندر، محض ذات**۔ اسی کو **ہاہوت** بھی کہتے ہیں۔

(۲) **(سر)** یعنی **احدیت** اسی کو **لاہوت** بھی کہتے ہیں۔

(۳) **(روح)** یعنی **وحدت** اسی کو **جبروت** بھی کہتے ہیں۔

(۴) **(قلب)** یعنی **واحدیت** اسی کو **ملکوت** بھی کہتے ہیں۔

(۵) (جسمِ انسانی) یعنی **نفس و آفاق** اسی کو ناسوت بھی کہتے ہیں ۔
با اعتبارِ ظاہر ، ایک سے لے کر پانچ تک کُل آفاق ہے ۔ اس طرح یہ چھٹا تنزل ہوا اور با اعتبارِ باطن پھر بھی ''کُل آفاق'' نمبر ایک سے لے کر چھ تک ''نفس'' ہوا، یہ ساتواں تنزل ہوگیا ۔ اس طرح تنزلاتِ ستہ کی بھی تعریف ہوگئی ۔

اے سید!

انسان مختلف ظہوروں کا جامع ہے اور جامعیت کا بیان سینکڑوں طرح ہوسکتا ہے ۔ بات یہ ہے کہ انسانی حقیقت تمام مرتبوں میں ہر مرتبے کی مناسبت سے ظاہر ہوتی ہے اور تمام حقیقتیں اسی ایک حقیقت کی شکلیں ہیں ۔ اور یہ حقیقت حقائق کے مرتبے میں (سب سے مقدم) ہے ۔ اگرچہ بظاہر سب سے آخر اور پوشیدہ نظر آتی ہے ۔

اے سید!

آپ کیلئے جو چیز ضروری ہے، وہ وحدت کا لینا ہے ۔ اسی خیال میں ہمیشہ مراقبہ کرتے رہنا چاہیے ۔ پہلی ہی مرتبہ ہر معرفت کا تفصیل وار حاصل ہونا ضروری نہیں ہے ۔ جب جنابِ باری کی عنایت سے توحید دل نشین ہو جاتی ہے اور دوئی کا حجاب اٹھ جاتا ہے تو پھر اپنے آپ سب صاف صاف نظر آنا شروع ہو جاتا ہے اور مغالطہ ہونا ہی نہیں ۔ جب تک نظر میں کثرت کا اثر اور دوئی کا وہم باقی رہتا ہے، صحیح معنوں میں ہرگز معرفت حاصل نہیں ہوسکتی ۔

اے سید!

(اس سلوک میں) اسی توحیدی مراقبہ کی ریاضت اپنے اوپر لازم کرلینا چاہیے اور اپنی سانس کو (اسی توحیدی مراقبہ میں) مصروف رکھنا چاہیے تا کہ باطل کا خیال دور ہو جائے ۔ (اس کا طریقہ یہ ہے کہ اندر سے آتی سانس جب باہر چھوڑے تو اس سانس میں " ھُــو " کہہ کر چھوڑے اور منہ سے سینے تک جب سانس لائے تو اس میں ''اللہ'' کہے ۔ اسی طرح جب سانس واپس کرے تب بھی یہی عمل ہو) ۔ غرض ہر دم " اللہ ھُو " یا " ھُو اللہ " کہتا ہوا آتا جاتا رہے ۔

اے سید!

جب تک توحیدی خیال نہ جم جائے اور آپ اس توحیدی رنگ میں رنگ نہ جائیں، آپ کو کسی اور طرف متوجہ ہونا ہی نہیں چاہیے ۔ اور جب توحیدی مراقبہ پختہ ہو جائے گا اور دوئی بالکل دور ہو جائے گی، پھر کوئی آپ کیلئے سدِ راہ نہیں ہوسکتی ۔ کیونکہ وہمی خیال باطل ہے ۔ وہ موجود (یعنی حق) کو کس طرح روک سکتی ہے ۔

اے سید!

حق کو عالم سے اس طرح نسبت ہے جیسے پانی کو برف سے، بلکہ اس سے زیادہ قریب جاننا چاہیے یا اس طرح سمجھیے کہ سونے کے زیور کا سونے سے جو تعلق ہوتا ہے، وہی حق کو عالم سے تعلق ہے ۔ یا مٹی کے برتنوں کو مٹی سے جو کچھ تعلق ہے، وہی حق کو عالم سے تعلق ہے ۔ ان سب میں ایک ہی نسبت ہے ۔

اے سید!

کلمۂ مِن اور کلمۂ الٰی نے حق اور عالم میں رابطہ پیدا کر دیا ہے کیونکہ عالم حق کے بغیر ناشئے ہے ۔ عالم اسی طرف جانے والا ہے اور اس کا صادر اور رجوع ہونا ازلی، ابدی اور تمام زمانی نشانیوں پر موقوف ہے ۔ کیونکہ ان تمام صورتوں میں عالم وہی اپنی حقیقت کی طرف لوٹتا ہے اور حقیقت ہی سے صادر ہوتا ہے، جس طرح دریا کی موج (جو دریا ہی سے نکلتی ہے، پھر اسی دریا میں واپس چلی جاتی ہے) ۔ اور اسی طرح "فی" والا کلمہ بھی ہے، کیونکہ عالم حق

میں ہے اور حق عالم میں ایک حیثیت سے اس کا مظہر ہے اور ایک اعتبار سے وہ اس کا مظہر ہے۔ اسی طرح "مــــــع " کا کلمہ بھی ہے جس سے حق کی ذاتی اور صفاتی معیت تشبیہاً سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح "ھُــو " کا کلمہ ہے۔ کیونکہ (توحید وجودی کے اعتبار سے) عالم عین حق ہے اور حق عین عالم ہے۔ اور اسی طرح "لیس " کا کلمہ بھی ہے جس سے ایک حیثیت سے عالم، عالم اور حق، حق (مگر) نہ عالم حق ہے اور نہ حق عالم۔

اے سید!

حق ایک حیثیت سے تمام رابطوں سے پاک ہے۔ اسی طرح حق اور عالم کے درمیان (کوئی) رابطہ نہیں ہے۔ اس حیثیت کو اور اعتبار کو لاتعین کہتے ہیں۔

اے سید!

جس نے حق کو اس صورت سے نہ پہچانا، اس کا عرفان صرف امکانی صورتوں تک محدود رہا۔

اے سید!

پہلے سالک کو اسمِ ظاہر کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور یہ پورے طور پر یقین کر لینا چاہیے کہ وہی سب میں جلوہ گر ہے اور کوئی ہستی ان معنوں سے خالی نہیں (یعنی ایک نقطہ کو لے لیجیے۔ وہی ہے جو الف سے لے کری تک معنی اور بے معنی تمام حروف سے الفاظ میں موجود ہے۔ یہی ایک نقطہ حقیقت ہے اور یہ حروف یا الفاظ اس کی شکلیں ہیں)۔ اسے دوبارہ محض تاکیدی طور پر بیان کرنا اس لئے مقصود ہے کہ وحدت (کا مراقبۂ تفکر) آپ اپنے اوپر لازم قرار دے لیجیے اور اپنے آپ کو اسی فکر میں بالکل گم رکھیے۔ جب آپ بالکل غرق ہو جائیں گے تو پھر باطنی اسم (اللہ) سے بھی باخبر ہو جائیں گے۔

اے سید!

عبادت، اطاعت اور اذکار اشکال میں چاہیں لاکھوں برس صرف ہو جائیں، لیکن اگر کوئی شخص توحید سے غافل ہے تو وہ (معشوقِ ازل کے) وصل سے محروم ہے، چاہے اس کو عجیب عجیب کیفیتیں اور حالتیں، نادر واقعات (باطنی انوار) نظر آتے ہوں۔ جب تک صحیح معنوں میں توحید اور عرفان کا رنگ نہ چھا جائے، کچھ نہیں۔ حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

سیرِ زاہد ہر مہے یک سالہ راہ   سیرِ عارف ہر زماں تا تختِ شاہ

اے سید!

وہ حال جو آپ پر وارد ہو اور اس کا ثمر وحدت نہ ہو تو درحقیقت وہ وصول الی اللہ کیلئے کار آمد نہیں ہے (کیونکہ) جو کچھ ظاہر ہوا، وہ مراتب ظہور کا ایک مرتبہ ہے نہ کہ حقیقی مقصود جو مطلق (اور مقید) سب میں ظاہر ہے۔ وہی سب کا عین ہے گویا (ان افکار، اشکال اور عبادتوں سے) ایسی بات حاصل ہو جاتی ہے کہ جس سے محض چیزوں پر اطلاع ہوتی ہے (لیکن) یہ منزل مقصود نہیں۔

اے سید!

(عرفانی) معاملہ کی حقیقت کیلئے پہلے مطلق ضروری تاکہ مبالغہ رہے۔

اے سید!

تفرق اور جدائی اس وقت تک ہے کہ جب تک آپ کے دل اور نظر میں ایک ہی ایک نہ سما جائے۔ اور جب سب کو ایک ہی جانا اور سمجھا تو پھر دوئی سے چھٹکارا ہو گیا۔ اور یہی وصل عریاں ہے۔

اے سید!

آپ نے جب سب کو ایک دیکھا تو پھر سب رہے کہاں؟ بلکہ ایک ہی رہ گیا۔

اے سید!

آپ کے اور آپ کے مقصود کے درمیان میں کوئی فاصلہ نہیں، اگر فاصلہ ہے تو صرف اتنا کہ آپ اس کو خود سے جدا سمجھ رہے ہیں۔ اور جب آپ نے جان لیا کہ آپ آپ نہیں ہیں (بلکہ) وہی (یعنی حق) ہے تو پھر کوئی فاصلہ نہ رہا۔ دل کی جمعیت، نفس کی معرفت، آزادی، حق، فنا اور قرب کا کمال، یہ سب مرتبے اسی وقت حاصل ہو جائیں گے اور سلوک ختم ہو جائے گا۔

اے سید!

جب اس مقام پر پہنچ گئے کہ اپنا وجود اپنی نظر میں نہ رہا اور حق ہی حق اپنی نظر میں سمایا ہوا ہے تو پھر آپ کیلئے (آرام، یکسوئی اور) اطمینان ہے۔ اب دنیا اور آخرت آپ کے حق میں بالکل ایک ہو گئی۔ فنا، بقا، خیر، شر، وجود، عدم، کفر، اسلام، مرنا، جینا، عبادت، گناہ، یہ سب پیچھے رہ گئے اور حق ہی حق جلوہ گر ہو گیا اور سمجھا دیکھا تو زمان و مکان کی مسرت آمیز آنکھیں منور ہو گئیں۔ دیر و حرم کی قدر ہماری نگاہ میں پسماندگانِ راہ کی منزل سے کم نہیں۔

اے سید!

جب آپ نہ رہے تو کوئی چیز نہ رہی جس سے کہ آپ کو کچھ خطرہ یا کھٹکا ہو۔ یہ تمام چیزیں آپ ہی میں ہیں اور کسی چیز کا آپ کے باہر کوئی وجود نہیں۔ جب آپ نے اپنے آپ کو سب سے خالی کر دیا، کچھ نہ رہا۔

اے سید!

(سکر) حق کے بغیر آپ کا وجود، وجود نہیں۔ تمام چیزیں آپ ہی میں موجود ہیں۔ جب آپ اپنے آپ کو لے چلے اور آپ نے اپنے آپ کو اس دریائے بے کراں (حقیقت کے دریا) میں ڈال دیا تو سب چیزیں گم ہو گئیں۔ حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

چوں حباب از قید خو دوامی شد　　　　راست می گویم کہ دریا مے شد

اے سید!

اگر آپ میں (انانیت) انا دم مارے اور یہ انانیت نیکی لیے ہو تو وہ انانیت آپ سے نہیں اور آپ اس انا کا جسم یا روح نہیں ہیں بلکہ تمام عالم میں انا کہنے والا ایک ہی ہے۔ سب جگہ اسی کی انانیت جلوہ گر ہے۔ (اور، میں، میں کہلوا رہی ہے) حقیقتِ مطلقہ سے ملنے کی علامت یہ ہے کہ آپ کی انانیت آپ پر شورش برپا کرے اور بے تکلف ہر چیز پر اس کا اطلاق ہو اور سب چیزوں کو انا سے یاد کرے (یعنی ہر بات پر میں، میں کہنا خودی سے خالی نہ ہو) تو سمجھنا چاہیے کہ انانیت کے تعین کے سوا اور کوئی حجاب نہیں ہے۔

اے سید!

جو محض ایک ذات تھی، اس نے مختلف ذاتوں میں ظہور کیا۔ وہی ذات پہلے (خود اپنے) علم کی شکل میں ظاہر ہوئی، پھر تمام عالم کے علوم بن گئی۔ وہی ایک ذات ہے جو قدرت تھی اور پھر اس نے مختلف قدرتوں کی شکل میں ظہور کیا۔ وہی ذات ہے جو ارادہ تھی، اور پھر مختلف ارادوں میں ظاہر ہوئی۔ وہی ذات ہے جو اپنی سمع تھی، اور پھر قوتِ سماعت بن کر عالم میں پھیل گئی۔ وہی ذات ہے جو آنکھ تھی، پھر وہی بصارت کی قوت بن کر تمام جانداروں کی آنکھیں بن گئی۔ وہی ذات ہے جو صرف ایک حیات تھی پھر جامع حیات بن کر بجلی کی طرح تمام عالم میں پھیل گئی۔ وہی ذات ہے جو صرف ایک فعل اور کلام تھی، وہی مختلف کلاموں، انعالوں کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اسی طرح، وہی ایک ذات جو ایک ہستی تھی اور اب ہزاروں ہستیوں میں جلوہ گر ہے (مثلاً آسمان پر ایک چاند ہے اور زمین پر ایک آئینہ رکھا ہوا ہے۔ ایک برتن میں پانی بھرا ہے، دوسری طرف دریا ہے تو وہی ایک چاند ہر جگہ مختلف طور پر نظر آئے گا۔ آئینے

میں اگ، برتن والے پانی میں اگ، اور دریا میں اگ ۔)

اے سید!

ایک ہی ذات ہے جس کی تمام عالم صفت ہے اور اس کی ذات سے تمام عالم قائم ہے ۔ وہی ذات ہے جو اس صفت (عالم کی صورت) میں ظاہر اور پیدا ہے ۔

اے سید!

عالم میں جو کچھ ہے، سب آپ کی ذات میں چھپا ہوا تھا ۔ پہلے ذات نے اپنے علم میں اس کی شکل قائم کی، پھر دوسری بار ذات نے علم اور عینیت کا رنگ (ساتھ ساتھ) اختیار کر لیا، اور علم اور عینیت نے ذات کا رنگ اور ذات میں جو کچھ چھپا ہوا تھا، وہ عین ذات تھا ۔ یعنی ازل والی صبح سے پہلے جو رات تھی، اس میں گوہرِ آبدار چھپے ہوئے تھے ۔ جس حدیث سے رات کا وجود پہلے پایا جاتا ہے، وہ یہ ہے :

ان اللّٰہ خلق الخلق فی ظلمۃ ثم شیٔ علیھم من نورہٖ

﴿اللہ نے مخلوق کو ظلمت (رات) میں پیدا کیا، پھر اس پر اپنے نور کی بارش کر دی﴾

تجلیِ ذاتی تاریک یعنی سوادِ اعظم ہے اور اسی تجلی کا غیب الغیب عالمِ شہادت نام ہے کیونکہ شے کے سوا شے میں کچھ نہیں ہوتا ۔ اس ذات نے خود بخود معاملہ کیا اور عاشقی اختیار کی، بندگی اور خدائی نے درمیان میں ازلی ابدی کارخانہ قائم کر دیا ۔

اے سید!

آپ یہی خیال کیجیے کہ اب تک اُسی جگہ ہیں جہاں ازل میں تھے تاکہ آپ (تمام جھگڑوں سے) چھوٹ جائیں ۔ تفرقہ، غم اور بلا سے کوئی تعلق نہ رہے ۔

اے سید!

وہی آپ کی روح ہے جس سے آپ زندہ ہیں ۔ وہی آپ کا دل ہے جس سے آپ ہر چیز کا ادراک کرتے ہیں ۔ وہی آپ کی آنکھ بصارت ہے جس سے آپ دیکھتے ہیں ۔ وہی آپ کی سماعت ہے جس سے آپ سنتے ہیں ۔ وہی آپ کا ہاتھ ہے جس سے آپ کام کرتے ہیں ۔ وہی آپ کا پاؤں ہے جس سے آپ اس کی طرف چلتے ہیں ۔ ظاہر و باطن، اعضاء اور اجزاء کا ہر ہر عضو اور جز وہی ہے اور اسی کی وجہ سے ہر جز و اور عضو کام کر رہا ہے ۔ اور مجموعی طور پر بھی آپ کے اعضاء اور اجزاء اسی کے حکم سے حرکت میں ہیں کیونکہ (خود) آپ بھی اسی کے ساتھ ہیں ۔

اے سید!

وہ، میں اور آپ سب اسی کی صفتیں ہیں، کوئی دوسری چیز درمیان میں ایسی نہیں ۔

اے سید!

ایک ذات ہے، نہ میں ہوں نہ آپ ہیں ۔ جب تک ''میں اور آپ'' باقی ہیں، شرک ہے نہ کہ توحید ۔

اے سید!

جب آپ چلتے ہوئے، یہی فنا ہے (یعنی آپ نے اپنی خودی کو مٹا دیا تو یہی فنا ہے) ۔ اور جب وہ (حق) درمیان میں آ گیا تو یہی بقاء ہے ۔

اے سید!

سلوک میں دوئی کا دور کرنا، یہ اپنی کوشش پر ہے۔ اور جاذبہ حقیقت کا آپ کو کھینچ لینا، یہ وحدت سے متعلق ہے۔

اے سید!

سلوک، جاذبہ، فنا اور بقا سب ایسے نام ہیں جن سے ولایت کا پتہ چل جاتا ہے۔

اے سید!

سب چیزوں سے نیازمندی کیجیے کیونکہ آپ کیلئے (چشمِ حقیقت سے) وہ سب عین مطلوب ہیں۔ اور آپ کو عرفانی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اپنے دشمن سے دوستی کرنا لازم ہے کیونکہ وہ بھی آپ کا غیر نہیں ہے (بلکہ منزلِ مقصود ہے)۔

اے سید!

اپنے آپ کو بھی نظرِ محبت سے دیکھنا چاہیے کیونکہ آپ عین محبوب ہیں۔

اے سید!

سلوک میں یہ سب باتیں ضروری ہیں۔ آپ برائی اور اچھائی سب کو وحدت کے دریا میں ڈال دیجیے تاکہ آپ حقیقت سے آشنا ہو جائیں۔

اے سید!

وحدت کے متعلق اگر زیادہ گفتگو کی جائے تو کم ہے اور کم گفتگو کی جائے تو زیادہ ہے۔ اس کی ہدایت کی معرفت نہایت میں میں اور اس کی نہایت (کی معرفت) ہدایت میں داخل ہے۔ نہ اس کو ہدایت ہے اور نہ نہایت۔ کہاں تک بیان کروں (یعنی نہ آغاز ہے نہ انجام۔ نہ اس کی ابتداء ہے نہ انتہا) اور کہاں تک لکھوں۔ نہ میں لکھ رہا ہوں نہ کہہ رہا ہوں (بلکہ) حقیقت اپنے آپ سب کچھ کہہ رہی ہے۔ (اللہ باقی)۔

اے سید!

جب سونے کا ارادہ ہو تو یہ نیت کرنی چاہیے کہ میں عالمِ باطن کی طرف جا رہا ہوں اور اپنی حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور جب آنکھ کھلے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اب میں عالمِ ظاہر میں آ گیا ہوں اور میں نے باطن میں تنزل کیا۔ اور صبح سویرے اٹھنا چاہیے، پھر استغفار پڑھ کر کہنا چاہیے کہ "اے میری حقیقت! مجھے اپنی طرف کھینچ لے اور مجھ کو مجھ ہی سے (اپنے آپ میں) چھپا لے اور دوری دور کر دے۔ تہجد کی نماز پڑھنی چاہیے اور اگر سورۂ یٰس یاد ہو تو نماز میں پڑھی جائے۔ کیونکہ ہمارے خواجہ دین و دنیا کے ہادی ﷺ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا تھا۔ نماز کے بعد وحدت کے تفکر میں صبح تک مشغول رہنا چاہیے۔ پھر صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد آفتاب طلوع ہونے تک جس طرح ہو، قبلہ رُو بیٹھ کر وحدت کے مراقبے میں مشغول رہنا چاہیے لیکن اگر کوئی ضروری کام ہو تو مجبوری ہے۔ ورنہ جب آفتاب نکل آئے تو پھر دو سلام سے چار رکعتیں بھی پڑھنا چاہییں، جس میں سورۂ یٰس پڑھی جائے اور ہر چار رکعت میں سورۂ یٰس پڑھ سکتے ہیں، تو پڑھیں۔ ابلکہ اگر ہر نماز کے بعد سورۂ یٰس پڑھ لی جائے تو بہت کچھ فائدے ہیں۔ لیکن قرآن شریف اور نماز پڑھتے وقت بھی وحدت کا تفکر ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ اور وحدت کا تفکر اس طرح پر ہو کہ ہم خود اپنی عبادت کر رہے ہیں اپنا کلام خود پڑھ رہے ہیں۔

اے سید!

سالک پر طریقت کے تمام آداب ضروری ہیں۔ اس رسالے میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔ ہاں اس کا اختصار لکھنے کا ارادہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ کم سونا بہتر ہے۔ جب شدید ضرورت ہو یا نیند بہت ہی غالب ہو تب سونا چاہیے، جیسا اوپر طریقہ بتایا ہے۔ مگر وحدت کے ذوق میں اُسی طرح اسی نیت سے سونا چاہیے۔ اس کے علاوہ کھانے پینے میں کمی بھی بہتر ہے۔ دن میں اگر صرف ایک بار کھائے پیے تو اچھا ہے اور اگر روزہ رکھ لے تو بہت ہی اچھا ہے۔ لقمے کی پریشانی سے بچنا بہت ضروری ہے جو دوئی، بے گانگی اور وہم کا سبب بن جاتا ہے۔ شریعت اور طریقت میں جو باتیں منع ہیں، سب کا یہی اصول ہے

۔اس عمدہ اصول کا ہمیشہ پابند رہنا نہایت ضروری ہے۔

اے سید!

بات کم کرنی چاہیے۔خلوت، جلوت، دونوں میں ملاحظۂ وحدت کرنا چاہیے۔

اے سید!

بات کرنے سے دل میں ایک خاص جنبش (پیدا) ہوتی ہے، (جس سے دل) آپ کو دوئی میں مبتلا کرتے ہوئے وحدت کے حصول اور یگانگی سے غافل کر دیتا ہے۔بغیر ضرورت کوئی بات نہ کی جائے اور اگر بات کی جائے تو بہت ہی مختصر ہو۔(ہاں ایسی تقریر جو سراپا حقائقِ معارف ہو، اس میں کوئی حرج نہیں)۔مگر وحدت کے خیال کو ایک منٹ بھی نہ چھوڑا جائے۔جب کہیں بیٹھنے کا اتفاق ہو تو وحدت ضرور مدِنظر رہنی چاہیے۔ایسا نہ ہو کہ غفلت چھا جائے۔بلکہ کوشش کرنی چاہیے کہ وہ مجلسِ کثرت وحدت کا آئینہ بن جائے۔

اے سید!

اول اول توحید کے تفکر میں کوشاں رہنا چاہیے اور اپنے خاص لوگوں کے سوا کسی اور سے یہ راز کی باتیں کہنی نہیں چاہئیں۔

اے سید!

آقا، غلام، آشنا، دشمن اور دوست کو وحدت کی رُو سے پہچاننا چاہیے اور سب کو اخلاص اور چشمِ حقیقت سے دیکھنا چاہیے۔

اے سید!

لڑائی جھگڑوں سے بالکل الگ رہنا چاہیے۔اور انکار کو بالکل ہی برطرف کر دینا چاہیے۔تا کہ وحدت ظہور کرے۔اور اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ غصہ پیدا ہی نہ ہو۔لڑائی کرنے، مرنے مارنے کی کوئی گنجائش یہاں نہیں۔اس سے سب کو معذور رکھنا چاہیے۔گھر میں اور گھر سے باہر اولاد، متعلقین اور بیگانوں غرض سب سے ایک ہی نوعیت، ایک ہی اصول سے ملنا چاہیے۔اور جب آپ سے برائی کرے تو آپ اس سے ہرگز برائی نہ کیجیے۔رنجیدہ نہ ہوئیے۔بلکہ (اس کی خاطر تواضع کرنی چاہیے) خوش ہونا چاہیے اور بدی کا بدلہ نیکی سے دینا چاہیے۔طریقت میں معرفت کی اصل یہی ہے۔

اے سید!

تنہا رہنے اور تنہا بیٹھنے کو (دل کی) جمعیت میں بڑا دخل ہے۔

اے سید!

طالب کا خیال دو حال سے خالی نہیں ہے۔ظاہری تعلقات ہوں گے یا نہ ہوں گے۔اگر نہ ہوں تو پھر معاملہ آسان ہے۔اس لئے چاہیے کہ سب سے قطع نظر کر کے خلوت یا جنگل میں بیٹھ کر اپنی حقیقت کی طرف متوجہ ہو تا کہ دوئی دور ہو جائے۔(حقیقت یہ ہے) کہ ایسے زمانے میں جو طریقہ ہو، اس میں ہر طرح کی گنجائش ہے۔اگر ظاہری تعلقات ہیں اور شرعی حقوق اس پر لازم ہیں تو چاہیے کہ محض ضرورت کے موافق اس طرف متوجہ ہو۔بس۔لیکن پابندی نہایت ضروری ہوگی کہ شریعت اور طریقت کے خلاف کوئی بات نہ ہو اور وحدت کے ملاحظے سے (جو حقیقت کا اصل منشاء ہے) غفلت نہ ہو۔رات میں اس ملاحظۂ وحدت کی زیادہ کوشش کی جائے اور دن میں مراقبۂ وحدت کیلئے ایک خاص وقت مقرر کر لیں۔اور پھر دن رات اسی طریقے کو تھوڑا تھوڑا بڑھاتا جائے یہاں تک کہ توحیدی رنگ چھا جائے اور تمام جھگڑوں سے چھوٹ جائے۔

اے سید!

جب وحدت کے معنی کھلتے ہیں اور جنابِ باری کا کرم ظہور فرماتا ہے تو اپنے آپ سب حقوق ادا ہوتے چلے جاتے ہیں۔پھر آپ کو اس وقت نہ

کسی سے کام ہو گا نہ کاج (یعنی کسی سے کچھ مطلب نہ ہو گا کیونکہ کسی کی گنجائش ہی نہ ہو گی) ۔خدا آپ کا وکیل ہو گا ۔ بلکہ آپ کی جگہ وہی ہو گا اور آپ درمیان میں نہ ہوں گے۔

اے سید!

دنیا اور اہلِ دنیا سے میل جول اور سلوک کا طریقہ بہت مضر ہے مگر جو شخص مجبور ہے اور کچھ نہیں کر سکتا ، وہ ضرورت کے موافق احتیاط سے کام لے ، تا کہ ایسی کوئی بات واقع نہ ہو جس سے شریعت یا طریقت یا حقیقت کی بابت کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہو ۔ایسی حالت میں جلد کسی بزرگ کی طرف متوجہ ہو جانا اچھا ہے تا کہ اس کا تدارک ہو جائے اور پھر کبھی ایسی بات واقع نہ ہو۔

اے سید!

تکلف کے لباس میں رہنا اچھا نہیں ۔) کسی بزرگ کے) فقر کے لباس میں سے (کوئی تبرک) اپنے پاس رکھنا چاہیے۔

اے سید!

موجودہ حالات پر ہمیشہ نظر رکھنی چاہیے ۔گزرے ہوئے اور آنے والے خیال میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے ۔یعنی (ہر حال میں) وحدت کا مراقبہ کرنا چاہیے ۔تا کہ بیکار وقت ضائع نہ ہو۔

اے سید!

سنیے! غفلت کی موت میں مرنے سے بدتر کوئی موت نہیں ۔ دوری کے عذاب سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں ۔ اس (غفلت کی) موت ، اس (دوری کے) عذاب سے ڈر کر وحدت کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے ۔ اور یقینی طور پر جان لینا چاہیے کہ ایک کے سوا کوئی نہیں ۔ جب تک توحید کا خیال غالب ہے ، سعادت کہیں جانے کی نہیں ۔ اور جب ہم دوری کے وہم سے نکل گئے ، قیامت قائم ہو گئی ۔ اور اب معشوقِ حقیقی کے شہودی پہلو میں ابدالآباد تک آرام فرماں ہوں گے ۔ (قیامت جنابِ باری کے دیدار کا دن ہے) اور حضورِ انور ﷺ رُوحی فداک کا ارشاد ہے کہ میں ملت میں فقط قامت قامہ ۔ مرنے سے فنا مراد ہے ۔یعنی دوئی کو میٹنا ۔ یہی فنا ہے ، یہی مرنا ۔ اور جب اس طرح خدا میں سالک نے فنا حاصل کر لی تو باقی بحق ہو گیا۔

اے سید!

جب ایسی دولت دنیا میں میسر آنے والی ہے ، پھر کیا وجہ ہے کہ اس کے حاصل کرنے کی کوشش نہ کی جائے اور غفلت سے کیوں باز نہ رہا جائے ۔

اے سید!

قیامت ہر چیز اور ہر کس و ناکس پر آنے والی ہے اور وہ (دراصل) وحدت کی طرف رجوع ہونے کا (دوسرا) دن ہے ۔لیکن کل کا ظہور ہو جانے کے بعد ۔یعنی اگر چہ تمام چیزیں اپنی اصل سے نکلی ہیں مگر اس قوم کو جس پر دنیا میں قیامت گزر چکی ہے ۔ اس کے سوا کسی اور کو جیسی لذت چاہیے ، نصیب نہیں ہوتی ۔ (قوم سے اولیاء اللہ مراد ہیں) اور اصل لذت جنابِ باری کا وصل ہے ۔ لہٰذا معنی موعود (یعنی معشوقِ ازل کے وصل کیلئے) آپ کو کوشش کرنی چاہیے ۔تا کہ آپ کو اطمینان حاصل ہو اور جس لذت کی ضرورت ہے ، وہ ملے ۔

اے سید!

مقصود یہی ہے کہ دوئی کا وہم مٹ جائے اور آپ نہ رہیں بلکہ وہ (حق) رہ جائے ۔تمام اولیاء اللہ اور انبیاء کے پاس اس کی بہت سی دلیلیں ہیں ۔ سب وحدت کے قائل ہیں ۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آسمانی کتابوں ، حدیثوں اور اولیاء اللہ کے ارشادوں میں اس کی بہت سی دلیلیں موجود ہیں ۔ سب ایک زبان ہو کر وحدت کے قائل ہوتے ہوئے اس طرف گئے ہیں کہ عالم میں حق کے سوا اور کوئی چیز ہی نہیں ۔ عالم بھی وہی ہے اور ظہور بھی وہی ۔

ارادہ ہے کہ ان مشاہدوں کے مطالب کو علیحدہ لکھوں۔ایسی دلیلوں سے کہ جس کو عقل تسلیم کر لے اور واضح طور پر بیان کروں۔انشاءاللہ۔

اے سید!

یہ آخری زمانہ ہے اور وہ وقت قریب آن پہنچا ہے کہ مغرب سے آفتاب نکلے۔جس طرح آفتاب نکلنے سے پہلے انوار اور آثار ظاہر ہوتے ہیں، اسی طرح اختیاری طور پر سمجھے ہوئے اور بے سمجھے خاص و عام سب کی زبان سے توحید کے اثرات نکل جاتے ہیں۔طالب کو چاہیے کہ اپنے آپ کو یکسُو کر لے اور یکسُو کر کے اپنے آپ ہی میں چھپالے تا کہ وحدت کی حقیقت اچھی طرح جلوہ گر ہو جائے۔اور ایک زمانہ تک کیلئے وہ (عرفان) کافی ہو۔

اے سید!

اللہ مطلق ہے اور محمد ﷺ برحق۔

﴿ اب ان **مکتوبات** اور **رسالۂ سید** کے بعد، مَیں مختلف بزرگانِ دین کے خیالاتِ **قدسیہ** کو جو کہ **مشتمل** بر وحدت الوجود ہیں، رنگینیٔ طبع اور فیوض و برکات کیلئے بیان کر رہا ہوں تا کہ خواجہ خردؒ کے رسالے کی عبارات دوسرے بزرگان کے بیان سے واضح ہو جائیں۔اس طرح دیگر بزرگوں سے مستفیض ہونے کا موقع ملے گا۔

بالخصوص **دیوانِ قادری** اور **گلشنِ راز** کی بعض عبارات کو سلیس اور بامحاورہ طریق سے بیان کیا گیا ہے۔جن اصحاب کو اصل اشعار درکار ہوں، وہ **دیوانِ قادری از غلام محی الدین قادریؒ** مرتب **حضرت میاں نثار احمد قادریؒ** رجوع کریں اور **گلشنِ راز** از **محمود شبستری** کو پڑھ لیں۔ ﴾

باب ششم

دیوانِ قادری

نعتِ رسول اللہ ﷺ

یا رسول اللہ ﷺ! خدا کیلئے میری مراد اپنے فضل سے پوری فرمایئے اور مجھے صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب فرمایئے۔ یہی اس بندۂ عاجز کے دل کا مدعا ہے۔

یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ وجہ اللہ ہیں۔ " من رانی فقد رائی الحق " میں اسی طرف اشارہ ہے۔ آپ ﷺ رحمت اللعالمین ہیں اور ہر خاص و عام پر فیضِ عالی جاری و ساری ہے اور آپ ﷺ کے دینِ عالی کے آنے سے تمام ادیان منسوخ ہوگئے۔ آپ ﷺ کا رتبہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہے اور آپ ﷺ کا معجزہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک اشارۂ انگشت سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔

میں مداح ہوں آپ ﷺ کے آل و اصحابؓ کا جنہوں نے تن من دھن آپ ﷺ پر وار کر دیا۔ میں آپ ﷺ کے نائب خاص حضور محی الدین سیدنا شیخ عبد القادر گیلانی غوثِ یزدانی محبوبِ سبحانیؒ کا ادنیٰ غلام ہوں اور حضرت نور احمد قادریؒ کا مرید ہوں، جنہوں نے میرے سب کاموں کا سنوار دیا ہے۔

نعتِ علی مرتضیٰؓ

ابو الحسن مرتضیٰ مشکل کشا علیؓ، آپؓ ولی ذاتِ حق و محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ ماہِ اوجِ ولایت ہیں۔ تختِ خلافت کے بادشاہ ہیں۔ دینِ محمد ﷺ کی پناہ ہیں اور اہلِ صفاء کے شاہ ہیں۔ شریعت و طریقت کے راہبر و ہادی و مرشد، شہنشاہِ ولایت آپؓ ہیں۔ حقیقت و معرفت کے منکشف کرنے والے اور اس کے رہنما اور ہادی آپؓ ہیں۔ آپؓ امانتِ مصطفوی ﷺ کے حامل ور مصطفیٰ ﷺ کے جانشین اور جملہ اولیاء کے سردار ہیں اور حضور ﷺ کی آپؓ کو دعا ہے۔ آپؓ حق ہیں۔ اور حق آپؓ سے ہے۔ آپؓ قرآن ناطق و صادق ہیں۔ آپؓ بے شک اسد اللہ، شیرِ خدا ہیں۔ کفر و ظلمت آپؓ کے دم قدم سے نور علیٰ نور ہوا۔ آپؓ حیدرِ کرار ہیں۔ جنگِ احد میں آپؓ نے کافروں کو جہنم رسید کیا۔ نبی ﷺ اور خدا آپؓ سے راضی ہوئے اور "لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار " کا ترانہ ملائکہ نے پڑھا۔

میں گمراہ و بے حیلہ ہوں۔ عاجز و مسکین ہوں۔ ہر ایک کو آپؓ کی پناہ حاصل ہے۔ یہ عاجز آپؓ کے در پر آ گیا ہے۔ بہرِ مصطفیٰ ﷺ کرم فرمائیں۔(۱)

﴾ (۱)☆ اللہ تعالیٰ ''سورہ شوریٰ۔۲۳'' میں فرماتے ہیں : "قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ " (تم فرماؤ، میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت) اور حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں، جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ کون ہیں وہ جن کے ساتھ محبت کرنے کا ہمیں حکم ہوا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا، وہ علیؓ و فاطمہؓ اور حسنؓ و حسینؓ ہیں۔ (بحوالہ تفسیر روح البیان۔صفحہ ۳۱۱، جلد: ۱۸)

☆ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''ان علیا منی وانا من علی "(بے شک علی مجھ سے اور میں علی سے ہوں) ۔ (مشکوٰۃ شریف۔صفحہ: ۵۴۶)

☆حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جذب القلوب فارسی ، صفحہ: ۲۹، سطر: ۱۸ میں فرماتے ہیں: ''حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک روز حضور ﷺ علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر مدینہ منورہ کے بعض باغات کی طرف گزرے، کہ ناگاہ ایک کھجور سے آواز آئی: یہ ہیں نبیوں کے سردار اور یہ حضرت علی ہیں، تمام ولیوں کے سردار اور اماموں کے باپ، اور اس کے بعد دوسرا درخت بولا: '' یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور یہ علی اللہ کی تلوار ہیں۔''

☆حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں : ''حضور ﷺ کو سب سے زیادہ محبت مردوں میں حضرت علیؓ سے تھی''۔(مشکوٰۃ شریف۔صفحہ: ۵۷۰) ﴿

سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی

یا شاہِ جیلان ! المدد۔ خدا کے واسطے، آپ کا ہوں، آپ کا ہوں، آپ کا ہوں۔کوئی کسی پر نازاں ہے،کوئی کسی پر۔سوائے آپ کے ہمارا کوئی نہیں ہے۔ "مریدی لا تخف واش فانی ، عزوم قاتل عندالقتالی " آپؒ کا فرمانِ عالی ہے۔دو عالم میں مجھے اسی فرمان کا سہارا ہے۔آپؒ اللہ کریم کی جناب میں محبوب ہیں۔اور حضورﷺ کے نورِ عالی کا روشن ستارہ ہیں۔

آپ خاندانِ مصطفویﷺ حسنی حسینی کے چراغ ہیں۔آپ اپنا جمالِ علیؓ، جمالِ نبیﷺ دکھائیں۔بہر خدا شرابِ توحید ایسی پلائیں کہ دوئی اور شرک کا وہم مٹ جائے۔میں ہر نشان میں اس بےنشاں کو عیاں وظاہر دیکھوں اور اس بے چوں و بے چگوں کو صورت اور شکل میں آشکار دیکھوں۔

اس قادری غلام محی الدین کو ایسی محویت عطا فرمادیں کہ نہ عین دیکھوں نہ غیر دیکھوں۔وراء الوراء ثم الوراء الوراء میں محویتِ تامہ نصیب فرما۔

سیدنا دستگیر

اے پورے عالم کی دستگیری فرمانے والے ! ہر جگہ تیرا فیض عام ہے۔میں آپ کا غلام ہوں۔نظرِ کرم سے کچھ عطا فرمائیے۔آپ بے کسوں کے والی ہیں اور میں بھی ایک بے کس سوالی ہوں۔مجھے خوشی کی بخشش دیں۔میں آپ کے در پر آ کر آپ کو پکار رہا ہوں۔ہر ایک کو کسی نہ کسی کا سہارا ہوتا ہے۔مجھے سوائے آپ کی ذات پاک کے کوئی نظر نہیں آتا۔اگر چہ میں آپ کی ذات تک رسائی نہیں رکھتا مگر جیسا ہوں، آپ کا ہوں (اور) آپ کے دامن سے لگا ہوں۔مجھے راہِ ہدایت دکھایئے۔آپ محبوبِ خدا اور منظورِ نظر حضرت محمدﷺ ہیں۔علی کرم اللہ وجہہٗ کے فرزند اور زہراؓ کے جگر کا ٹکڑا ہیں۔آپ کا دیدار ہمیں خدا کا دیدار لگتا ہے۔ہمیں اپنا جمالِ ظاہری و باطنی دکھایئے۔اگر آپ اپنی عطا و بخشش سے یہ فرمائیں کہ قادری میرا ہے تو مجھے دین و دنیا کی اور کوئی حاجت نہیں۔

فیضان سیدنا شاہ جیلانی رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا عبد القادر جیلانیؒ کی شرابِ وصل سے جس نے ایک قطرہ پیا، پیتے ہی ایسا مست اور بےخود ہوا کہ نہ اسے اپنی خودی کا شعور باقی رہا اور نہ خدا سے کوئی احتیاج۔ " الفقر لا یحتاج الی ربه ولا الا غیره " ۔ نہ اسے اپنے فنا ہونے کا شعور باقی رہتا ہے نہ باقی باللہ ہونے کا شوق و طلب، نہ قرب و بعد، نہ وصل و ہجر۔ذوق و شوق، وجد و حال سے ماوراء (پینے والے کا) اس کا حال ہوتا ہے۔عینیت اور غیریت سے اور کفر و ایمان سے مستغنی ہو جاتا ہے۔موہوم و موجود یعنی علم لا اور علم الا اور علم انیت سے پاک و وراء ہو جاتا ہے۔رنگ و صورت سے منزہ و مبرا معنی کے فلک سے بلند (اور) کثرت و وحدت سے خالی تر مقام اس کو عطا ہوتا ہے۔وہ تشبیہہ اور تنزیہہ سے گزر کر بحرِ ذات میں غرق ہو جاتا ہے۔نام و نشاں سے پاک، بے چوں، بے چگوں ہستی میں بےنشاں ہو جاتا ہے۔

اے شہنشاہِ جیلاںؓ ! میرے مرشد نور احمد قادریؒ کے طفیل اپنی خاص شراب وصل سے مجھ کو جلد ایک قطرہ عطا فرمایئے۔

مرشد کی شان میں

جب ہم نے اپنا پیشوا دیکھا، تجھے کیا بتائیں کہ ہم نے کیا دیکھا۔ مرشد کے روپ میں جمالِ محی الدین عبدالقادرؒ اور شاہ حسن حسین کو دیکھا۔ حضرت علیؓ کو دیکھا۔ بلکہ حضور نبی پاک ﷺ خاتم الانبیاء کو دیکھا۔ بشکلِ مرشد کریم اللہ کی رویئت نصیب ہوئی اور جو دل کا مدعا تھا، مل گیا۔ میں نے ہر شان میں اپنے مرشد ہی کو جلوہ گر دیکھا۔(۱)

﴿ (۱) ☆ دیوبندیوں کے پیشوا اشرف علی تھانوی، ''بوادر النوادر، جلد:۲، صفحہ:۷۹۴، سطر:۱۷، میں لکھتے ہیں : جب سے انسان پیدا کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کی رویئت جس کو بھی ہوئی ہے، انسان کی صورت میں ہوئی ہے۔'' اور امداد المشتاق، صفحہ:۷۵، میں لکھتے ہیں : ''اس عالم میں بھی رویتِ حق تعالیٰ ہوتی ہے''۔ ﴿

مرشد کا پہلا سبق

جب ساقی نے وحدت کی شراب کا جام پلا دیا، ہر نشان میں جمال حضرت محمد ﷺ نظر آیا اور پھر غیریت عینیت حق، بے شک وہ وہم و گماں نظر آئی۔ کیونکہ اس شرابِ وحدت نے میری ذات کا نقطہ، جو ایک وہمی تعین تھا، اٹھا دیا۔ اور جب میری دوئی کا زنگ جو میری ذات پر لگا ہوا تھا، مٹ گیا تو مجھے ہر طور میں حقیقتِ واحدہ عیاں و ظاہر نظر آئی۔ جس کو مرشد کلمۂ طیبہ کے معنیٰ فہم کے ساتھ پڑھا دیتا ہے، اس کا قلب شرکِ جلی و خفی سے پاک ہو جاتا ہے۔ العلم نقطہ کثرتھا للجھال سے یہی مراد ہے کہ علم قیل و قال کچھ نہیں۔ علمِ حقیقت ہی سب کچھ ہے۔ اور اگر اس علمِ حقیقت کے حاصل ہونے سے انسان انا اللہ کہہ دے تو کیا عجب ہے۔ عجب تو یہ ہے کہ موسیٰؑ کو ایک درخت (کے ذریعے) انی انا اللّٰہ سنا دیا ہے۔

اے قادری! وہی مقبول بارگاہِ صمدیت و مصطفیٰ ﷺ ہے جس نے علی کرم اللہ وجہہٗ کی خاکِ پا پر سر جھکا لیا۔

اول سبق عشق

جب عشق ہی ہمارا مذہب اسلام ہوا تو پھر عقل سے کام لینا ہم نے ترک کر دیا۔ کسی عاشق سرمست کا کہنا ایسے میں مجھے بہت اچھا لگا کہ جس نے کہا تھا کہ خود کو گم کرنے ہی میں آرام ہے۔ ہم کسی خاص کام کیلئے عالمِ کثرت میں آئے ہیں ورنہ ہماری اول و آخر وحدتِ ذات ہی ہے۔

اے اللہ کریم! ہم آپ کے در پر کب سے آئے بیٹھے ہیں۔ شرابِ عشق سے ہمارا جام بھر دیجیے۔ ہمارا معشوق ہر آنکھ میں نظر آ رہا ہے اور ہر نام سے بول رہا ہے۔

اے غلام محی الدین قادریؒ ! ہمیں کیا غم ہے۔ طفیل سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہمارا انجام بہتر ہوگا۔

تعلیمِ کلمۂ طیبہ

مرشد نے ایک عجیب دل و جاں کو خوش کرنے والا سبق پڑھایا : لا الٰہ پڑھ، اور جب الا اللّٰہ پڑھ تو خیال میں اِلّا اَنا پڑھ یعنی میرے سوا کوئی موجود نہیں۔ اے میاں! تُو کیوں پہاڑوں، جنگلوں میں خوامخواہ مارا مارا پھر رہا ہے۔ اپنے دل پر نظر و تصور کے ساتھ دیکھ کہ "الرحمٰن علی العرش الاستویٰ" (یعنی رحمٰن میرے دل میں بیٹھا ہے)۔ حدیث شریف ہے : "قلوب المؤمنین عرش اللّٰہ تعالیٰ "(مومنین کے دل اللہ کریم کا عرش ہیں)۔

اے سالک راہِ ہدایت!

تُو ہدایت طلب کرتا ہے۔اول، مَردوں کی طرح اپنے نفس کا کہنا نہ مان (اور) اپنا قدم نفس کے سر پر رکھ۔اپنی ہستی اور ہونے کی نفی کر تو آسمانوں اور زمینوں کی معراج حاصل ہوگی۔جو اس طور پر کلمہ پاک پڑھتا ہے اور معنی ومطالب کو ملحوظ رکھ کر غور کرتا ہے تو چند دنوں میں بےخود اور محو ہو جاتا ہے۔ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (الیونس ۔۶۲) کے جلوے کی بدولت فنا وبقا حاصل ہوتی ہے۔ الا کل شیٔ ما خلا اللّٰہ باطل (۱)۔جب اللہ کریم کے سوا کوئی موجود ہی نہیں تو خود انصاف کر کہ غیر وما سوا اللہ کہاں ہے۔یہ سبق مجھ کو خاص نائبِ غوثِ اعظم قبلہ شاہ وگدا رہنما پیر ومرشد حضرت نور احمد قادریؒ نے پڑھایا ہے اور جلوۂ حق دکھایا ہے۔

﴿(۱)☆ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی شاعر نے اگر کوئی سچی بات کہی ہے تو وہ لبید کا قول ہے یعنی الا کل شیٔ ما خلا اللّٰہ باطل (اللہ کے سوا ہر چیز باطل وفانی ہے ﴾

عنایتِ اولیٰ

جب میں نے مندرجہ ذیل مراقبات ومجاہدات کیے تو ساقیٔ کوثر نے اپنی عنایتِ خاص سے عجب جامِ توحید پلایا تو میری ہستی کا ایک وہم جو مجھے پیدا ہو گیا تھا، سارا اٹھ گیا اور معلوم ہوا کہ یہ ہستی وہمی ہی ایک پردہ تھا جو میرے اور حق کے درمیان تھا اور کیا ہی اچھا ہوا کہ اس پردہ کو حرارتِ عشق نے جلا دیا۔

میرے مربی ومرشد نے جب انا ھو کا کلمہ یعنی **میں وہی ہوں ، میں نہیں ہوں حق موجود ہے** کا سبق پڑھایا تو مَن و تُو کا وہم ختم ہو گیا اور ایک دم ختم ہو گیا۔جب اس قلزمِ وحدت میں غوطہ لگایا تو تمام شرکِ ہستی ختم ہو گیا۔دربدر آوارہ طلب وشوق میں مارے مارے پھرتے رہے۔اب صدہا بار شکرِ رب العالمین ہے کہ ہم نے خود اپنی ہستی سے گزر کر اپنے آپ کو جو اصل تھا، پا لیا ہے۔جس دل میں حضرتِ عشق نے ڈیرہ جما لیا ہو، اسے معشوق کے سوا کب کوئی (دوسرا) نظر آتا ہے۔مگر یہ بھید عقل اور قیل وقال سے نہیں کھلتا ہے (البتہ) جس پر مرشدِ کریم کی نظر ہو (اور) شاہ بغداد کا سایہ ہو، اسی پر یہ سِرِ الٰہی منکشف ہوتا ہے۔

انکشاف معنی کلمۂ پاک

جب اس عشق کی سرمستی طاری ہوئی اور خود سے بےخود بناتی چلی گئی تو ہستی کا وہم اور معدوم ہونے کا خوف سب مٹ گیا۔جب کلمہ شریف کے معنی کھلے (اور) جو سبق مرشد نے دیا تھا (اس پر عمل کرنے کے بعد) کثرت میں وحدتِ ذات نظر آنی شروع ہو گئی۔عقل کی تمام کتاب فوراً پارہ پارہ ہو جاتی ہے جب جنونِ عشق کا سبق پڑھ لیا جاتا ہے۔

یہ آواز جو آ رہی ہے، صوتِ سرمدی ہے۔یہ آوازِ کن فیکون ہے، جو اشیاء کو وجود دے رہی ہے۔ہر آواز حق کی آواز ہے۔اُس میں لوگ خود حرکت دے کر مطلب ومفاہیم پیدا کر رہے ہیں۔ورنہ اصل الاصوات یہی ہے۔یہی شغلِ انہد ہے کہ اگر تُو ہر آواز کو آوازِ حق تصور کر لے۔یہ خاص راز ہے۔یاد رہے کہ کوئی غیر موجود (اور جو موجود ہوتا ہے، وہ غیر ہو ہی نہیں سکتا) موجود نہیں ہو سکتا، لہٰذا صرف ہستی حق ہی موجود ہے۔یہ میرے مرشد نے عجائبِ نقاط میں سے نقطہ بتا دیا ہے۔

نظر بَر حال

زمانہ میں ہرگز کہیں بھی کسی بھی صورت کو دیکھو تو غیر حق نہ سمجھو بلکہ جمالِ مصطفیٰ ﷺ سمجھو۔ایک قطرہ میں سمندر سمجھو اور ذرہ میں آفتاب اور نوک

خار میں گلزار تصور کرو اور ایسا محیط اپنی ہستی کو سمجھو کہ ہر صفت تمہاری صفت ہے اور تم ہی پرکار کو وہ نقطہ ہو جو پھیل جائے تو کائنات بن جائے ۔محیط کائنات تمہاری ہی ہستی ہے ۔قلب پر نظر رکھ کر خیال کرو کہ تمہارا قلب ہی وہ نقطہ ہے جو پھیل کر عالم پر محیط ہو جاتا ہے ۔ اور اس قدر وسعت قلب کرو کہ اس دائرہ سے جو قلب سے شروع ہو کر قلب پر ختم ہو جاتا ہے ۔پھر کائنات کا احاطہ کیا ہوا ہے، اس طرح عالمِ انوار ظاہر ہوگا ۔مداومت شرط ہے ۔خیال رکھو کہ وہ ہستی اگر چہ بے نام ونشان ہے مگر ہر شان میں وہی جلوہ گر ہے ۔

اے قادریؔ! اگر تجھے اس محبوب کی طلب ہے تو تُو خود کو ہی محبوب تصور کر لے ۔

حالِ دوست

یارو! محبت ایک ایسا دکھ ہے اور سخت بلا ہے کہ مُردوں کو زندہ کرنے والے عیسیٰؑ سے بھی اس بیمار کے غم کا مداوا نہیں ہو سکتا ۔جس نے محبت کے غم کو چکھ لیا، پھر وہ درس و کتابیں اور تعلیم و تعلم سے آزاد ہو جاتا ہے ۔نہ اُسے غرضِ دنیوی رہتی ہے نہ فکرِ عاقبت ۔ہر کام سے بیکار کر دینا ہی محبت کا کام ہے ۔

جس گردن میں محبت کی زنجیر پڑ گئی، اُسے تسبیح و مصلّٰی وغیرہ سے حاجت نہیں رہتی ۔اے قادریؔ! محبت کے اسرار لکھنے میں نہیں آتے ۔کیوں بات آگے بڑھا رہا ہے ۔بس خاموش رہ!

نصیحت برائے طالب

اے پیارے طالب ! اگر تُو عیشِ جاودانی چاہتا ہے تو محض ظاہری نہیں ، بلکہ صدقِ دل سے عشق کے راستے پر چل اور دل وجان سے چل اور اس راہ میں چلتے ہوئے اپنی ظاہری ذات جو تُو نے اپنے دل ودماغ پر طاری کر رکھی ہے، اُس سے گزر کر چل،تب کامیاب ہوگا ۔

اپنی ظاہری آنکھ اور باطنی بصیرت کی آنکھ سے ہر زمان ومکان کو آئینہ تصور کر کے اس میں جو معنی پوشیدہ ہیں، ان پر بصر و بصیرت کی نظر رکھو ۔جب ماسوا کچھ نظر نہ آئے اور وہم باطل ہو جائے تو تجھے اپنی جان ہی میں محبوب کا قرب حاصل ہو جائے گا ۔

جب حضرت محی الدینؒ میرے پیر دستگیر ہیں تو پھر اے قادری! تُو کس شادمانی کا طلبگار ہے ۔بس یہی کافی ہے ۔اب نہ اپنے دل کی خبر ہے نہ دلربا کی ۔اس سبق نے کیا عجب نشہ کر دیا ہے ۔اب میرا جنون ہی دل کی سلطنت چلا رہا ہے ۔اب اے ناصح ! تیری نصیحت بیکار ہے ۔

اے میرے پیر و مرشد! یہ کیسا نغمہ تھا اور کیسا سبق تھا جسے سنتے ہی دل میں ایک آگ لگ گئی (اور اب) عشق میں بدنام ہونے سے کوئی غم نہیں ۔ قادریؔ کا عشق سرکار غوث اعظمؒ کی دست گیری سے ہے ۔

تحقیقِ وجود

اے سالک! جب از روئے تحقیق فی الوجود سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ عدمِ اصلی موجود ہی نہیں (اور) غیر وسوا وجود کچھ موجود نہیں، پھر کون ان صورتوں اور معنوں (میں) ظاہر ہو رہا ہے ۔ذرا غور کر ۔

جب ہر عین ثابتہ علمی صورت ہے

اور عینِ ثابتہ ہے عالم موجود کا

یعنی اعیانِ خارجہ کا نور ہر صفت (میں) عین ذات ہے، غیرِ ذات نہیں اور نہ زائد بر ذات ہے تو اب میں تمہیں کیا کہوں کہ کہنے کی جا نہیں۔ یعنی ارواح و مثال و اشکال سب نورِ محمد ﷺ کا عین ہیں، اسی لئے تو میں ہر وقت درود شریف ﷺ پڑھتا رہتا ہوں۔ جو ذات باطن میں نہاں ہے اور جہاں ہر عقل و ادراک عاجز ہے، وہی ذات ظاہر میں ہر صورت میں جلوہ گری فرما رہی ہے۔ جب سرِ ذات واحد سے سالک توحید آشنا ہو جاتا ہے تو پھر نفی اثبات کرنے کی حاجت نہیں رہتی (ہے)۔

اے طالبِ توحید! تُو خود ہی اپنا مطلوب ہے۔ بس تفکراتِ ذاتِ خود کر۔ خواہ مخواہ دشت و کوہ، بحر و بر میں نہ گھومتا پھر۔ تیرا قلب ہر آن ایک نئی شان میں جلوہ گری کر رہا ہے (اور) یہ اسماء و صفات کے آثار ظاہر کر رہا ہے۔ (۱)

﴿ (۱) ☆ ان الحق کل صورۃ (حق تعالیٰ ہر صورت کا عین ہے)۔ فتوحاتِ مکیہ، باب ۱۰، صفحہ ۱۵، جلد ۴ (ابنِ عربیؒ)

☆ فھو عین السمٰوت والارض (وہ زمینوں اور آسمانوں کا عین ہے)۔ فتوحاتِ مکیہ۔ باب ۴۲۶، صفحہ ۳۹، جلد ۴ (ابنِ عربیؒ)

☆ اول رحمۃ رحم اللّٰہ بھا الموجودات ان اوجد العالم من نفسہ (سب سے پہلی رحمت موجودات پر یہ کہ خدا نے اپنے نفس (ذات) سے عالم کو پیدا فرمایا) الانسان الکامل۔ باب ۷، صفحہ ۴۶، سطر ۳ (مصنف عبدالکریم جیلی (مطبوعہ مصر))۔ ﴾

دیوانہ و فرزانہ

اے محبوب! تیرے عشق نے دیوانہ کر دیا۔ اب دین و دنیا کے کام میں دل نہیں لگتا ہے۔ ساقی بھی کیا فیض عطا کر رہا ہے کہ مستانہ کر دینے والے پیمانے بھر بھر کر پلا رہا ہے۔ میری ہستی جو ویران ہو گئی تھی، ان کی اک نگاہ نے آباد کر دی۔ ایسی نگاہ کی بات نہ پوچھ، بس ایک ہی نگاہ نے تمام کام کر دکھایا۔ ان کے لطف و کرم اور رحم کا میں کچھ بیان نہیں کر سکتا۔ انہوں نے ایک آن میں میری جان کو ہی میرا ''جاناں'' محبوب بنا دیا۔

ونحن اقرب الیہ من حبل الورید (ق۔۱۶)

کے بھید سے اسی طرف اشارہ ہے۔ میں اسی دیوانہ پن میں بہت خوش و مست تھا۔ اب حیران ہوں کہ پھر مجھے عقل مند بنا دیا ہے۔

بحرِ ہستی

ہم نے ظاہر و باطن میں اور ان کے درمیان میں کچھ نہیں دیکھا (بلکہ) ہر شان میں فقط ذاتِ مطلق کو ایک بحرِ ہستی کی صورت رواں دیکھا۔ کیا عالمِ اجسام، کیا عالمِ ارواح و مثال، ہر عالم میں ایک ذاتِ واحد کو ہی عیاں دیکھا۔

ہم (نے) نظرِ تحقیق جب تعینات کی قید سے خود کو آزاد کرایا تو ہر جز سے کل کی طرف راستہ پایا۔ کہیں وجد کے عالم میں وہی ذات صوفی کے روپ میں جلوہ گر ہے اور کہیں خود ہی قوال و غزل خواں بن کر اسے مست کر رہی ہے۔ کہیں ناز و نیاز سے معشوق بن کر بیٹھا ہے اور کہیں کوہ و بیاباں میں عاشق بن کر مارا مارا پھر رہا ہے۔ کہیں فقیر کے خرقۂ گدائی میں گھومتا پھر رہا ہے اور کہیں بادشاہ بن کر تخت پر جلوہ گر ہے۔ ہم نے اپنے مرشد کے روپ میں ذاتِ حق کو ہر شے کے ظاہر و باطن میں دیکھا۔

سامان عشق

عشق میں اپنا سامان بس بے سروسامانی ہے ۔دین ہمارا نیستی ہےَ اور بے خودی ایمان ہے ۔ جب جنونِ عشق کا بادشاہ میرے دل پر آیا ، سب ہوش وحواس، تاب وتواں جاتے رہے ۔ اگر انسان اپنا مرتبہ شناخت کر لے تو تمام وجودِ عالم پر بادشاہ ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ کیوں طلبِ جاناں میں گھبرایا ہوا پھر رہا ہے ۔ ذرا غور وتدبر سے دیکھ ۔جس جاناں کی طلب میں تُو پھر رہا ہے، وہ جاناں تُو خود ہے ۔اے قادریؔ! تُو خوش رہ، شاد رہ، آباد رہ۔ کیونکہ شاہِ بغداد ہمارے والی ہیں ۔

کشف اسرار

ایک نظر سے باطنی اسرار منکشف ہو گئے ۔اس مہربانی کا شکریہ یہ عاجز کیسے ادا کرسکتا ہے (اور) جسے مرشد کی مست نگاہ سے سرمستی حاصل ہو جائے، اسے ظاہری شراب کی کیا حاجت ہے۔ اپنے دل کے اندر تفکر کر اور سیر کر کہ یہ دل ہی ایک (ایسا) خزانہ ہے جس سے معنی نکلتے ہیں ۔

عیش وعشرتِ جاودانی کا باعث یہ ہے کہ عیش دنیوی سے گزر جاؤ تو انشاء اللہ ابدی عیش حاصل ہوگا۔ راہِ عشق میں چلتے ہوئے (اپنی) خودی (سے) گزر جا۔راہِ عاشقانی میں یہی سایہ، یہی بہی زادِراہ ہے ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ ولی اللہ ہیں ، وصی مصطفیٰ ﷺ ہیں ،شاہِ ولایت ہیں ۔ان کے فیض، فضل اور علم ونکتہ دانی کے کیا کہنے کیونکہ تمام اسرار انہی کے طفیل حاصل ہوتے ہیں ۔اے قادریؔ! ضعف وناتوانی کی فکر نہ کر، تیرے دستگیر غوثِ اعظم شاہِ جیلانی ہیں ۔

ساقی نے شرابِ وحدت کا پیالہ پلا دیا (تو) میرے دل سے واضح طور پر کثرت کا وہم اٹھ گیا ۔جب غیریت کثرت ختم ہوگئی تو خلوت در انجمن حاصل ہوئی کیونکہ جب غیر ہی نہیں تو انجمن ہی خلوت بن جاتی ہے ۔پھر ایسے میں تنہائی اور ویرانے کی تلاش فضول ہے ۔ اگر تیرا دل دونوں جہانوں کی فکر سے فارغ ہو جائے تو تیرے لیے یہی کافی ہے ۔جس نے ایسی بے خودی کی شراب پی لی، اسے نہ تو جنت کا شوق ہے اور نہ ہی جہنم کا خوف ہے ۔

اے قادریؔ! جو تیرا پیر نور احمد قادریؒ ہے، اس کے فیض ورحمت کو تُو بیان نہیں کرسکتا ہے ۔ کیونکہ (اے قادریؔ! تُو نے) جب سے شرابِ حقیقی کا جام پیا ہے تو عقل کی کتاب کے سارے اسباق بھول گئے ۔

رندِ خراب کا کیا مذہب ہے کہ نہ کفر سے غرض ہے نہ پابندیٔ دین ہے ۔جسے ہر وقت شغلِ صوتِ سرمدی سے انہد کی آواز آ رہی ہو، وہ ساز ورباب وغیرہ کا کیوں محتاج ہو۔قرب ووصل کا حصول ترکِ وجود سے ممکن ہے ۔اور اپنی خودی میں رہنا ہی دوری کا باعث ہے ۔توحیدِ حق ہی دولت وآرام دو جہاں ہے ۔اور غیر کا اثبات کرنا شرک ہے اور یہی باعثِ عذاب ہے ۔وہی ذاتِ بے نشاں بے پردہ ہر نشان میں ظاہر ہے ۔تو خواہ مخواہ اس فکر میں نہ رہ کہ ذات کا حجاب اٹھاؤں ۔

اس راہ میں خوف وخطر بہت ہیں مگر جو عالی جناب حضرت پیر دستگیر کا مرید ہے، اُسے کوئی غم وفکر نہیں ۔اہلِ روحانیت صوفیہ صافیہ کا یہ عجیب خوش طرز راستہ تصوف دیکھا کہ اس میں خود کو عدم سمجھ کر خود کو نورِ بقا سمجھ لیتے ہیں ، پھر نکتۂ وحدت منکشف ہو جاتا ہے اور جس پر منکشف ہو جاتا ہے، وہ من وتو اور ہم وآپ وغیرہ جیسے الفاظ کا پابند نہیں رہتا ۔(وہ) تمام میں خود اپنی ذات کو دیکھتا ہے ۔ایک ہی جلوہ کو دیر وحرم میں دیکھتا ہے ۔غیریت عینیت ختم ہو جاتی ہے، وہم نکل جاتا ہے ۔راضی برضائے حق ہو جاتا ہے ۔(۱)

(۱) ☆ حضرت مجدد الف ثانیؒ ، مکتوبات دفتر دوم، صفحہ۱۴۷، سطر ۷، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ، میں فرماتے ہیں : اہلِ اللہ بعد از فناو بقا ہر چہ می بینند، خود می بینند و ہر چہ می ﴾

شناسد وز خودی شناسد و حیرت درایشاں درو جود خوست وفی انفسکم افلا تبصرون ۔(اللہ والے لوگ فنا و بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں، اپنے آپ میں دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں، اپنے آپ میں پہچانتے ہیں۔ان کی حیرت ان کے وجود میں ہے ۔ وفی انفسکم افلا تبصرون)۔

☆حضرت ابو سعید مبارک قدس سرہ العزیز جو کہ حضور غوث پاک کے پیر و مرشد ہیں، آپؒ تحفہ مرسلہ صفحہ ۱۴پر فرماتے ہیں : وان الوجود واحد والالباس مختلف ومتعددة وان ذالك الوجود حقيقة جميع الموجودات و باطنها وان جميع الكائنات عن ذالك الموجود ۔(اور تحقیق وجود واحد ہے اور لباس مختلف رنگا رنگ ہیں اور وہ وجود تمام موجودات کی حقیقت اور ان کا باطن ہے اور تمام کائنات اسی وجود سے خالی نہیں ہے ۔)

☆حضرت مجدد الف ثانیؒ ،مکتوبات دفتر اول، صفحہ ۳۱۴، سطر ۶، مطبوعہ لکھنؤ، میں فرماتے ہیں : معنی عبارت انا الحق نہ آنست کہ من حقم بلکہ آنست کہ من نیستم موجود حق است (انا الحق کا مطلب یہ نہیں کہ میں اللہ ہوں بلکہ یہ ہے کہ میں نہیں ہوں، اللہ موجود ہے)۔

اظہارِ حال

اے ساقی! محوِ ہستی کر دینے والی شراب پلا کہ مجھے تیرے سوا کچھ نہ سوجھے ۔ جو نظر اپنے راستے سے نہیں ہٹتی اور کج روی نہیں اختیار کرتی (تو) پھر وہی آنکھ نورِ حق کو ہر جگہ دیکھتی ہے ۔جب دل زنگِ غیریت سے صاف ہو جاتا ہے (اور) نفسِ غیر بالکل معدوم ہو جاتا ہے تو یہی قلب آئینہ حق نما بن جاتا ہے ۔اگر ایسے میں نفس کا تزکیہ رکھے اور خواہشاتِ نفس سے بچتا رہے تو اے سالک! پھر تو یہ راہ بہت قریب ہے ۔

اے قادری! دل خوش رہ کہ نور احمد شاہ تیرا پیشوا ہے ۔اے عشق! تُو نے کیا سے کیا کر دیا ۔میرا حال ایسا کر دیا کہ کچھ کہا بھی نہیں جاتا ۔کثرت کے حروف یعنی اشکالِ دنیوی (کے) جو موہوم نقوش تھے، اس عشق نے دل کو ان سے پاک کر دیا ۔اب عینیت و غیریت کی کچھ فکر نہیں ۔(عشق نے) نفی اثبات کرنے سے بلند کر دیا ۔اس محویت کی شراب کا جام پلا کر ایسی خوشی سے نوازا کہ مجھے بندہ و مولیٰ سے بے خبر کر دیا ۔یہ نور احمد کے لطف و کرم نے ہر تمنا سے بے نیاز کر دیا ۔

صبح غیب کی آواز میرے کانوں میں پڑی کہ جو عشق سے آشنا ہے، وہ کونین سے بے نیاز ہے ۔عشق ایک ایسی آگ ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ جو کچھ ماسوا محبوب ہے، ایک پل میں جلا دیتی ہے ۔اگر اس آیت پر غور کریں : ''وهو معكم اين ما كنتم '' (وہ تمہارے ساتھ ساتھ ہے، تم جہاں کہیں ہوتے ہو) تو کثرت میں وحدت نظر آئے گی ۔

اگر اپنی ذات و ہستی پر ایک سے زائد تعین زمانے میں اور (خود) تم نے لگایا ہے (اگر) اس خود کو لے کر تُو ساری عمر چلتا رہے تو راہ طے نہ ہو گا ۔ لیکن جب خود کو عدم سمجھ کر تُو اس راہ پر چلے گا تو اے سالک! فوراً یہ راہ طے ہو جائے گی مگر (شرط یہ ہے) جسے بے خودی مرشد عطا کرتا ہے، اسی سے یہ راہ طے ہوتی ہے ۔پھر اسے عینیت غیریت کا کیا پتہ ۔

محبوبیت

جب دل غیر سے صاف کر لیا تو خود کو ہی اپنا دلربا دیکھا ۔جب وحدتِ حق کا جام بھر کر پی لیا تو سب لوگ خواہ بیگانے تھے، اپنے آشنا لگنے لگے ۔جو ''وھو معکم این ما کنتم'' (وہ تمہارے ساتھ ہے، تم جہاں کہیں ہوتے ہو) کو جانتا ہے، وہ اپنے آپ کو حق سے جدا نہیں دیکھتا ۔

کل شئ هالك الا وجهه' (القصص ۔۸۸)

ہر شے ہلاک ہے سوائے اس کے چہرے کے

جو اس بھید کو سمجھتا ہے، اسے صورتِ غیر نظر نہیں آتی ۔کثرت کا بازار ذات نے گرم کر کے خود اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے ۔اگر چہ غیریت زیادہ

مشہور ہے مگر اس کا پتہ ونشان کہیں نہیں دیکھا۔ جب سے اپنے مرشد نور احمد کو دیکھا، کیا کہوں کہ ان کے روپ میں کیا دیکھا۔

ذات و صفات

وہ ذات اسماء صفات سے منزہ بھی ہے اور خود ہی علیم وبصیر و سمیع بھی ہے۔ وہی ذاتِ قدیم وواجب الوجود خود ہی ظاہر ہو کر حدوث اور خلق میں جلوہ گر ہے (قال محی الدین ابنِ عربیؒ ، ظاھر قدیم فھوا حادث) ۔ احدیت وصمدیت میں ذات بے مثل ہے اور اس کی کوئی ضد نہیں ہے۔ مگر جب غور سے دیکھیں تو عالم علوی اور سفلی کہاں واقع ہے۔ یہ ذاتِ حق ہی میں موجود ہیں۔

وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ (الجاثیہ-۱۳)

جیسے اس آیت میں "منہ" سے مراد آسمان وزمین اور ماسوا کا ذاتِ حق سے صدور ثابت ہے، پس جب ثابت ہو گیا کہ کلمہ پاک کے معنی "لا موجود الا اللّٰہ " ہے تو بس شرابِ وحدت پی اور ذہن کو بالکل صاف کر کے شرکِ خفی اور جلی سے پاک ہو جا۔ عشق تو خود ہی ساقی ہے اور اس نے ایسا اللہ جانے کیا پلا دیا ہے کہ اب خودی اور محبوب کی خبر نہیں رہی۔ مست و دیوانہ ہو گیا۔ اب مقامِ نازمناسب ہے (اور کیوں نہ ہو) کہ ہمارے پیر غوث الاعظمؒ ہیں اور علمِ خاص جنابِ عالی سے عطا ہوا ہے۔

نظر ناظر و منظور

ایک اہلِ صفا میں سے عاشق صادق صوفی رند کسی محفل میں کہہ رہا تھا کہ کثرت میں وحدت ظاہر ہو رہی ہے اور وحدت میں کثرت جلوہ گر ہے۔ اگر غور سے دیکھو تو خود ہی نظارہ ہے اور خود ہی ناظر۔ اور منظور بھی وہی ہے۔ ازلی معدوم تو موجود ہی نہیں ہے۔ ہر نظر، ناظر، منظور اور نظارا خود ذاتِ واحد ہے۔ اگر اپنی خودی کو قائم رکھتے ہوئے خدا کا قرب چاہتے ہو تو یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ جب تک انائے ذات کو فراموش نہیں کر دیتے، مدعا نہیں ملے گا۔ مقامِ ظہور میں ''میں، تُو، ہم'' وغیرہ جیسے الفاظ مروج ہیں مگر حضرتِ وجود میں ذات ''من وتُو'' وغیرہ سے منزہ ہے۔

اے قادریؔ! دل کو خوش اور شاد ماں رکھ۔ اب غم وفکر کرنا چھوڑ دے کیونکہ ہم نے دل کے ہاتھوں سے رسول ﷺ کی آل کا دامن پکڑ لیا ہے۔

گلشنِ وحدت و دنیا

جس کا تصورِ وحدتِ ذات سے دل کا غنچہ کھِل جاتا ہے، اسے چمن زار وغیرہ کی سیر سے کوئی سروکار نہیں رہتا۔ جو عالمِ قدس کی سیر میں مشغول ہو گیا، وہ اس ظاہری دنیا کی سیر میں نہیں لگتا۔ جس کو یہ گنجِ قناعت (یعنی خزانہ) جو مستغنی کر دینے والا ہے، حاصل ہو گیا، اس کو دنیا کے زر و جواہرات کی محتاجی نہیں رہتی۔

جب تک میں خودی اور اپنی انا کو انا سمجھتا رہا (تو تب تک) حیران اور غم وفراق اور بعدِ ذات میں گرفتار رہا۔ اب بھید کھل گیا ہے۔ دوری ختم ہو گئی اور ظن وگمان کا پردہ ہٹ گیا ہے۔ پتہ چلا کہ وہ ہمارے ساتھ ساتھ ہے، ہم جہاں بھی ہوتے ہیں۔ (وھو معکم این ما کنتم)۔ وہی ہمارے اول آخر، ظاہر باطن بذاتہٖ موجود ہے۔ اسی ایک نکتہ کو اگر تُو سمجھ لے تو یہ نادر نکتہ ہے۔ اس کے بعد بات کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔

اے قادریؔ! اس نظم وغزل وغیرہ (سے) جو سخن آرائی تُو کرتا ہے، اس سے کیا حاصل۔ محویت کی شراب پی (اور) جو مست ہو جاتا ہے، اسے الفاظ وحروف کی حاجت نہیں رہتی۔

تن و من

رات جب یار کے ساتھ مشغولی ہوئی تو یار نے کہا کہ اپنے جسم میں دیکھ، تیرے جسم میں طلسمِ ذات پوشیدہ ہے۔ جب قرآن میں ''وفی انفسکم'' (یعنی میں تمہارے نفوس میں، جان میں پوشیدہ ہوں) آیا ہے تو پھر اپنے تن وجسمِ عنصری میں دیکھ، کون پوشیدہ ہے۔

جب آدمؑ کے حق میں نازل ہوا ہے " ونفخت فیه من روحی '(ص-۷۲)'' (کہ جب میں نے اپنی روح میں سے اس میں کچھ پھونک دیا) تو تم سب اسے سجدہ کرنا تو ذرا غور سے دیکھو کہ اس جسدِ خاکی جو کہ لطیفۂ ذاتِ ترابی ہے، اس میں کون اپنی ہستی ظاہر کر رہا ہے۔ ''نحن اقرب الیه من حبل الورید (ق-۱۶)'' (ہم اس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں) تو ذرا تفکر کی نظر سے دیکھو کہ حق تم تو تم سے جدا ہو ہی نہیں۔ تم ایسے ہی مارے مارے پھر رہے ہو۔ کیوں آتشِ تو ہم میں جل رہے ہو۔ بس " وهو معکم این ما کنتم " کا بھید پالو اور ہر وقت دھیان رکھو کہ میں جہاں کہیں ہوں، وہ ذات میری جان کے اندر میرے ساتھ ہے۔ قلب میں نظر رکھو اور خیال رکھو کہ یہ عرشِ اللہ ہے اور اللہ کریم عرش پر جلوہ گر ہیں۔ یہی صراطِ مستقیم ہے۔

اور رات ساز بجانے والے نے جب جان جان میں تار بجائی اور ساز چھیڑا تو میرے وجودِ عنصری میں نئی نئی کیفیات پیدا ہوتی چلی گئیں۔ مختلف ساز، مختلف کیفیات صوتِ سرمدی سے پیدا ہوئیں۔ انوار وتجلیات نئی ہر لحہ نئی نئی شان ہویدا ہوئیں، میرے تن وجسد میں عجیب ساز بجنے لگے۔ ایسے میں کسے اچھا کہوں اور کسے کیا کہوں۔ بس میرا وجود ہی صوت الرحمٰن بن گیا۔

میرے مرشد نے ایسے ساز چھیڑے کہ جن کا بیان نہیں۔ اپنے مرشد کی بڑائی کیسے بیان کروں، تحریر میں طاقت کہاں۔

غم عشق

عشق کا غم دل میں چھپا نہیں رہا، ہر چند کہ میں اس کو چھپاتا رہا مگر سینے کو ضبط کرنے کی طاقت نہ رہی اور نہ ہی آنکھیں اشکِ رواں کو روک سکیں۔ اپنی ہستی کی تمام جمع پونجی ہم نے بادشاہِ عشق کی نظر کر دی۔ امیدِ عطا کافی تھی مگر ابھی تک وہی ظلم اور بے وفائی ہی ملی ہے۔ وہ شراب کیا تھی گویا ایک آگ ہی تھی جو ہم کو ساقی نے پلائی۔ اس سے میرا جسم جل کر کوئلہ ہو گیا اور سینے میں دل ابھی تک جل رہا ہے۔

اے میرے دوست! جب ہم نے تیرے عشق میں اپنا دل وجاں قربان کر دیا ہے تو اب زندگی کی کوئی فکر نہیں۔ ہم نے تو موت کا اندیشہ بھی اٹھا دیا ہے۔

اے مرشدِ کامل! نور احمدؒ! ہم سے تیرے لطف کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اب تیرے قدموں کی خاک پر قادریؔ سجدے کرنے کیلئے سر جھکا رہا ہے۔

اھا اھا اھا ھا ھا

لطف ومستی کا اظہار ہے۔ ساقی کی کیا تعریف کروں، میرا ساقی صاف دل لوگوں کی محفل کا ساقی ہے۔ لطف ومستی سے عرض کیا جا رہا ہے کہ مجھے

انہی اہلِ صفا لوگوں والی شرابِ طہور کا پیالہ بھر کر پلا دیں۔

اے توحید کے رنگِ یکتائی میں رنگے ہوئے نغمہ گر مرشد کریم! مجھے اپنے کرم و فضل کے صدقے میں سازِ توحید اور آوازِ حق سے معیتِ ذات وھو معکم این ما کنتم کا نغمہ سنا تا کہ لطف و سرور میرے رگ و ریشے میں دوڑ جائے۔ جب آدمؑ کے حق میں ذاتِ باری تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں نے اپنی روح میں سے اس میں روح پھونک دی تو پھر آدم کون ہے۔ ذرا غور و فکر کر۔

قل جاء الحق و زهق الباطل ۔ ان الباطل کان زهوقا

حق آیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل نے مٹ جانا ہی تھا

ان معنوں کو سمجھو۔ بے شک باطل غیر و سوا موجود ہی نہیں۔ اللہ کریم مرتبہ احدیت و عماء میں بے صورت تھا۔ پھر اپنی ادا کا خود مشاہدہ کرنے کیلئے صورت و نشان میں ظہور و تجلی فرمائی۔ کیا ہی لطف کی بات ہے۔

انا من نور اللّٰہ وخلق و کلهم من نوری **(بخاری و مسلم)** **(میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام خلق میرے نور سے ہے)** فرمانِ نبوی ﷺ ہے تو پھر بھلا تُو کون درمیان میں ہے۔ اس پر ذرا غور و فکر کر۔ کیا ہی لطف کا مقام حاصل ہوگا۔ اے قادری! تجھے کیا غم۔ اسد ابنِ ابی طالبؓ تیرے حامی و ناصر ہیں، جو کہ رسول اللہ ﷺ کے خاص نائب ہیں۔ پس ان کو مرشد خیال کر، کیا ہی لطف و کرم حاصل ہوگا۔

اہا ہا اہا ہا اہا ہا ہا ہا

اھا ھا اھا

مجھے کیا پلا دیا، میرے ساقی کیا لطف و سرور آ رہا ہے۔ پیتے ہی لطف و سرور میری جان و تن میں دوڑ گیا۔ نہ عدم کا، نہ وجود کا، کچھ ہوش و اثر باقی رہا۔ شکر اس شرابِ الست پلانے کا ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ مراتبِ توحید میں نزول و عروج کا کوئی قصد و وہم اب باقی نہیں رہا۔ کوئی آرزو، کوئی مدعا نہیں رہا۔ قرب و وصل کی سرخوشی نہیں رہی اور نہ ہی بعد و ہجر کا کوئی غم و الم ہے۔ عینیت غیریت کی کوئی نہیں سوجھتی، بس اک لطفِ دوام ہے۔ اہا ہا اہا۔

جو راستہ طریقت میرے مرشد نور احمد شاہؒ نے اپنے لطف سے سمجھایا ہے، ایسا ہے کہ جو الفاظ میں کسی طور پر بیان نہیں ہو سکتا ہے۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

الفاظ و زبان اس راستے کو بیان کرنے سے قاصر ہیں، وہی جانتا ہے جو اس راہ پر چلتا ہے (۱)

﴿ (۱)☆ سمع حمد نفسه بما اثنیٰ علیه المعبود فهو الحامد والحمد والمحمود حقیقة الوجود المطلق عین هویة المسمیٰ بالخلق والحق (المحمود (اسم اللہ) نے جس چیز کی ثنا کی، وہ اس کے اپنے ہی نفس کی حمد تھی جس کو خود اس نے ہی سنا۔ پس وہی حامد اور وہی محمود ہے اور وہ ہی حمد ہے۔ وہ مطلق عین اس چیز کا ہے جس کا نام خلق اور حق ہے یعنی وجود مطلق نے دو مختلف حقیقتوں خلق و حق میں ظہور فرمایا) ۔ از انسان الکامل فی معرفت الاواخر والاوائل، مطبوعہ مصر، مصنف سید عبدالکریم بن ابراہیم جیلی، جلد ۱، صفحہ ۳۔

☆فهو تجلیاته فی ذاته بالفیض الاقدس الاولیٰ وظهور الازلی فهو الحامد المحمود جمعا و تفصیلا (پس وہ تجلیات ہیں جو اس کی ذات میں بطریق فیضِ اقدس اولیٰ و بطریق ظہور نورانی کے موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہی حامد ہے اور وہی محمود بھی ہے، جمالاً بھی تفصیلاً بھی)۔ از تفسیر روح البیان۔ جلد ۱، صفحہ ۸، سطر ۱۵۔

☆چوں بعالم نیست غیر یار کس حامد و محمود خود ہم بود و بس (جب کہ تمام عالم میں یار کے سوا کوئی نہیں ہے۔ تعریف کرنے والا اور تعریف کیا گیا

سب وہی تھا اور بس)۔فریدالدین عطار،صفحہ ۱۵۔مطبع مجیدی کان پور شائع کردہ خلاصی ٹولہ کلکتہ۔ ﴾

عطائے عشق

حضرتِ عشق نے جب مجھے عشق عطا کیا تو میں کیا بتاؤں کہ میں کیا سے کیا ہوگیا۔غلام وخواجہ سے ماوراءفناوبقاسے مطلق فارغ ہوگیا۔قلب اللہ کریم کا عرش ہے(اور) اللہ باقتدار اس قلب پر جلوہ افروز ہے۔اس بات میں کوئی شک وگمان نہیں ہے،مگر جب غیریت کو قلب سے صاف کیا جائے اور زنگِ غیریت سے دل کا آئینہ مصفا کیا جائے تو تب عرش اللہ اور قلب پر اللہ جلوہ گر نظر آتا ہے۔جب ذات اپنی وحدت میں واحد عماء تھا تو من وتُو سے پاک ومنزہ تھا،پھر عالمِ کثرت میں ظاہر ہوکر مشہور ہوگیا اور ہم اور آپ ظہور میں آگئے۔مومن مومن کا آئینہ ہے۔حدیث پاک ﷺ ہے،اس میں تو کوئی شک نہیں ہے۔انسان حق کا آئینہ ہے کیونکہ ''مومن'' اللہ کا نام ہے،لہٰذا مومن اللہ کا آئینہ ہے۔

شاہ نوراحمد قادریؒ وصف وثناء سے برتر ہیں۔میری عقل ناقص،فکر نارسا اس قابل کہاں ہے کہ ان کی توصیف کرسکے۔

حجاب و خلافت

اے طالبِ سالکِ راہ تو حیدا پنے دل سے ماسوا اللہ کا حجاب اٹھادے۔جب میں نے اٹھایا تو مجھے حضرتِ کبریا کا جلوہ نظر آیا اور یہ حجاب عشق سے بھی اٹھا۔جس کومرشد کریم وحدت کی شراب سے پیالہ پلادیتا ہے،وہ من وتُو کی باتیں بھول جاتا ہے،ان باتوں کا قائل نہیں رہتا۔جس پر '' نحن اقرب الیه من حبل الورید '' (ق۔۱۶) کے معنی منکشف ہوگئے،اسے جدائی اور دوری،ذات سے مطلق نہیں رہتی اور نہ غم۔اگر حق سے آشنائی چاہتے ہو تو خودی کو ترک کردو۔بس حق ہی اس راہ میں تمہارے لیے کافی ہے۔انسان کا قلب اس وسیع ہے کہ اللہ کریم بھی اس قلب میں سماجائے،حالانکہ وہ دونوں جہانوں میں نہیں سماتے۔جب عالمِ ملکوت میں ملائکہ کو بھی ذات نے خلعتِ خلافت کے لائق نہ دیکھا تو یہ کبریائی اور بزرگی کی خلعت انسان کو پہنادی۔

اب اگر کوئی خیالِ غیر اللہ سے خودکو پاک رکھے اور دل کو ذاتِ حق سے پیوست رکھے تو وہ صحیح خلیفۃ اللہ ہے۔اے قادریؔ! میں خود اس صفائی باطن کا طلب گار ہوں۔

مئے وحدت

مئے وحدت سے جس شخص کو مستی وسرشاری ہوجاتی ہے،اسے ہر مظہر میں جمالِ مصطفائی نظر آنا شروع ہوجاتا ہے۔رمزِ معیت ذات حاصل کر اور سمجھ کہ انسان اللہ کا بھید ہے اور اللہ انسان کا بھید ہے۔اگر ہر وقت قلب پر نظرِ تفکر رکھے تو بہت امید ہے کہ اسرار کے خزانے اسی قلب سے پیدا ہوں گے ۔اگر دل پر وحدت کا سورج چمکنے لگ گیا تو کثرت کی ظلمات ختم ہوجائیں گی اور عالمِ انوار ظاہر ہوگا۔اگر تیری نظر میں تیری ہستی ایک بال برابر بھی باقی رہ گئی تو اس تار جیسی ہستی سے صد ہا خرابیاں پیدا ہوں گی۔بس اپنی ہستی مطلقاً درمیان سے اٹھادے۔اگر خود بخود تیرے دل سے ''انا الحق'' (کہ میں خود ہی وہ حقیقتِ جامع ہوں) کا اقرار پیدا ہوجائے تو تب تجھے دولتِ ایمانِ حقیقی حاصل ہوگی۔اے قادریؔ! جو شاہِ جیلانؒ کا مرید ہو،تو اُس پر عنایاتِ بے پایاں حضرت حیدر کرارؓ ولی اللہ ہوتی رہتی ہیں۔

تاثیرِ عشق

میرے دل پر عشقِ الٰہی کے اثرات ہونے لگے تو عقل و ہوش کے تمام کام ختم ہو گئے۔ ظلمت و کثرت نے اپنا سامان باندھا اور رخصت ہو گئی۔ اے دوست! جب نورِ وحدت نے دل پر جلوہ گری کی (تو پھر) اس دل میں وہمِ ہستی اور خودی کب رہ سکتی ہے، جس دل میں محویت اور بے خودی کا گزر ہونے لگتا ہے۔

جب مرشدِ کامل کا فیض میرے دل پر ہوا تو میرا دل جو کہ خطرات و خیالات میں مبتلا رہتا تھا (پھر) مظہر (ذات) اور جلوہ گاہ تجلیٔ حق ہو گیا۔ اول میں فنائیت اور محویت کے مراقبات کرتا رہا تو فنا اور محو رہا۔ اب بقاباللہ کا سبق کر رہا ہوں تو باقی ہوں۔ جب مست رند نے عشق کے اوصاف بیان کئے تو واعظ کا دل بھی ڈگمگانے لگا۔ اے قادریؔ! تمام رات تو نظم و شعر میں گزر گئی، اب چپ ہو جا، وقتِ سحر ہو گیا۔

تمام رات ہنگام گستری میں کٹی

سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی (اقبالؒ)

یار نے میرے دل کو ہی دلدار اور مظہرِ انوار بنا دیا ہے اور ایسا بیکار کر دیا ہے کہ اب دین و دنیا کے کسی کام سے تعلق نہیں رہا۔ مجھے اس راہ کی کچھ خبر نہیں تھی۔ یار نے ہی خود مجھ پر کرم کیا اور محرمِ اسرار بنا دیا۔ محویت سے ہوشیاری میں خود ہی لے کر آیا اور خود ہی اک آن میں مستی سے ہوشیاری عطا کی۔

شرابِ وحدت

اے پیر و مرشد! مجھے جامِ وحدت جلدی جلدی عطا فرمایئے اور مجھے میری عقل سے آزاد کر دیجیے، تاکہ مجھے کسی کام سے اور عذاب و ثواب سے کوئی تعلق نہ رہے۔ تاکہ نہ کثرت و وحدت کا ہوش رہے اور نہ جمع و فرق کا (تاکہ) حقیقتِ واحدہ بے حجاب ظاہر ہو جائے۔ (اور) جو ذات ظاہر ہے اس کی طرف سے کوئی حجاب نہیں اور اگر کچھ حجاب ہے تو وہ خود تیری اپنی ذات کا ہے۔

اے قادریؔ! یہ وقت غنیمت ہے جو گزر رہا ہے۔ سب کام چھوڑ کر اصل کام میں مشغول ہو جا، تب وحدت کا سورج دل پر چمکے گا اور کثرت کے نقوش اس طرح مٹ جائیں گے جیسے پانی کی سطح پر نقوش بن کر مٹ جاتے ہیں۔ جب تک معرفتِ الٰہی تجھے حاصل نہیں ہوتی، تیری زندگی کامیابی سے نہیں گزرے گی اور نہ ہی تُو اسے کامیابی خیال کر۔

ذاتِ بے نشاں ہر صورت میں جلوہ گر ہے۔ بس تیری ہستی ہی حجاب ہے۔ دنیوی لذات سے گزر۔ اگرچہ یہ دنیا میں بہت لذیذ ہے مگر نتیجہ آخر خرابی و عذاب ہے۔

یا مولیٰ علی! گو میں خراب و روسیاہ بندہ ہوں، مگر آپ کے لڑ لگ گیا ہوں۔ شفقت فرمایئے۔ (۱)

(۱) ☆ فتنتهى عبادتك بالفضاء وجودك فيكون هو العابد والمعبود جميعاً لا غيره (آپ کے وجود کے فنا ہو جانے کے بعد آپ کی عبادت بھی ختم ہو جائے، پس وہی عابد و معبود سب وہی ہو۔ نہ کہ اس کا غیر) تفسیر شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی۔ صفحہ ۷، جلد: ا۔ مطبوعہ مصر

☆ ان الکامل هو الساجد والمسجود (بے شک ذاتِ حق بصورت انسانِ کامل ہی ساجد اور مسجود ہے)۔ تفسیر روح البیان صفحہ ۳۰، جلد ۲، سطر ۲۹

☆ پس ہر مرتبہ میں وہی وجہ خاص سے متجلی ہے اور بانواع تجلیات بہ مقتضائے اسماء وجوبیہ اور امکانیہ تعینات عابدیت اور معبودیت ساجدیت مسجودیت میں ظاہر ہوا ہے۔ ورنہ درحقیقت وہی عابد وہی معبود، وہی حامد وہی محمود، وہی شاہد اور وہی مشہود ہے۔ جلاء المرات، شرح مراۃ العارفین، صفحہ ۱۷۔

☆ولما اعلم انه العابد نفسه بهم منبها علیٰ شهود ذالك فينا (جب اس نے ہمیں بتا دیا کہ وہ مخلوق کی صورت میں خود ہی اپنے آپ کا عابد ہے تو ہم نے اپنے آپ میں اس کی شہود پر آگاہی پائی)۔انسان کامل عربی۔صفحہ ۱۳۲، جلد ۱ (مطبوعہ مصر)۔

☆ہستی مطلق جہاں بھی ظاہر ہے عین مظاہر ہے (خالق اور مخلوق غیریت نہیں اور تمام مظاہر میں بذاتہٖ ظاہر ہے)۔کہتے ہیں کہ دل عجب قسم کا شیشہ ہے۔اس میں دیکھنے والے کو اپنی صورت نظر آتی ہے۔اور شیشے میں دیکھنے والے کو اپنی صورت نظر آنا عجب نہیں اور عجب یہ ہے کہ خود (ذاتِ مطلق) ہی آئینہ اور خود ہی اس میں دیکھنے والا ہے۔
ترجمہ:لوائح جامی۔صفحہ ۲۲، لائحہ بست و ہفتم۔۲۷ مطبوعہ نولکشور ۱۹۱۲ء

☆پھر نگاہ کی تو اپنے نور کو اس کا نور دیکھا اور اس کی عزت وعظمت میں اپنی عزت وعظمت کو دیکھا۔معلوم ہوا کہ جو میں کرتا ہوں، اس کی قدرت سے کرتا ہوں۔جب اس کا نور میرے دل میں چمکا تو انصاف وحقیقت کی نگاہ سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ تمام حق کی طرف سے ہی تھا نہ کہ میری طرف سے۔میرا خیال تھا کہ میں اس کی عبادت کرتا ہوں لیکن معاملہ برعکس نکلا۔میں نے عرض کی کہ خداوند! یہ کیا معاملہ ہے۔جواب ملا کہ سب کچھ میں ہی ہوں اور نہ میرا غیر۔تذکرہ اولیاء۔باب ۱۴، معراج بایزید بسطامی

☆ وہ خود ہی نظر، خود ہی ناظر، خود ہی منظور، خود ہی عشق اور خود ہی عاشق اور خود ہی معشوق ہے۔اگر تُو اپنے آپ سے پردہ ہٹا دے تو سب ایک ہی ذات تجھے دکھلائی دے۔یہ دوئی صرف احوال کی وجہ سے ہے۔رسالہ روحی۔صفحہ ۲۔مصنف حضرت سلطان باھُوؒ

☆ زہد و ذکر و ذاکر و مذکور یکے گردد دوئی از میان برخیزد (ذکر، ذاکر اور مذکور ایک ہو جاتے ہیں اور دوئی درمیان سے اٹھ جاتی ہے) تفسیر عزیزی پارہ اول، صفحہ ۱۴۔

☆ ناظر خود است و خود منظور　　　خود تماشا و خود تماشہ کار۔قصیدہ عطار، تذکرہ غوثیہ۔صفحہ ۲۷۳ ﴿

آفتابِ ہستی

ہر ذرہ سے ایک سورج ظاہر ہو رہا ہے۔یہ ذرہ ذرہ سورج ہے، سورج ہے، سورج ہے۔اگر تم نظرِ تحقیق دیکھو تو دریا کی موج اور حباب بھی دریا ہی ہے۔اگر تُو اپنی ہستی ہیکل جسمِ انسانی کا طلسم توڑ دے تو تجھے ایسا خزانہ حاصل ہوگا جس کی نہ کوئی حد ہے نہ حساب۔اگر تُو مولا علیؓ کا غلام ہے تو اپنی ہستیِ خیبر کو توڑ دے۔اگر ''من عرف نفسہ'' سے تُو نے اپنی ذات کو شناخت کر لیا تو تُو نے پورے عالم کو فتح کر لیا۔

تیری ذات ام الکتاب قرآن ہے۔باقی تمام علوم اس قرآن کی آیات وحروف ہیں۔میرا پیر نور احمدؒ دو بلندیاں رکھتا ہے۔جنابِ عالی کی شان میں کیا بیان کروں۔مجھے مرشد نے بتایا کہ جب تک تُو ذات کو نہیں پاتا، یعنی ہستیِ خود کو، تو (تُو) صفات کو، یعنی کائنات کو کیسے حاصل کر سکتا ہے۔انسان کی صفات مظہرِ ذاتِ حق ہیں اور انسان کی ذات، ذاتِ حق کا سایہ وظل ہے۔

جزویات کُل میں ہی موجود ہیں، جو اجزا نظر آ رہے ہیں۔یہ وجودِ حق کے ہی ظہورات و آثار ہیں۔بحرِ ہستی پانی کی مثل ہے، باقی موج حباب دریا، سمندر سب اسی کے نام ہیں۔ممکناتِ عدم میں ہر شان میں حقیقتِ واحد جلوہ گر ہے۔

عاشقِ ہستی

جو جنابِ حضرتِ کبریا کا عاشق ہے، وہ دونوں جہان کی نعمتوں کی طرف مطلق التفات نہیں کرتا۔جس کی نگاہ میں ہستیِ واحد سما گئی ہو، وہ صرف اسے ہی دیکھ رہا ہو تو اس کی نظر میں یہ مظاہرِ عالم، ھو الظاہر ذاتِ حق کے ظہورات ہیں۔

جو فرمان نبوی ﷺ ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے تو اس سے مراد یہ ظاہری رسم ورواج والا علم نہیں، بلکہ معرفت وقرب کا علمِ لدنی مراد ہے۔

صفات میں اگرچہ ایک دوسرے سے تمیز اور غیریت پائی جاتی ہے مگر موصوفِ ہستی ایک ہی ہے جس نے تمام صفات کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

اے قادری! اولیاء کے سلف سب اس بات پر متفق ہیں کہ غیریت کا اثبات شرک ہے۔ اب جب کہ تُو خوشحال ہے، خوامخواہ غفلت میں خود کو کھو رہا ہے۔ تیرے اندر بے بہا گوہر ہیں۔ تُو اسے مٹی میں ملا رہا ہے۔

پابندیٔ اوقات وغیرہ سب باتیں تیری ہوس کی وجہ سے ہیں، ورنہ تجھے کس نے پکڑ رکھا ہے۔ اے زاہد! عاشقوں کو ذاتِ حق کے سوا کچھ نہیں سوجھتا، تُو انہیں فضول جنت کے قصے سنا رہا ہے۔

اے اہلِ وجد! اگر تیرا وجد صحیح ہے تو نفس کو پامال کرنا وجد کا کام ہے۔ فضول میں پاؤں زمین پر مار مار کر کیوں زمین کو ستا رہا ہے۔ دل وحدت کے باغ کا طائر ہے۔ اس کو کثرت کے جال میں، اے غافل! تُو کیوں فضول میں پھنسا رہا ہے۔ طالب و مطلوب ایک دوسرے کا عین ہے۔ یعنی جو طالب ہے ، وہی مطلوب ہے اور جو مطلوب ہے، وہی طالب ہے۔ تُو خوامخواہ ہمت کے گھوڑے طلب کے میدان میں دوڑا رہا ہے۔

اے قادری! جب کہ محویت میں ہی آرام ہے، تو ایسے شعر و شاعری میں کیونکر جل رہا ہے۔ آج ذات کی تجلیات بہار بن کر میری جان کو راحت دے رہی ہیں۔ آج وحدت کے بادل چھا گئے ہیں اور رحمت کی پھوار برس رہی ہے۔ پھولوں کا بادشاہ تختِ چمن پر تشریف لایا ہے اور تمام دیوانے بلبل دست بستہ کھڑے ہیں۔

وہ جو پامالِ زمانہ ہیں میرے تخت نشیں	دیکھ تو کیسی محبت سے تجھے دیکھتے ہیں
کہہ گئی بادِ صبا آج تیرے کان میں کیا	پھول کس درجہ شرارت سے تجھے دیکھتے ہیں

ہر رنگ کے پھولوں پہ بہار آئی ہے اور باغِ وحدت میں خوب رونق ہے اور آبشار کس دھوم دھام سے رواں ہے۔ سب عیش میں مصروف ہیں۔

اے شاہِ شرابِ عشق!

سب اہلِ صفا مل کر باغِ وحدت کی یاد کر رہے ہیں۔ اور یہ قادری مدت سے تیرے آستانہ پر رہتا ہے۔ آج اسے خوشگوار شراب پلا دے۔

ہر پھول و شاخ و پتے میں اسی کا جلوہ ہے۔ اسی کے رنگ سے لعلِ بدخشانی چمک رہا ہے۔ مشک و عنبر اسی کی خوشبو سے مہک رہے ہیں۔ مست نگاہوں میں وہی عشوہ گر ہی ناز کر رہا ہے۔ ہر زبان سے نکاتِ خوش ادا وہی بول رہا ہے۔ محبوب و دلبر کی شکل میں وہ کیا کیا ناز کر رہا ہے اور خود ہی عاشق ہو کر جدائی کی آگ میں جل رہا ہے۔ اے قادری! یہ وقت بہت عزیز ہے، اسے فضول نظم و سخن میں ضائع نہ کر۔ اس ظاہر کے باغ و چمن کو تُو کیا دیکھتا ہے۔ چشمِ تفکر سے اپنے دل کے چمن کی سیر کر، جب غیرِ محض کا وہم رفع ہو گا تو خلوت در انجمن حاصل ہو گی۔

سفر در وطن سے مراد ہے، عاشقوں کیلئے کہ خود ذاتِ خود سے گزر جانا۔ ظاہر سیر و سفر کچھ نہیں۔ عالمِ اکبر جو از عرش تا فرش موجود ہے، وہی عالمِ اصغر (کی صورت میں) یعنی انسان کے بدن میں اور ذات میں موجود ہے۔

اے قادری! شہنشاہ زمین و زماں غوث محی الدینؒ ہر علو و پستی میں تیرا حامی و مددگار ہے۔

طلسم جسم

وحشت میں جنگلوں کے اندر کیوں پھر رہا ہے؟ ذرا تفکر سے اپنے گریبان میں جھانک۔ عرش سے فرش تک جو کچھ عالم میں موجود ہے، تمام حضرتِ انسان میں موجود ہے۔ عالمِ امکان و عالمِ غیب میں جو کچھ موجود ہے، تمام مظہر محمد ﷺ میں موجود ہے۔

دل کی آنکھوں سے اگر پردہ ہٹ جائے تو عالم میں ہر دم کل یوم ھو فی شان (الرحمٰن۔۲۹) دیکھے گا۔ اب میرے آنگن میں بہار آئی ہے۔ راحت و عیش کا وقت ہے۔ اے صلاح دینے والے! تقویٰ و زہد کی کی بس مجھ پر چھوڑ دو۔ ہزار بار شکر ہے، آج میکدہ کے پیر نے اپنے میکدے کا دروازہ یا

فتاح پڑھ کر کھولا ہے یعنی جسم کا طلسم یا فتاح سے کھولا ہے۔ساقی سے میری رو رو کر التجا ہے کہ ایسی شراب پلائے جو مجھے صبح وشام کا چکر بھلا دے، زمان ومکان سے بے خبر کردے۔

میں منتظر ہوں ؔتجی گردش میں جام کردے

ایسی پلا جو میرا قصہ تمام کردے

جنونِ عشق سے سمندر میں ایسا جوش آئے کہ عقل کا ملاح فوراً ڈوب جائے۔ ہر مرتبہ (درجہ) میں حقیقتِ واحد ظاہر ہو، عالمِ ارواح، عالمِ اجسام وغیرہ سب بھول جائیں۔اے قادری! اس قیل وقال سے کیا حاصل، یہ سرِّ عشق ہے، اس کو ضائع مت کر۔

جذب و مستی

اے میرے ساقی! جذب ومستی کا جامِ فرحت مجھے پلا دے، جو میری آنکھوں میں عشق کی مستی پیدا کردے، ایسا جام پلا دے کہ اگر میں شش جہات کی طرف نظر کروں تو مجھے ہر شے مستی میں ڈوبی نظر آئے۔آسمان وکواکب وبروج، آتش باد آب خاک، سب اسی مستی میں ڈوبے ہوئے نظر آئیں جو سرخ شراب کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔

جن وانس، حیوان، نباتات وجمادات، دریا وسمندر، جنگل وصحرا، پہاڑ وغار سب اسی مستی میں نظر آرہے ہیں اور جب میں باغ کی سیر کو جاتا ہوں تو صاف طور پر عیاں نظر آتا ہے: گلزار مست آبشار مست وسرخ ۔ مرشد کو دیکھوں تو وہ بھی مست نظر آتا ہے۔اس کے ساز بھی سب سرخ ومست نظر آتے ہیں۔یہ مستی کی بہار ہے۔اگر مقدر نے ساتھ دیا تو انشاء اللہ میں ایسی سرخ مستی میں ڈوبی ہوئی بہاریں دیکھتا رہوں گا۔

اے ساقی! تیرا میکدہ ہمیشہ آباد رہے۔ مجھے پیالہ شراب بخش اور غم کے بندھن سے آزاد کردے۔آج عیش وعشرت کا کیا چاہنا۔یہ تو بس ایک روزہ ہے۔دنیا تو بے بنیاد ہے۔بس حق کی رضا پر راضی ہو کر خواہشِ نفس چھوڑ دے۔بس وہی شخص قلبی طور پر خوش رہے گا جو نفس کی خواہشات کی پیروی نہیں کرے گا۔طرزِ سلوک ایسا بہتر ہے جو آرام سے یہ راہ طے کرائے۔خوامخواہ سخت ریاضات سے خود کو جلانا ٹھیک نہیں۔

اگرچہ ایک حقیقت بے شک و بے گمان ہر ایک مرتبہ میں ظاہر ہے۔احدیت سے لے کر مرتبہ عالمِ اجساد تک اسی کا جلوہ ہے لیکن ہر مرتبہ میں ذات کا حکم جدا جدا ہے۔جیسے ایک سیاہی ہو لیکن حروف مختلف اور اثرات مختلف جو کہ معنی مختلفہ کو ظاہر کرتے ہیں، ایک دوسرے کی ضد بھی ہوتے ہیں۔اگر حفظِ مراتب نہ رہے تو کفر والحاد میں جا گرتا ہے۔پس اے قادری! حفظِ مراتب ملحوظ رکھتے ہوئے اسی راہ پر چل۔بس یہ نقطہ آج کی رات ایک آزاد قلندر رکھتا ہے کہ اے دوستو! ترکِ مرادات کرنا ہی مراد ہے۔فضول دن رات اپنے ذہن کو دنیوی تفکرات میں پراگندہ کرنا ٹھیک نہیں۔ جو دونوں جہانوں کی فکر سے آزاد ہو، وہی (قلب) خوش دل وشاد رہتا ہے۔

تلاشِ رزق کا بہانہ کر کے فکرمند ہونا فضول ہے۔رزق تو مقدر ہو چکا، اب اس میں نہ کوئی کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی۔جس کو عقلِ معاد یعنی آخرت کا شعور رکھنے والی عقل حاصل ہے، وہ عقبیٰ میں بھی مصروف کار نہیں ہوتا۔اے قادری! وہی عاشق ہے کہ جس کو عشقِ الٰہی میں اس قدر رسوخ ہو کہ غیرِ خدا اسے خواب میں بھی نظر نہ آئے۔ذاتِ حق کا وجود اپنے کمالات میں بذاتِ خود موجود ہے۔عدم تو غیر ہے، اس کو نمودار اور وجود نہیں۔

تجھے ظاہری آنکھ اور نظرِ بصیرت سے جو حق تعالیٰ نظر آتے ہیں تو تُو سمجھ کہ یہی شاہد ہے اور یہی مشہود ہے۔عبادت سے حقِ عبدیت ادا کر مگر شرط یہ ہے کہ سمجھ کہ وہی عبادت کررہا ہے اور وہی معبود ہے۔

کلمہ طیبہ سے جو یہ صاف طاہر ہے کہ ظاہر و باطن جو کچھ ہے، وجودِ حق کے سوا نہیں ہے۔ اے قادری! ہر وقت لازم ہے کہ حق تعالٰی کی حمد ثناء کرو، مگر اس طرح کہ حمد کرتے وقت یہ خیال رہے کہ وہی حامد ہے اور وہی محمود ہے۔

اگر چہ ہر ایک کو عطاؤ بخشش لذیذ لگتی ہے مگر عشاق کو عشق میں جور و جفا لذیذ لگتا ہے کیونکہ عطا باعثِ بقا ہے اور جفا موجبِ فنا و عدم اور عاشق کو تو اپنی ہستی ختم کرنا لذیذ لگتا ہے۔ جس کو یار کے اسرار کی خوش کرنے والی خوشبو پہنچتی ہے، اس کو مشک و نافہ کی خوشبو بھی اچھی نہیں لگتی ہے۔ حور و قصور جنت اور ہر آرزوئے نفس تیرے لیے حجاب ہے۔ ہر آرزو ترک کردے، لذات ہی لذات ہیں۔

رنگ و بے رنگ

جب پھولوں کے موسم کی بہار چمن میں آتی ہے تو حسنِ بے رنگ رنگوں میں خوش رنگ بن کر دکھائی دیتا ہے۔ جب بلبلِ چمن اسے نغمے سناتی ہے تو پھولوں کے جام میں شوق کی شراب بھر کر بہار اسے پلاتی ہے۔

کچھ درخت کیسے آزاد کھڑے ہیں اور کچھ پرندے کیسے درختوں پر اپنی بندگی کر رہے ہیں۔ بظاہر ایسا لگ رہا ہے کہ چمن زار میں پرندے شور و غل مچا رہے ہیں لیکن درحقیقت یہ سب دھوم دھام بہار کی وجہ سے ہے اور بہار ہی دھوم مچا رہی ہے۔ ہم تو دل کو از فکرِ ما سوا فارغ کر کے سوئے تھے، پھر یہ بہار سوئے ہوؤں کو کیوں جگاتی ہے۔

اے ساقی! شراب کا جام بھر کر پلا دے۔ ہر طرف سے بہار کہہ رہی ہے کہ نوش کر، جام نوش کر۔ اگر چہ شعر کہنے کا مجھے شوق نہیں ہے لیکن کیا کروں، یہ سب کچھ تو بہار مجھ سے لکھا رہی ہے۔ جو میرے دل میں بہار آئی ہے، اسی کا اثر ہے کہ میں شعر کہہ رہا ہوں۔ پھول کھل چکے ہیں اور ہزاروں بلبلیں آئی ہیں اور پرندے شور مچا رہے ہیں۔ ہر ایک سبزہ زار، فوارے نہال ہو رہے ہیں۔ اے ساقی! اب زہد و تقویٰ کو ترک کرنا چاہیے۔ موسمِ بہار ہے، جام پلا جسے پیتے ہی آنکھوں میں نشے کے ایسے ڈورے آجائیں کہ جس سے ہر ہر صورت میں یار کا چہرہ دیکھوں۔ اے قادری! نغموں اور سخن آرائی کو چھوڑ اور (جو) اصلِ کار ہے، اس کام میں مشغول ہو جا۔

جب شاہِ عشق دل کی مملکت میں جلوہ گر ہوئے تو مجھے کچھ نہ سوجھا اور عقل بھی پتہ نہیں کس راہ سے رخصت ہوگئی۔ خواہشات، حرص اور ریا کاری وغیرہ ایک دم سب فنا ہوگئیں اور حواس عشرہ میرے خادم ہوگئے اور ہر چند کہ عشق کی راہ پُر خطر ہے اور عشق سے لوگ دور بھاگتے ہیں مگر راہبر اگر رحمت کرے تو یہ راہ نزدیک تر ہے اور بے نظیر ہے۔ جب دل کا شیشہ زنگِ غیریت سے صاف ہو جاتا ہے تب (ہر) نشان میں حقیقت کیسے جلوہ گر ہے، عیاں ہو جاتی ہے۔ اگر معنیٔ حق کو دیکھنا ہے تو صورت میں دیکھ۔

اے قادری! صورت معنی کا نشان ہے اور معنی صورتوں میں ظاہر ہو رہے ہیں۔

عشق بے خودی

اے سالک! بے خودی کی شراب کا جام پی اور اپنے آپ سے گزر جا، راہِ تصوف کی یہ نزدیک ترین راہ ہے۔ جن اسباب نے تیری ہستی کو قائم رکھا ہوا ہے، ان کو دور کر اور عشق کی راہ میں ہوشیار رہ۔ جب مسافر بغیر سامان وغیرہ کے ہو تو اسے لٹیروں کا کیا خوف۔ تیرا دل خاص خلوت خانۂ حق ہے۔ اس میں اپنے محبوب کو دیکھ۔ اگر بحر و بر میں ڈھونڈتا ہے تو یہ سراسر دیوانگی ہے۔

اے شہبازِ لامکاں! تیرا آشیانہ وحدتِ ذات ہے تو کیوں چغد کی طرح خاک آلودہ میں رہتا ہے۔ اے شاہ محی الدین عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانیؒ اس قادری پر نظرِ کرم فرمائیں جو کہ بے سروساماں، آپ کے در پر ایک مدت سے پڑا ہے۔

بس ہرگز تجھے ان صوفیاء میں سے کچھ نہیں ملے گا جب تک کہ تُو خود اپنی ہستی سے کنارہ نہیں کر لیتا۔ بس غیر کو موجود ہرگز نہ سمجھو، اسی غیریت کے آجانے پر توبہ کرتے رہو، تشبیہہ صَرف تنزیہہ صَرف کا پابند نہ ہو۔ بس ان دونوں کو بیک وقت دیکھو اور دونوں کے درمیان رہو۔ ہستی کے اعتبار سے معنی اور صورت میں کوئی فرق نہیں، مگر تعینات کے اعتبار سے فرق و غیریت ہے۔

لامکانی شہباز و پرواز

چغد نہ بن، شہباز بن اور فرش سے لے کر عرش تک پرواز کر کہ اگر تُو خود کو پہچان لے تو خدا کی قسم، زمین و زماں میں ناز کرے گا۔ اپنی ہستی کو خود پر کھول۔ عشق کی بازی تیرے ہاتھ ہے۔ اگر دیدۂ فکر سے دیکھے تو مجازی تمام عالم حقیقت کا عین ہے۔ خود عشق، خود عاشق م خود معشوق۔ خود بخود اپنے آپ سے ناز و نیاز کر رہا ہے۔ کہیں لیلیٰ ہوا کہیں مجنوں، کہیں محمود اور کہیں ایاز۔ بس قادری! یہ قصہ تو دراز ہے، مختصر کر اور بات ختم کر۔

وقتِ سحر صدا آئی کہ **اللہ بس باقی ہوس** اور تُو بھی ہر دم دل میں خیال رکھ اور پڑھ کہ اللہ بس، باقی ہوس صفاتِ مذمومہ سے گزر اور عشق اختیار کر۔ دنیا اور عقبیٰ کی فکر نہ کر۔ اللہ بس باقی ہوس۔ خطرات (دل کے) دور کر کے دل نورانی کر، تب نورِ حق جلوہ گر ہوگا۔ اللہ بس باقی ہوس۔ دیوانہ وار بحر و بر میں مت پھر۔ دل پر بغور نظر رکھ۔ اللہ بس باقی ہوس۔ اے قادری! اگر تجھے حق کی طلب ہے تو تجھ پر لازم ہے، ملکِ خودی سے سفر کر۔ اللہ بس باقی ہوس۔

شکر

حضرتِ عشق کا شکر زبان ادا کرنے سے قاصر ہے۔ حضرتِ عشق نے جو احسان فرمایا ہے، وہ حدِ امکان و قیاس سے باہر ہے۔ عشق نے جو ایک توجہ سے دونوں جہانوں سے بے نیاز بنا دیا ہے۔ اب نہ کوئی خواہش باقی رہی اور نہ مطلب، نہ کسی سے غرض نہ التماس۔ غرض یہ کہ دل ہر اندیشہ سے پاک ہوگیا ہے۔

اے انسان! زیادہ سونا اور زیادہ کھانا حیوانی کام ہے۔ اگر علم و عرفان چاہتا ہے تو کم سو اور کم کھاؤ۔ کیونکہ علم و عرفان انسان کا اصل مقصد ہے۔ اگر گوہرِ مقصود حاصل کرنا ہے تو اے قادری! اس کیلئے ضروری ہے کہ روح، دل اور حواسِ ظاہری اور باطنی سب یکسو ہو کر حق کی طرف مائل ہو جائیں۔ یہ تو حید و یکتائی کسی قسمت والے کو نصیب ہوتی ہے۔ نئی بہار زندگی کے چمن میں آجاتی ہے اور محبت میں نہال کر دیتی ہے۔ گل و گلزار سبز پوش نظر آتے ہیں۔ ابرِ رحمت برستا ہے۔ ساغر و مینا کا دور چلتا ہے۔ ساقی کی مستی چھلکتی ہے، عقل و ہوش رخصت ہو جاتے ہیں اور سجدۂ اصلی ادا ہو جاتا ہے۔ فکرِ فردا اٹھ جاتی ہے اور حال نصیب ہو جاتا ہے۔

عین شغلِ مے میں پیشانی ہے تیری سجدہ ریز
کچھ تیرے مسلک میں رنگِ مشرب و مینا بھی ہے (اقبالؔ)

اخلاص و خوشی

یار کے کوچے سے آنے والی ہوا خوشی اور بہار کا پیغام لے کر آئی ہے۔اے ساقی! اسی خوشگواری میں خوش کرنے والی شرابِ محبت پلا دے۔اے مرشدِ کریم! اب ایسا سبق سنا دے جو مجھے سرمست و بے خبر کر دے۔دونوں جہانوں سے۔کیونکہ میری نظر میں ایسا کوئی کام نہیں ہے جس سے دل لگایا جا سکے۔لہٰذا اے طالب! تُو بھی اپنے دل کو ہر ایک کام سے فارغ کر دے،منزل بہت دور دراز ہے۔ریاضات سے وہاں تک پہنچنا بہت دشوار ہے لیکن عاشق کی کیا کہوں، عاشق تو شاہسوار ہے۔عشق فوراً منزل پر پہنچا دیتا ہے جو حق کی رضا پر راضی ہے اسے کیا غم۔وہ شب و روز خوش و خرم رہتا ہے۔جب دل اغراض کے بندھن سے خالص و پاک ہو جاتا ہے تو پھر اس دل میں خاصانِ خدا جیسی خاص محبت پیدا ہو جاتی ہے۔حق تعالیٰ کی وحدت میں شک نہیں۔سورہ اخلاص اس بات کی شاہد ہے۔دل کے سمندر میں ہر دم غوطے لگا اور موتی و جواہرات نکال۔یہ وحدت کا سمندر ہے۔ہستی کے وہم کو جلا دے اور خود کو زرِ خالص بنا لے۔اے قادری! اگر رضائے حق کا طالب ہے تو ہر ایک سے اخلاص و محبت اختیار کر۔

ظاہر و مظاہر

عرش،فرش، آسمان و زمین، بروج و سیارگان، جوہر و عرض نباتات، جمادات، حیوانات، آتش باد آب خاک، طول و عرض و عمق۔۔۔یہ سب مظاہر ہیں۔ان مظاہر میں ہستیِ واحد ہی ظاہر ہے۔اس بات میں مطلق شک نہ رکھ۔یہ بات بالکل حق ہے۔بس ایک وہم تیری ہستی پر مسلط ہے اور اسے ایک مرض خیال کر کے اس کا علاج کرو اور اس کا علاج کیا ہے؟ اس کا علاج یقین یقین ہے۔

کامل یقین سے ہی یہ مرض دور ہوتا ہے۔اور یقین مسلسل مراقباتِ توحید سے حاصل ہوتا ہے اور دوم نفس کی مخالفت اور شریعتِ مطہرہ پر عمل کرنے سے اور خودی کو فراموش کرنے سے۔لیکن خودی نہیں بھولتی جب تک عبادات نہیں کی جاتیں۔کم از کم فرائض کو تو ضرور پورا کرے۔فقر بس اسی طور پر اپنی ہستی سے گزر جانے کا نام ہے۔یہ تو جیتے جی مرنے سے پہلے مرنے کا نام ہے۔اللہ کی اطاعت خالصتاً اللہ کیلئے کرنا اور نفس کی دوام مخالفت کرنا اور یقین کے ساتھ معیتِ حق کا ہر وقت اثبات کرنا، دل و زبان سے معیت و توحید کا اقرار کرنا، کیا کھونا، کیا پانا، راہِ عشق میں تو بس وہمِ غیریت دور کرنا مقصود ہے اور اگر نفس و آفاق کی سیر مطلوب ہے تو اپنے دل میں جو دریائے وحدت ہے، اس میں جھانک، دونوں سیریں اسی میں حاصل ہیں۔

میں اب عشق سے آشنا ہو گیا ہوں۔اب خدا ہی حافظ ہے کیونکہ وہ جابر بادشاہ ہے اور میں ایک فقیر و گدا۔اب نہ تو صبر ہے اور نہ تاب و طاقت اور نہ ہی ہوش و عقل قائم رہی ہے۔بس اب خدا ہی حافظ ہے۔اب تو عشق میں مبتلا ہونے کے بعد میرے غریب دل کا سراغ بھی نہیں مل رہا اور میری ہستی کی متاع برباد ہو گئی ہے۔اب تو میں ہر شے سے پاک ہو گیا ہوں۔اے قادری! اب تو حضرت جناب محی الدینؒ کی جانب ہی سے امید ہے کہ وہی میرے حق میں دعا فرمائیں کیونکہ اب شاہِ جنوں کی سلطنت ہے۔دل کے تمام ملک فتح کر لیے گئے۔صبر و سکوں، چین و قرار، عقل و ہوش الوداع کہہ کر جا چکے ہیں۔اب زہد و تقویٰ کا یہاں کیا ٹھکانہ، جہاں آفتابِ ذات ظاہر ہو وہاں پھر شعائیں نہیں رہتیں۔عشق کا عالم کیا ہی خوش عالم ہے۔عجب طور وضع اور طرز ہے۔اے قادری! یہی راہِ عشق و نشاط ہے۔بس کسی کا کہنا نہ مان، یہی راہِ حق ہے۔

فطرت

بلبل سیرِ چمن کر کے خوش ہے تو الو کو باغ کا گوشہ پسند ہے، طوطے میٹھے میوے پسند کرتے ہیں تو کوا امرود کو پسند کرتا ہے، زاہد ریاضت و فاقہ کشی میں خوش ہے تو رند مشربِ شراب و راگ میں خوش (اور) وقت گزار رہا ہے لیکن صوفی کسی بات کا پابند نہیں ہے۔ صوفی کو ہر طرف سے فراغتِ ظاہری اور باطنی حاصل ہے۔ اے قادری! ظلمتِ وہم تب دور ہوتی ہے جب دل میں یقین کا چراغ روشن ہوتا ہے۔

ایک عاشق پکار پکار کر کہتا تھا کہ تُو عبث سمندروں میں گوہر ڈھونڈ رہا ہے، تیرے ہاتھ میں گوہر مقصود ہے۔ یہ عمر غنیمت ہے۔ یہ خوش وقتی دوبارہ میسر نہ آئے گی۔ اسے راہِ حق میں صَرف کر۔ کہیں لہو لعب میں یہ ضائع نہ کر بیٹھنا۔

تمام عالم انسان کی خدمت کیلئے ذاتِ حق نے پیدا کیا ہے۔ انسان کی کیا عزت و شان ہے کہ اس کو (اللہ نے) محض اپنے عرفان کیلئے بنایا ہے۔ اگر تُو آدم کا بیٹا ہے تو آدمیت اختیار کر اور صحیح خلف الرشید بن ورنہ نا خلف اولادِ آدم کہلائے گا۔ سونے اور کھانے کی طرف زیادہ مائل نہ ہو اور عقل کا چراغ روشن کر۔ حیوان نہ بن اور نہ ہر وقت حیوانی کاموں کی طرف نظر رکھ۔ ہر قول و فعل میں اصلِ دین کی پیروی کر کیونکہ جس راہ پر سلف صالحین چلے، یہی راہِ حق اور صراطِ مستقیم ہے۔

اے قادری! کیا خوف، ہمارے والی تو نائبِ مصطفیٰ ﷺ شاہِ نجف حضرت علی ولی اللہؓ ہیں۔ بس عاشقوں کیلئے تو عشق کی جور و جفا بھی عزیز ہے۔ بلائے عشق نعمت ہائے دو جہاں سے بہتر لگتی ہے۔

سرِ خاک (آلودہ) اور پیوند لگے کپڑے عاشقوں کیلئے راحتِ عین ہیں۔ جو عشق سے آشنا ہے، دونوں عالم سے آزاد ہے۔ دنیا و عاقبت کی اسے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ عقل کی راہ میں بہت تکالیف ہیں۔ (اے اللہ! ہمیں) زیرِ حکمِ عشق کر دے۔ بس کچھ فکر نہیں ہے۔ عشق کا گدا اگر چہ ظاہر میں بے برگ و ساز ہے مگر باطن میں شہنشاہ ہے۔ اس دل کو غیر کی محبت کیسے سیاہ کر سکتی ہے جس دل میں عشق نے روشنی کی ہوئی ہو۔ اے قادری! لازم ہے کہ عاشقوں کی طرح اپنی ہستی کی ساری متاع راہِ عشق میں فدا و فنا کر دے۔

انا الحق ھو الحق

بزمِ عشق میں ایک رات ایک عاشق صادق کہتا تھا کہ ایک نادر نکتہ دل میں بٹھا لو کہ وہی معشوق ہے اور خود ہی عاشق ہے۔ حقیقت الحقائق واحد ہستی ہے۔ ظاہری مظاہر تو واجب ہیں یا ممکن کے ہیں۔ اس بات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہی خالق ہے اور وہی مخلوق کی شان و ذات میں جلوہ گر ہے۔

عارف صادق کے نزدیک یقین کے تین مدارج ہیں۔ اول شیخ کامل سے توحید کے معارف سنتا ہے، پھر مشاہدہ کرتا ہے، پھر واصل (بحق) ہو جاتا ہے۔ ھو الظاھر ھو الباطن سے غیریت کا عدم ثابت ہوتا ہے۔ پھر بھی اگر تم غیرِ حق کو موجود سمجھو تو یہ لائق انسان نہیں ہے۔ کیا ہوا اے قادری! اگر میری رسائی نہیں ہے (تو پھر) کوئی غم و فکر نہیں ہے کیونکہ جناب غوثِ اعظمؓ سے مجھے قوی و واثق امید ہے کہ میری امید و یافت پوری ہوگی۔ اے عقل ذرا دیکھ کہ شاہِ جنوں کس ناز سے میرے دل کی مملکت میں تشریف لائے ہیں۔ من و تُو کا تیرا سارا سامان اس وقت ختم و برباد ہو جائے گا جب تُو اس کی ایک جھلک دیکھ لے گی۔

اب شرابِ بے خودی پی کر اپنا نام و نسب زہد و تقویٰ سب چھوڑ دوں گا۔ اے زاہد! میں عاشق بدنام ہوں۔ جا تُو سر پٹک، جو ہو سکے ہے تجھ سے، کر۔ یا غوث الاعظمؒ ! آپ بلندیوں کے مالک ہیں۔ یہ قادری آپ کے در کا بھکاری ہے، اسے ہر وقت آپ ہی کی مدد پہنچ رہی ہے۔ آپ کی فوجیں اس کے ساتھ ہیں۔

اے قادریؔ! راہِ عشق میں جو سختیاں واقع ہوئی ہیں، ان سے تُو تنگ نہ ہو۔ یہ عشق ہے، اس میں صلح و جنگ گاہے بگاہے ہوتی رہتی ہیں۔ بس یہ وقت بہت عزیز القدر ہے۔ اس کو ضائع مت کر، اپنے اصل کام میں مشغول ہو جا۔ عاجزی اصل مقام ہے۔ شوخی وغیرہ ترک کر اور عاجزی اختیار کر۔ ہمارے وہم کی وجہ سے ایک بے چوں و بے چگوں ذات نظر آتی ہے (تو) دوسری طرف چونی و چگونی ظاہر ہے۔ بس نظرِ تفکر سے دیکھ کہ بے رنگ ہی عین ہے اور عین رنگ ہی بے رنگ ہے۔ اے قادری! عقل و ہوش گم ہو گئی ہے، آگے نہ جا، دم نہ مار۔ (۱)

﴾ (۱) ☆لقد کنت ذھرا قبل ان یکشف الغطا اخالك انی ذاکر لك شاکر فلما اضآ ءالليل اصبحت شاھدا بانك مذکور و ذکر و ذاکر (پردہ کھلنے سے پہلے کئی عرصہ میں اس خیال میں رہا کہ شاید میں تیرا ذاکر و شاکر ہوں۔ جب اندھیرے سے اجالا ہوا تو کیا دیکھتا ہوں۔ سبحان اللہ کہ (یا الٰہی) ذاکر بھی تُو ہے اور ذکر بھی اور مذکور بھی تُو ہے)۔ تفسیر روح البیان۔ صفحہ۲، سطر۷، جلد۱

☆ وہی ذاکر، وہی مذکور، وہی شاہد، وہی مشہود (ملفوظاتِ مہریہ۔ صفحہ۲۰۸، ملفوظ۱۷)۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی

☆ عاشق خود است و خود معشوق خود طبیب خود است بیمار (اللہ اپنا خود ہی عاشق ہے اور خود ہی معشوق ہے۔ خود ہی عشق ہے۔ خود بیمار ہے، خود ہی طبیب ہے)۔ قصیدہ شیخ عطار۔ تذکرہ غوثیہ، صفحہ۲۷۴۔

☆ خود ہی ناطق اور خود ہی منطوق (بولی ہوئی چیز)۔ رسالہ روحی۔ صفحہ۷۔

☆ ان الوجود منقسم بین الحق والخلق فالانسان الذی ھو الخلق باعتبار ظاھرہ ھو الحق باعتبار باطنہ (وجود خلق اور حق پر منقسم ہے۔ پس انسان باعتبار اپنے ظاہر کے خلق اور باعتبار اپنے باطن کے حق ہے)۔ انسانِ کامل۔ باب۴۰، صفحہ۱۲۹، سطر۲۵۔ (مطبوعہ مصر از عبدالکریم جیلی)

☆ حضرت مولانا جامیؔ اپنی کتاب ''نقد النصوص'' میں فرماتے ہیں: یفھم منہ کون الانسان ربا من حیث باطنہ عبدا من حیث و ظاھرہ (یعنی اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے باطن کی حیثیت سے حق ہے اور ظاہر کی حیثیت سے بندہ ہے)۔

☆ فظاھر الانسان خلق و باطنہ حق (انسان کا ظاہر خلق ہے اور باطن حق)۔ فتوحاتِ مکیہ۔ صفحہ۲۹۶ م جلد۳ (ابنِ عربیؒ)

☆ بندہ قبل وجود خود باطن خدا بود۔ خدا ظاہر بندہ کنت کنزا مخفیا بر ایں معنیٰ گواہ است ۔ رسالہ در بیان وحدۃ الوجود۔ صفحہ۶، سطر۱۴۔ جامی امداد اللہ، مطبوعہ دیوبند۔

☆ انسان کا ظاہر عبد ہے اور باطن حق۔ امداد المشتاق۔ صفحہ۵۳، سطر۳۔ اشرف علی تھانوی۔

☆ ظاہر عبد، باطن حق بود (ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے)۔ ضیاء القلوب۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی۔ صفحہ۲۹، سطر۲۲

☆ یوسف بن اسماعیل النبھانی اپنی معرکۃ الآراء ''جواہر البحار'' جلد۴، صفحہ۱۷۲، میں فرماتے ہیں: فظاھر صورۃ الانسان خلق موصوف بالعبودیت و باطنہ حق (انسان کی ظاہری صورت خلق ہے، جو عبودیت کے ساتھ موصوف ہے اور اس کا باطن حق ہے)۔

☆ مہر علی شاہ گولڑوی فرماتے ہیں: حضراتِ وجودیہ کے نزدیک سوائے ذاتِ حق غیر کا وجود ہی نہیں تو حلول کہاں سے آیا۔ (ملفوظاتِ مہریہ، صفحہ۲۰۹)

☆ ان الحق سبحانہ و تعالیٰ ھو الموجود المطلق (حق تعالیٰ جو سب طرح سے پاک ہے وہ ہستی بے قید ہے)۔ تحفہ مرسلہ شریف۔ صفحہ۱۰ (حضرت ابو سعید مبارکؒ)

☆ وان ذالك الوجود لیس لہ شکل ولا حد ولا حصر و مع ھذا اظھر و تجلیٰ بالعبد والشکل ولم یتغیر عما کان من عدم الشکل و عدم العد بل لان کما کان (اور اس کے وجود کیلئے نہ شکل، نہ حد اور نہ احاطہ ہے۔ اور باوجود اس کے حد اور شکل میں ظاہر ہے اور تجلی کیلئے اور اس کی بے شکلی اور بے حدی میں کچھ فرق نہیں آیا ہے۔ بلکہ اب تک ایسا ہی ہے جیسا تھا)۔ تحفہ مرسلہ شریف، صفحہ۱۲۔ (حضرت ابو سعید مبارکؒ) ﴿

حضرت عبدِ رسولؒ

حضرت عبدِ رسولؒ عارف باللہ ہیں اور حق نما ہیں۔ حضور ﷺ کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں۔ علمِ شیرِ خدا کے حامل اور غوثِ اعظم عبد القادر جیلانیؒ کے نائب ہیں۔ حضرت عبدِ رسولؒ آفتابِ ہدایت ہیں، عارفوں کے پیشوا ہیں اور سرکار غوثِ اعظمؒ کے خادم ہیں، صاحبِ شریعت ہیں۔ طریقت، حقیقت، معرفت میں مقامِ رسا رکھتے ہیں۔ ذاتِ واجب وامکانی کے جامع مظہرِ کامل ہیں اور آپ کا باطن عماء میں گم ہے۔ اسرار کے خزانے ہیں اور انوار کے معدن ہیں۔ خدا کا خاص بھید ہیں۔

اے قادری! مدح وثناء تجھ سے نہیں ہو سکتی کیونکہ حضرت عبدِ رسولؒ اس سے وراء ہیں۔

حصولِ کمال

اے دل! اب ہوش کر کہ یہ وقت تحصیلِ کمال کا ہے۔ اگر یہ وقت گزر گیا تو پھر ہاتھ آنا محال ہے۔ ماضی کی فکر کرنا غلط بات ہے اور مستقبل کے تفکرات بیکار ہیں۔ اب کمر ہمت باندھ اور اپنے حال کو سنوار اور ابھی سے جستجو شروع کر۔ (اپنی) ہستی کا وہم ہی دراصل فراق اور دوری کا موجب ہے۔ اگر فوراً قرب ووصل حاصل کرنا چاہتا ہے تو فوراً ہستیِ حق کے خیال میں گم ہو جا۔ تیری روحانی طیر سیرِ ملکوت سے بھی بلند ہو۔ اگر تیرا دل دوئی کے زنگ اور باطل خیالات سے پاک وصاف ہو جائے۔ اے اچھے اخلاق وخصال والے ترکِ دنیا میں دائمی عیش وآرام ہے اور حبِ دنیوی میں دائمی رنج وغم۔

یا پیر ومرشد نور احمد قادریؒ! میرا ہاتھ تھام کر، مجھے ہر صورت اور ہر مظہر میں اپنا جمال دکھا دیجیے۔

دل

ہائے افسوس، جب یہ دل عشق میں پھنسا تو دین ودنیا دونوں سے یہ دل آزاد ہو گیا۔ نہ جانے دل کس آگ میں جل گیا کہ اس کی خاکستر مجھے ڈھونڈے سے بھی نہ مل سکی۔ ہائے افسوس، دل کو معلوم نہیں کیا ہوا۔ دل ہی تو اپنا محرمِ اسرار تھا، راز داں تھا، وہ بھی ہم سے لاتعلق و بےگانہ ہو گیا۔ ہائے افسوس، اے دل! تو کس لئے اور کس واسطے عالمِ کون ومکان میں پھنسا تھا۔ تُو تو باغِ کبریا میں سیر کرنے والا تھا۔ اے قادری! غیریت کے باطل وہم سے دل کو صاف کر دے۔ یہ دل عرشِ خدا ہے، جس کا مکان معلوم نہیں ہے۔

نفسانیت

اے طالب! نیک خصائل، نیک اعمال اختیار کر اور نفسانی لذتوں کی طرف مائل نہ ہو۔ تمام نیک اعمال کا خلاصہ کسی کامل انسان کی صحبت ہے اور یہ ایک مکمل نیک عمل ہے۔ صحبت کے فضائل تحریر میں نہیں آ سکتے۔ صحبتِ کامل کے اثر سے دل خطراتِ نفسانی سے پاک وصاف ہو جاتا ہے اور جلیل القدر کمالات پیدا ہوتے ہیں۔ ہر شان میں جلوہ جاناں عیاں وظاہر ہے۔ یہ وہم جو تجھے پیدا ہو گیا ہے، بس یہی ایک پردہ ہے۔ عالمِ امکان وواجب میں ایک ہی ہستی ظاہر ہے جس کی طینت نیک ہے، اسے تسلیم کرتا ہے (اور) اگر شک ہے تو (پھر) بزرگوں کی کتابوں کا مطالعہ کر (تاکہ تیرا) شک دور ہو جائے گا۔

اے شاہِ جیلانؒ !ہر ایک پر آپ کا فیض ہے۔اب قادری آپ کے در پر سائل ہے۔

فیض میراں سلطان

اے شاہ غوث اعظمؒ! آپ کا فیض عام ہے۔آپ کے در کا گدا ہوں۔نظر سے فیض و کرم کر دیجیے۔آپ کے کندھوں پر رسول ﷺ کا قدم ہے اس لئے تمام اولیاء کے کاندھوں پر آپ کا قدم ہے۔آپ قطب الاقطاب اور دونوں عالم کے غوث ہیں۔میں آپ کا غلام ہوں اور پابند ہوں رنج و الم میں۔آپ کی ذات اطہر میں سرِ الٰہی ظاہر ہے۔آپؒ کو رسول اکرم ﷺ کی خاص نیابت حاصل ہے۔آپ ہدایت کے فلک پر خورشید روشن ہیں۔میں مضطرب اور بے سروساماں و گم کردہ ہوں۔مجھے صراطِ مستقیم پر استقامت عطا فرمایئے۔میں ہردم (آپ سے) یہی مانگتا ہوں اور یہی میری التجاء ہے۔میرے دل کو ایسی بینائی عطا فرمایئے کہ تشبیہہ و تنزیہہ کو یکجا دیکھوں۔اپنی خاص شراب سے ایک قطرہ عنایت فرمایئے۔

شرابِ شوق

مے خانے کے پیر کو ہم دم بدم سجدہ کرتے ہیں (اور) دل کے پیمانے کو بھر کر ہم شوق سے شراب پیتے ہیں۔حضرتِ دل میں جب سے یار کے چہرے کا حسن دیکھا ہے تب سے دل کو بیت اللہ سمجھتے ہیں۔وحدت کا نشہ ہم پر اس قدر غالب ہوا ہے کہ اپنے اور بیگانے میں فرق نہیں کر سکتے۔عالمِ ملکوت کو اطاعت کیلئے پیدا کیا اور ہمیں عشق کی آگ میں جلانے کیلئے۔اے قادری! حضرت سید محی الدینؒ کا فرمان ہے: ''اے مرید! خوف نہ کر''۔پھر ہمیں کیا خوف، ہم تو شاہ کے اس پروانے کو مانتے ہیں۔

طلب و مطلب

ہم نے یار کی طلب میں کئی بار غوطہ لگایا۔ہر بار یہی دیکھا کہ ہم جس کے طلبگار ہیں، وہ ہم خود ہیں۔عشق کی بازی آسانی سے تبھی حاصل ہوئی جب ہم اپنی متاعِ ہستی ہی کو ہار گئے۔جب ساقیِ سرمست کے دربار میں حاضری ہوئی تو ایک نظر سے سرمست و سرشار ہو گئے۔جب عشاق الٰہی کے اندر ہم داخل ہوئے تو کونین و دو جہان سے فارغ ہو گئے۔جب ہم یار کے در پر اس کے دیدار کیلئے گئے تو اس نے فرمایا کہ اول اپنی خودی سے گزر جا۔سو سو بار شکر ہے اس ذات کا کہ جب راہِ عشق میں نکلے تو تسبیح و زنار سے گزر گئے۔وصی رسول اللہ ﷺ علی کرم اللہ وجہہٗ ہمارے والی ہیں۔ہم ان پر قربان و بلہار ہیں۔

سرشاری

اے ساقی! تیری مست نگاہی سے ہم سرشار ہو گئے۔ایسا فیض ہے تیرا کہ ہم جان ہار چکے ہیں اور قربان و صدقے ہو رہے ہیں۔محبت کا کام تب ہی درست ہوا جب ہم ہر کارِ دنیوی سے خالی ہو گئے۔بہت دیر ہم طلب و جستجو میں سوز و گداز دل میں لئے پھرتے رہے مگر جب ہم خود کو بھول گئے تو کیا دیکھا کہ جس کی طلب میں ہم سرگرداں تھے، وہ خود ہم ہی تھے۔وحدت و کثرت میں وہی ہستی واحد ظاہر ہو گئی۔جب وحدت الوجود کے سرِ حقیقی سے ہم واقف ہو گئے، جب تفکر سے ہم نے حضرتِ دل پر نظر کی تو اے قادری! ہم محرم اسرار الٰہی بن گئے۔

رموز و اسرار خودی

اے پوچھنے والے! تجھے ہم کیا کہیں کہ کیا ہیں۔ہم سرِ حق اور نورِ مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ہم عالم امر و خلق سے برتر حضرت عماء کے باطن میں ہیں۔ اگرچہ ظاہر میں گدا کی صورت لئے پھر رہے ہیں مگر باطن میں بادشاہ ہیں۔ہم دہریے وغیرہ نہیں ہیں، ہم تو حق پرستوں کے آشنا ہیں۔ہم اپنے حسن پر خود ہی عاشق ہیں۔خود آپ ہی اپنے دلربا ہیں۔صناعیِ حق کا یہ عالم آئینہ ہے اور ہم وہ آئینہ ہیں جس میں حق ظاہر ہو رہا ہے۔اے قادری! نور احمدؒ کے فیض سے ہم شاہ جیلانؒ کے گدا ہیں۔

وہی اول اور آخر ہے۔پھر ہم کیا کہیں کہ ہم کیا ہیں۔وہی ہمارے باطن پر مستولی ہے اور وہی ہمارے ظاہر کو گھیرے ہوئے ہے۔پھر ہم کہاں ہیں ،کیا بتائیں۔

وحدت بھی وہی ہے، کثرت بھی یار خود ہے۔صورت کے اندر بھی آشکار ہے، معنی میں خود ہی پوشیدہ ہے، ہم کون ہیں؟

آدم کے اندر اس کی روح ہے۔ ونفخت فیہ من روحی (ص-۷۲)۔یہ بات قرآن میں ہے، ہم کیا کہیں۔وہی جانتا ہے، وہ دیکھ رہا ہے، وہ بول رہا ہے، وہ سن رہا ہے، وہی زندہ ہے اور قادر قدرت والا ہے، ہم کون ہیں؟

علم میں وہی ظاہر ہے اور عالم کن فیکون کا عین ہے، وہی خالق خلق کا پیدا کرنے والا ہے۔ہم کون ہیں، کیا ہیں؟

مشاہدہ کرنے والا بھی خود ہے اور مشہود بھی خود ہی ہے۔اپنی حمد خود ہی کر رہا ہے۔کہیں خود ہی اپنا شکر گزار ہے۔ہم کیا بتائیں، ہم کون ہیں؟

کہیں عاشق کے روپ میں جلوہ گر، کہیں خود ہی دلبر کے رنگ میں ظاہر ہے۔خود عاشق خود معشوق ہے۔وہ خود ہی نظر آ رہا ہے، خود ہی دیکھ رہا ہے۔سب کچھ مجھے اپنے مرشد کریم نور احمدؒ نظر آ رہے ہیں۔میں نہیں ہوں، خواجہ وہی ہے اور خادم وہی ہے۔میں کیا ہوں؟

کوئی سرمست کہتا تھا کہ جسے ہم خود اپنی ذات سمجھ رہے ہیں، ہم وہ بھی نہیں اور جسے ہم اس کے بعد سمجھ رہے ہیں کہ ہم، ہم ہیں، فلاں فلاں خیال کر کے، ہم وہ بھی نہیں۔ہر صورت میں وہی ہے، ہم نہیں ہیں۔تجھے اگر حق کی طلب ہے تو قدم راہِ عشق میں رکھ اور یہی کلمہ پڑھتا جا کہ ہم، ہم نہیں ہیں اور ہم اندرو راء الوراء میں بھی نہیں ہیں۔بس ہم نہیں ہیں۔خود شرابِ عشق وہی ہے اور خود آپ ہی سرمست ہے۔وہی ساقی ہے، وہی صراحی ہے۔شراب کے جام و سبو ہم نہیں ہیں۔بس ہم نہیں ہیں۔ہیں ہی نہیں۔دلربا کے حسن میں اپنا دلبر ہی ہے جو دل کو کھینچ رہا ہے۔وہی خود عاشق و شیدا ہے۔پس ہم نہیں ہیں۔ واللہ ہم ہیں ہی نہیں۔چمن و گلشن میں پرندے یہی پکار رہے تھے کہ وہی بول رہا ہے، ہم نہیں ہیں۔دیکھو سب کچھ نور احمد ہے، قادری درمیان میں نہیں ہے۔ وہی خواجہ وہی مولا۔ہم نہیں ہیں۔بس ہم وہ نہیں جو ہم ہیں اور جو ہم ہیں، وہ بھی نہیں ہیں۔ہم کیا ہیں، بس یہی راز ہے۔(۱)

﴿ <u>(۱) وجودِ کائنات کی تشریح</u>

☆ اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک کی سورۃ نور میں فرماتے ہیں : اللّٰہ نور السموات والارض (آسمانوں اور زمینوں کا نور اللہ ہے) یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں نظر آتا ہے یا پوشیدہ ہے۔یعنی کل وجود الاشیاء جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا نور ہے۔جیسا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں انا من نور اللّٰہ والکل خلائق من نوری ۔اس سے معلوم ہوا کہ سب جگہ وہی نور موجود ہے، غیر نہیں۔نور اللہ کی صفت ہے اور صفت عین ذات ہے جس سے معلوم ہوا کہ نور یعنی ذاتِ حق ہر جگہ موجود ہے۔

☆ مجدد الف ثانیؒ کا ابنِ عربیؒ کے بارے میں عقیدہ : ''شیخ محی الدین ابنِ عربیؒ کے حق میں فقیر کا اعتقادِ خاص یہی ہے کہ اس کو مقبولوں میں سے جانتا ہے۔'' (مکتوب ۲۶۶، صفحہ ۵۰۸، سطر ۴)

☆ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں: ''حضرت قیوم ربانی قطب صمدانی مجدد الف ثانیؒ در حق شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربیؒ فرمودہ۔منکر شیخ

درخطر است ومعتقد شطحیہ شیخ نزدور خطر شیخ از اکابر اولیاء اللہ باید دانست ۔۔۔ الخ‘‘

دامن غوثؓ

یا فریادرس غوث میراں شاہ محی الدینؒ ! آپ کے دامنِ پاک سے لگا ہوں ۔ مجھے اپنی نارسائی کا کچھ غم نہیں ہے ۔ میں دو جہاں کی حاجات سے بے نیاز ہوا ہوں ۔ کس واسطے ہوا ہوں (اس لئے کہ) آپ کے در کا گدا ہوں ۔ زہد و سلوک کچھ نہیں ہو سکا ، پھر بھی آپ سے نظرِ عطا کا امیدوار ہوں ۔ شاہ و امراء سے طمع و غرض کچھ نہیں ہے ۔ جب سے آپ شاہِ عالی جاہ کے در پر آپڑا ہوں ۔ میرے پاس حیلہ وسیلہ کچھ نہیں ہے ۔ بے تاب و ناتواں ہوں ۔ میں جانتا ہوں ، آپ میری امداد ضرور کریں گے ۔ آپ کے سوا میرا کوئی نہیں ۔ آپ کی سرکار کا غلام ہوں ۔ ہر وقت دل سے آپ کو پکار رہا ہوں ۔ (۱)

(۱) ☆ ’’فتوحاتِ مکیہ‘‘ کے شائع یا عام کرنے کا سبب :-

شیخ ابنِ عربیؒ نے ’’فتوحاتِ مکیہ‘‘ تصنیف کرنے کے بعد اس عظیم تصنیف کو خانہ کعبہ کی چھت پر پھینک دیا ۔ یہ کتاب وہاں ایک سال پڑی رہی ۔ اس دوران بہت زیادہ بارشیں ہوئیں اور بہت تیز آندھیاں چلتی رہیں ۔ جب ایک سال کے بعد اس کتاب کو اتارا گیا تو حوادثِ زمانہ نے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا اور فتوحاتِ مکیہ کے خطبہ کے متعلق خود انہوں نے لکھا ہے یعنی شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو حقائق مثال میں دیکھا ۔ آپ ﷺ کے گرد انبیاء ، رسل اور اولیاء صف باندھے کھڑے تھے ۔ آپ ﷺ کے سیدھے طرف حضرت ابوبکرؓ ، بائیں طرف حضرت عمرؓ ، سامنے خاتم الولایت حضرت عیسیٰؑ تھے ۔ جن کے پیچھے ابنِ عربیؒ بیٹھے تھے ۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بھی تشریف فرما تھے ۔ حضور ﷺ نے ابنِ عربیؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا : اے محمد (حضرت شیخ الاکبر کا نام محض محمد ہے) ! اٹھو اور اس کی ثناء کر جس نے مجھے بھیجا اور میری تعریف بیان کر ۔ فوراً ابنِ عربیؒ کے سامنے ایک منبر لا کر رکھا گیا جس کی پیشانی پر چمکدار نور سے لکھا ہوا تھا : ھـذا ھـو الـمـقـام الـمـحـمـدی الاطھر (یعنی یہ وہ محمدی پاک کا مقام ہے) ۔ ابنِ عربیؒ شرماتے ہوئے اس مقام پر چڑھے اور فی البدیہہ ایک فصیح و بلیغ عربی خطبہ دیا اور فرمایا کہ وہ خطبہ میری فتوحاتِ مکیہ کا خطبہ ہے (یعنی کتاب میں موجود ہے) ۔ یہ ہے ابنِ عربیؒ کی شان جو انہوں نے خود بیان فرمائی ۔

☆ امام شعرانیؒ ’’الیواقیت والجواہر ‘‘ (صفحہ ۱۰ ، جلد ۱ ، سطر ۱۰) میں آپ کی تصنیف لطیف فتوحاتِ مکیہ کے متعلق لکھتے ہیں : صـنفا فیہا الفتوحات المکیۃ التی کتبھا عـن ظھر قلب جواباً بسوال سَلہ عنہ تلمیذہ بدر الحبشی ولما فرغ منھا وضعھا فی سطح الکعبۃ المعظمۃ قامت فیہ سنۃ ثم انزلھا فوجدھا کما وضعھا لم یتبدل منھا ورقۃ و لا عبث بھا الریاح مع کثرت امطار مکۃ وریاحھا واما اذن للناس فی کتابھا وقرآتھا الا بعد ذالک ‘‘ ۔

☆ ابنِ حجر مکیؒ ’’فتاوی حدیثیہ ‘‘ صفحہ ۲۹۵ ، مطبوعہ بیروت ، میں مندرجہ بالا واقعہ یوں لکھتے ہیں : لـمـا صنف کتابہ الفتوحات المکیہ وضعۃ علی ظھر الکعبۃ ورقا من غیر وقایۃ علیہ ممکث علیٰ ظھر ھا سنۃ لم یمسہ مطرھا و لا اخذ منہ الریح ورقۃ واحدۃ مع کثرۃ الریاح والمطار بمکہ فحفظ اللّٰہ کتابہ

-

☆ شیخ مکیؒ ’’الجانب الغربی‘‘ (صفحہ ۲۰۹ ، سطر ۷ ، مطبوعہ ایران) میں لکھتے ہیں : شیخ محی الدین چوں از مسودہ فتوحات مکیہ فارغ شد آوردور بالا بام کعبہ بے جلا بے جزو بندی یکساں آوردوآں موضع گذاشت بعد است یک سال آوردفرود یک ورق از جائے خود بدر رفتہ نرفتہ بود یک ورق تر نشدہ بود با وجود آنکہ بادہائے مخالف عظیم وباراں ہائے عمیم کہ در مکہ مے باشد ۔ (قاطع قادنیت حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی بھی اپنے ملفوظات میں ملفوظ ۱۰۱ اور صفحہ ۳۲ ، ۳۱ پر ذکر کرتے ہیں)

☆ ولیسـت بشـی زائد علیھا بل ھی عین کل صورۃ وھکذا تجدہ فی صور المعاون والنبات والحیوان والافلاک والاملاک والاملا فسبحان مـن اظھر الاشیاء وھو عینھا ۔ (یعنی اس کے اوپر کوئی شے زائد نہیں ۔ بلکہ وہ ہر صورت کا عین ہے اور ایسے ہی سونے چاندی کا اور ہری ہری چیز جو زمین سے اگے اور حیوان افلاک اور املاک کی صورت میں سمجھو ۔ اور پاک ہے وہ ذات جس نے اشیاء کو ظاہر کیا اور وہ ان سب کا عین ہے) ۔ فتوحاتِ مکیہ ۔ صفحہ ۱۸۹ ، جلد ۲ ، سطر ۲۷ ، ۲۸ ۔ (ابنِ عربیؒ)

☆ انـہ صـورۃ کل شیٔ وعین کل شیٔ قلب العبد لان کل شیٔ حق فما وسعہ الا الحق (بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کی صورت اور ہر چیز کا عین ہے ۔ ہر چیز انسان کے دل میں سما جاتی ہے کیونکہ ہر چیز حق ہے ۔ اور حق تعالیٰ انسان کے دل میں سما جاتا ہے) ۔ فتوحاتِ مکیہ ۔ باب ۴۰۵ ، صفحہ ۷ ، جلد ۴ (ابنِ عربیؒ)

☆ فالحق بیت الموجودات کلھا لانہ الوجود و قلب العبد بیت الحق لانہ وسعہ ولکن قلب المومن لا غیر (پس حق تعالیٰ تمام موجودات کا گھر ہے۔اس لئے کہ وہ وجودِ مطلق ہےاور بندے کا دل حق تعالیٰ کا گھر ہے۔اس لئے کہ وہ اسے سمالیتا ہےاور لیکن مومن کا دل نہ کہ غیر)۔فتوحات مکیہ۔باب ۴۰۵،صفحہ ۷، جلد ۴۔

☆ لا وجود لعبادہ ولا لشئ اخر الا بہ والکل موجود بوجودہ (نہ کسی بندے کا اپنا وجود ہےاور نہ کسی چیز کا وجود ہے مگر اللہ تعالیٰ کے وجود سے ہےاور کل موجودات اللہ تعالیٰ کے وجود سے ہیں)۔تفسیر ابنِ عربیؒ ۔صفحہ ۱۰۵، جلد ۱۔

☆ لان الحق سبحانہ و تعالیٰ عین الاشیاء (اس لئے کہ حق تعالیٰ عین اشیاء کا ہے)۔انسانِ کامل ۔باب ۲۷،صفحہ ۹۹،سطر ۹۔(عبدالکریم جیلی)

☆ اعلم انہ عین الاشیاء الظاھرہ والباطنہ (جان لے کہ وہ اشیاءِ ظاہریہ اور باطنیہ کا عین ہے)۔انسان کامل ۔صفحہ ۱۰۰۔(عبدالکریم جیلی)

☆ الا تراك باعتبار ان الحق سبحانہ وتعالیٰ عینك وھو ینك (کیا تُو اس اعتبار سے اپنے آپ کو نہیں دیکھتا کہ حق سبحانہ تعالیٰ تیرا عین اور تیری ہویت ہے)۔انسانِ کامل ۔باب ۹،صفحہ ۵۲،سطر ۱۲۔(عبدالکریم جیلی)

میں اور میرا پیا

میں جب اٹھا تو یہ صدا کانوں میں پڑی کہ تُو کوئی اور نہیں خود اپنا پیا آپ ہے اور تیرا پیا کوئی اور نہیں خود تُو ہی ہے ۔اپنے اندر جھانکی مار اور خود جو تیرے اندر ہے، اسے اپنا پیا ومحبوب سمجھ ۔کیونکہ تُو کوئی اور نہیں اور تیرا پیا کوئی اور نہیں ۔اگر **وھو معکم این ما کنتم** (وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں ہوتے ہو) میں غور کریں تو بے شک یہی ثابت ہوتا ہے ۔اور **فی انفسکم** کا بھی یہی مفہوم ہے کہ تُو خود ہی اپنا محبوب ہے اور خود ہی محب ہے ۔حضور ﷺ نے فرمایا : " **انا من نور اللّٰہ و خلق کلھم من نوری** " (میں اللہ کے نور سے ہوں اور خلق میرے نور سے ہے)۔اگر اس کے معنوں پر تدبر و تفکر کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ غیریت تو سرے سے موجود ہی نہیں ہے ۔میں خود اپنا والہ وشیدا ہوں ۔جسے ڈھونڈتا ہوں، وہ میں خود ہی ہوں ۔

اے محفلِ یکتائی میں توحید کا نغمہ سنانے والے! علم ودانش نے تیری محفل میں تیرے ساز کے تار سے یہی نکتہ کھولا اور دل کے تار بجے کہ تُو اور نہیں، پیا اور نہیں ۔تیری طلب نادانی کی وجہ سے ہے ۔تُو خود ہی اپنا جانی ہے ۔دیوانہ پن نہ کر، میرا کہنا مان کہ تُو اور نہیں، پیا اور نہیں ۔جب غیر نہیں ہے تو پھر نفی کیسی ۔کیوں آتشِ وہم میں جل رہا ہے ۔اب خوامخواہ بے فائدہ خود کو نہ جلا ۔تُو اور نہیں، وہی ہے ۔اے قادری! کاملین عاشقین کا یہی مراقبہ اور حال ہے کہ پیا اور نہیں، ہم ہیں ۔

ھست و نیست

کل شئ ھالک الا وجھہ' (القصص ۔۸۸) ۔ قرآن میں ہے کہ ہر شے سوائے چہرہ ذات کے فنا اور ہلاک ہے ۔کیا تم نے پڑھا ہے؟ اسے پڑھ، پھر سمجھ کہ غیر اور ماسوا تو ہے ہی نہیں ۔جو ذات من وتُو سے منزہ ہے، وہی ہم تم میں ظاہر ہے ۔جب حق تعالیٰ **ھو الظاھر و الباطن** (ہے) تو پھر خود کو موجود سمجھنا بھی ایک خطا ہے ۔جس نے اپنی ہستی سے گزر کی تو اے پیارے! وہ اگر **انا الحق** بھی کہہ دے تو اسے روا ہے ۔ذاتِ حق واحد و یکتا ہے ۔اس کی ضد نہیں ۔اگر اس کی ضد ملائی جائے تو اے قادری! تو محض خلا رہ جاتی ہے ۔یعنی ضد نہیں ہے ۔خالی ہستی ہے جو خود دونوں جانب ہے ۔ہر طرف جلوہ یار عیاں ہے ۔غیر کہیں نہیں ہے ۔پھر اس جلوے سے غیر کو ثابت کرنا ہمارا مقصود بھی نہیں ہے ۔تم جس طرف دیکھو، اللہ کریم کا چہرہ ہے ۔ " **فاینما تولو فثم وجہ' اللّٰہ** " (البقرہ ۔۱۱۵) یہ قرآن میں آیا ہے ۔پھر تم جس طرف دیکھو، دیدارِ حق اور رویتِ حق کے سوا مت دیکھو ۔غیر ازل سے معدوم ہے اور اس پر سب اولیاء اللہ اور فلاسفہ متفق ہیں ۔پھر عدم کو عدم سمجھنا دشوار تو نہیں ۔جو موجود ہے، یہ ہرگز ہرگز غیر وجود نہیں ہے ۔یہ نکتہ نادر النکات

ہے مگر محرمِ اسرار کوئی نہیں جو اس سر (راز) کو دل میں جما کر بیٹھ جائے ۔ یہ کلمہ شریف کے معنی ہیں ۔ جو کلمۃ الحق سے انکار کرے پھر ایسے (شخص) سے بحث و تکرار کی حاجت نہیں ہے ۔ اگر (تم) اپنے قلب کو تفکر یادِ حق اور استیلائے حق سے سرسبز کر لو تو یقین کرو کہ دونوں جہانوں میں اس گلشن و گلزار جیسا کوئی چمن نہیں ہے ۔ اس کے بعد اے قادری! اظہار کیا کرنا ، ایسے ہی طول کلامی کا کیا فائدہ ۔ میں ہر نشان میں عیاں اسی بے نشان کو دیکھ رہا ہوں ۔ اس دیدِ حق میں تو ریب و شک اور وہم و گمان کا دخل نہیں ہے ۔ اس کی لامکانی میں کچھ شک نہیں ہے لیکن میں ہر مکانیت میں بھی اسی کو جلوہ گر دیکھ رہا ہوں ۔ ہر طرف اے علیم و سمیع و بصیر و قدیر دیکھ رہا ہوں اور اسی کو ہر زبان میں کلام کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں ۔ باطن و ظاہر میں حقیقت کا جلوہ ہے اور عالِم ہست دراصل نیست ہیچ در ہیچ ہے ۔ واجب الوجود جس طرف ظاہر ہے ، ان سب امکانات کو انسان میں عیاں دیکھ رہا ہوں ۔ اے قادری! میں جدھر نظر بھر کر دیکھتا ہوں تو نور احمد کے سوا کچھ نظر نہیں آتا ۔

یار کہاں یار کہاں

اے طالب! تم اپنے یار کے طالب ہو ۔ میں تو صرف تمہیں دیکھ رہا ہوں ۔ تمہارے سوا تو کوئی ہے ہی نہیں ۔ بس تمہارے سوا کون سا یار ہے ۔ تم خود ہی اپنے یار ہو ۔ بس یہ نکتہ نادر النکات ہو ۔ مگر دل بیدار نہیں ہے ، اسی لئے سمجھ نہیں آ رہا ۔ جلوۂ حسن بہت زیادہ ظاہر ہے ۔ ہر طرف حسنِ یار ہی ہے ۔ بس تدبر تفکر اور آنکھیں چاہییں جو اس کا مشاہدہ کر سکیں ۔ زاہد زہد کر کے خوش ہے اور عابد عبادت کر کے مسرور ہے ۔ بس یہ عاشق بھی فارغ اور بیکار نہیں ہے بلکہ عشق میں مبتلا اپنی جان جلا رہا ہے ۔ کاملین حضرتِ انسان کو کہتے ہیں کہ یہ سِرِ خدا ہے ۔ اس بات میں مطلقاً شبہ نہیں ہے ۔ بس حاملِ سِرِ الٰہی لوگ نظر نہیں آ رہے جن کے سینے میں یہ بھید پوشیدہ ہو ۔ کہتے ہیں کہ یار کے آگے کچھ قربان کرو ۔ مجھے تو اپنی ہستی ہی ایثار کرنے والی لگتی ہے مگر وہ بھی لائقِ ایثارِ حق نہیں ہے ۔ زاہد و عارف کی طیرِ سیر میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ اے قادری! سب عالم پر غوثِ اعظمؓ کا فیضِ عام ہے (اور) آپ کے دربار جیسا سخی دربار کہاں ہے ۔

تیرے عشق ستایا

تیرے عشق نے میرے دل کو ستایا ، بہت ستایا ۔ مگر میں کیا کروں اور کس سے کہوں ۔ مجھے مست اور دیوانہ بنا دیا ہے مگر میں کس سے کہوں ۔ پیالے میں شراب نہ تھی ، اے ساقی! وہ تو اک آگ تھی جو جان کو جلانے والی تھی ۔ جس نے پیتے ہی مجھے جلا دیا ۔ میں کیا کروں ، کس سے کہوں ۔ نہ تو ہستی کا کوئی اثر اب مجھ میں باقی رہا اور نہ ہی علمِ نیستی بچا ۔

اے نغمہ گر! کیا خوش کرنے والا نغمہ سنایا ۔ اب ایسے نغمے کا حال کس سے کہوں ، میں کیا کروں ۔ دل تو طائرِ گلشنِ وحدت تھا لیکن عشقِ ظاہری نے اسے کثرت میں پھنسا دیا ہے ۔ اب کیا کروں اور کس سے کہوں ۔ ہر رنگ میں وہی ذات بے رنگ ظاہر ہے اور ہر نشان میں وہی بے نشان ذات جلوہ فگن ہے ۔ قطرہ میں بحرِ قلزم سما گیا ہے ۔ کیا کروں ، کس سے کہوں ۔

آپ ﷺ نے خود ہی **انا احمد بلا میم** (کہ میں احمد ہوں ، بغیر میم کے) کہا اور پھر خود ہی **انا عبدہ**' کہہ کر خود کو چھپا لیا ہے ۔ کس سے کہوں اور کیا کروں ۔ جب میں نے پیرِ کامل نور احمد قادریؒ کو پایا تو کیا بتاؤں اور کیسے کہوں کہ میں نے کیا پایا ۔ بس پایا سو پایا ، بتانے کی جا نہیں ۔ اے دل

حیران !تُو کس لئے حیرت زدہ ہے ۔ بے جان عاشق بھی تُو خود ہی ہے اور دلبر و جان بھی تُو ہی ہے ۔جب اپنے نفس کو پہچاننے سے معرفتِ حق حاصل ہوتی ہے اور یہ نعم البدل ہےتو پھر ہوش کر، ذرا غور کر اور اپنے آپ کو پہچان ۔وحدت کا نسخہ تُو ہی ہے اور کثرت کا معدن بھی تُو ہی ہے اور معنی بھی تُو ہی ہے اور صورت بھی تُو ہی ہے۔تُو ہر نشان کا جامع ہے ۔اس عالَمِ صورت میں جو صورتیں ظاہر ہیں ، یہ ایسی ہیں جیسے قرآن میں آیات ہیں ۔ چرند پرند ، درخت پھول گل وگلزار ، مے کدہ ، جام وصراحی ، ساقی و مست سب تُو ہی ہے ۔اس عشق نے کیا کیا دکھایا ۔ میں کیا کہوں کہ میں نے کیا دیکھا ۔ میں نے دیکھا ،تشبیہ کو تنزیہہ میں ، اور معنی بیچ عین صورت کے ہنشان میں بے نشان کو ظاہر و ہویدا دیکھا ۔ جسے (بندے کو) حضرتِ عشق نے پرواز دیا ہے ، اس کا فرش یا عرش بن گیا ہے ۔ پیالہ عشق کا آتشی مے سر بھر پور ساقی نے مجھ کو دیا تو اُس نے رختِ ہستی سب جلا دیا ۔یہ میرے پیر و مرشد مربی نور احمد پر خواجہ و مولا کا کرم تھا جو مجھ پر ہوا ۔ میں ان کا غلام ہوں ۔

انسان و رحمان

اگر کوئی حضرت رحمان ذاتِ حق کو دیکھنا چاہےتو وہ خود میں یقینِ حقیقی پیدا کر کے چشمِ بصیرت سے انسان کو دیکھے ۔اسی کے جلوے نظر آئیں گے ۔ **قل ھو اللّٰہ احد** میں صاف اشارہ ہے کہ وہ ذات ایک ہے ۔پھر تُو شرک وشک سے پاک ہو کر ایمان کے شہر میں کیوں داخل نہیں ہوتا اور صراطِ مستقیم کیوں نہیں پکڑتا ۔ **کنت کنزا مخفیا** پڑھ اور غور و فکر کر ۔اس چھپے ہوئے خزانے سے مراد تُو خود ہے ۔بس کمر ہمت باندھ اور عرفان کیلئے مستعد ہو ۔جو صاحبِ تحقیق ، عارفین ، محققین ہیں ، وہ بے گماں ، یہ بات سمجھتے ہیں کہ ہستیِ واحد کے واجب الوجود اور ممکن الوجود یعنی حق و خلق کا مظہر ہیں ۔ظاہر و باطن میں ، اے نور احمد قادری ! ہم نے آپ کا دامن دل کے ہاتھوں پکڑا ہے ۔

اے ساقی ! جلدی جلدی نارِ عشق کا سرخ جذب کر دینے والی شراب کا پیالہ ہمیں پلا دے ۔میرا حجاب میری ہستی ہے ۔کرم و فضل کر اور میری ہستی جلا دے ۔ہم وحدت سے کثرت کی طرف تیرے درشن و دیدار کیلئے آئے ہیں ۔ اے دوست ! جانِ جاناں ذرا اپنے مکھڑے سے گھونگھٹ اٹھا دے اور ہر مظہر میں اپنا جمال ہستی دکھا دے ۔ ہماری آنکھوں کو ایسی روشنی عطا فرما کہ ہر طرف تیرا حسن دیکھوں ۔ ہر چہرے میں اپنا چہرہ اور ہر طرف اپنی آواز سنائی دے ۔آج صبح دل نے تضرّع اور زاری کے ساتھ ہم سے سوال کیا کہ دوری کا وہم باطل ہے ۔بس **وھو معکم این ما کنتم** کا سبق ہمیں پڑھا دے ۔ غیر اللہ موجود نہیں ہے ۔اس کی دلیل میں **قل ھو اللّٰہ احد** موجود ہے ۔پھر بشکلِ عالم ظاہر کو پیدا و ظاہر ہے ۔اے قادری ! یہ ہمیں بتا دے ۔بس اے عشق ! تُو دل کی راہ میں مردہ نہ ہو ۔اپنی ہستی و جان قربان کر دے ۔ اپنا جاناں بن جا ۔تُو حضرت انسان ہے اور عرفان تجھ پر لازم ہے ۔حیوانات جیسی دیوانگی نہ اختیار کر ۔تُو ہر غم سے آزاد اور خوش و خرم ہو جائے گا ۔بس ہر دو جہاں کی قید سے بیگانہ ہو جا ۔اے زاہد ! زہد ترک کر ،مجلسِ رنداں میں دیوانوں کا ہم نشیں ہو جا ۔کیوں زہد میں دیوانہ ہو رہا ہے ؟ ذرا ہوش کر ، فرزانہ بن ۔ میں اور تُو کا منشا عقل ہے ۔اے قادری ! تجھ پر لازم ہے کہ شرابِ بے خودی پی کر مستانہ ہو جا ، مستانہ ہو ۔جس ذات کو پایا جا رہا ہے اور جو پائی جاتی ہے عالم کی شکل میں اور خود تیری صورت میں ، وہی تو موجود ہے ۔وہی مشہود ہو رہا ہے ، وہی شاہد ہے ، یعنی خود اپنا مشاہدہ کر رہا ہے ۔پھر اے یارو دوستو ! عدم کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو رہا ۔یہی ذات ظاہر باطن معبودِ حقیقی ہے ۔اس میں شک نہیں ہے ۔ظاہری روپ میں وہی عابد ہے ۔تم عرفان کا قصد کرو (اور) ہر (وقت) دل میں یہی نیت رکھو کہ وہی میرا مقصود ہے اور وہی قصد کر رہا ہے ۔اس کا عدم اور غیر تو موجود (ہی) نہیں ۔ یہ جو عرش تا فرش اور اس کے ماوراء موجود ہیں ، یہ سب ہستی واحد ہے ۔اس کا عدم نہیں ہے ۔اے قادری ! واجب الوجود میں وہی محمود ہے اور عالم کون (زمانہ) میں وہی حامد ہے ۔اس کا عدم موجود نہیں ۔پس ھو الواحد ھو الموجود جانو ، ھو الشاھد ھو المشھود جانو ۔

اس کی حمد تم دل و جان سے کرو لیکن **ھو الحامد ھو المحمود** جانو ۔اے طالب ! عباداتِ الٰہیہ فرض ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے مگر

عبادت کرتے ہوئے ھو العابد ھو المعبود جانو۔تم ہر کارِ خیر کا قصد کرو، ہر وقت کرو لیکن ھو القاصد ھو المقصود جانو۔اس سے قادری کا یہی مقصد ہے کہ یار و غیر کو مطلقاً نابود سمجھو۔

کثرتِ وھمی

ساقیا! تُو نے مجھے کیا پلا دیا ہے جس نے پیتے ہی مجھے جلا دیا ہے۔مجھے نہ اپنی خبر رہی ہے اور نہ عالم کی۔ایسا مست اور بے خود بنا دیا ہے اور مجھے ایسا نورِ وحدت دکھا دیا ہے کہ کثرتِ وہمی کے تمام نقوش مٹ گئے ہیں۔جب شاہِ عشق کی اس دل پر مہربانی ہوئی تو اسی دل میں مجھے دلبر مل گیا۔کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ میں کیا بھید ہے اور اس سے کس طرف اشارہ ہے، مجھے خوب پتہ چل گیا ہے۔جب میرے جانِ جاناں نے اپنا جمال دکھایا، وہیں فوراً مجھے اپنے آپ سے گم کر دیا۔اے قادری! شاہ نور احمدؒ نے کیا بتاؤں کہ مجھے کیا سمجھا دیا ہے۔اے دوستو! تم جس کو طلب کر رہے ہو وہ تو تمہیں حاصل ہے۔خواہشِ تحصیل یعنی کچھ حاصل کرنے کی خواہش سے اپنی بات مت بگاڑو مگر شرط یہ ہے کہ تم خود میں اپنے آپ پر فکر کر کے اپنی ہستی کی تخلیق کرو۔تمہیں کس نے کہہ دیا کہ تم خود کو کھو دو بلکہ اپنی تحقیق کر کے جو ہے، اس کا اثبات کرو۔جو نہیں ہے، اسے بھول جاؤ (اور) یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ تم موجود ہو اور وجودِ حق سے خارج ہو، تم تو شامل ہو حق کے ساتھ، بس سوچ و بچار کرو کہ پھر تم کون ہو۔قرآن میں آیا ہے : ھو الظاھر والباطن ۔ اے دیکھنے والے دوستو! پھر منظورِ نظر کون ہے۔ہر صورت میں اور ہر شان میں ظاہر نظر آ رہا ہے۔اگر سرمۂ ما زاغ البصر وما طغی (النجم۔۱۷)۔(بہکی نہیں نگاہ اور حد سے نہیں بڑھی) کو تم آنکھ میں ڈال لو یعنی ادھر ادھر غیر ذات اور غلط ذات کے مشاہدے میں گم نہ ہو جاؤ۔اصلِ ذات میں نظر تفکر رکھو۔اپنی متاعِ ہستی کو جب تک یکبارگی ہار نہیں جاتے تو تم اس عشق کی بازی کو نہیں پا سکتے۔اے شاہِ جیلانؓ ! یہ قادری کی عرض ہے کہ میں آپ کا ہوں، بس آپ ہی مجھے پار اتاریے۔نغمہ گر نے یہ کیسا ساز چھیڑا ہے کہ مست اور والہ و شیدا بنا دیا ہے اور ہمیں سرِ محفل نچا کر عالم کو کیا تماشہ دکھا دیا ہے۔

ہستی کا وہم باطل مٹا دیا اور اب نیستی کی فکر بھی نہیں رہی۔ساقی نے ایسا مست بنا دیا ہے اور ایسی شراب پلا دی ہے کہ کچھ ہوش نہیں۔اے پیارے! کہاں چھپو گے اور کیسے چھپو گے۔تو اے دوست محال ہے۔ہر تعین اور مظہر میں تو آپ نے اپنا جمال جہاں آرا دکھا دیا ہے۔مرآتِ ہستی واحد آئینہ ذات میں موجود ہے اور اس میں ہماری صورت ظاہر ہے۔حق تعالیٰ نے خود اپنا جمال دیکھنا ہے اور ہمیں اپنی ذات کیلئے آئینہ بنا لیا ہے۔اے قادری! نور احمد کے لطف و کرم کا شکر کب ادا ہو سکتا ہے کہ ہمیں اپنا غلام بنا کر دو جہاں سے آزاد کر دیا ہے۔(۱)

(۱) ☆ <u>شرح عدم العدم وجودِ ذات</u> : نفی کی نفی اثبات ہے :۔

عدم العدم سے مراد وجودِ باری ہے۔کیونکہ نفی کی نفی کا معنی اثبات ہوتا ہے۔کیونکہ اذ دخل النفی علیٰ النفی فھو اثبات ۔جیسا کہ شیخ الاکبر بھی فتوحاتِ مکیہ کے خطبہ کے شروع میں فرماتے ہیں۔الحمد للّٰہ الذی او جد الاشیاء عن عدم و علمہ ۔(یعنی سب حمد اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جس کے عدم نے عدم یعنی وجود سے اشیاء کو پیدا فرمایا ہے)۔حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ بھی "ملفوظاتِ مہریہ"، ملفوظ ا، صفحہ ۳۰ میں یہی فرماتے ہیں :" بعدہ ، حضور اقدس نے کتاب لے کر خود عبارت پڑھی اور معنی بیان فرمایا۔ارشاد ہوا کہ لفظ عدمہ بکسر میم ہے۔معطوف عدم اول پر اور چونکہ عدم العدم وجود ہوتا ہے۔یعنی معنی یہ ہوا۔حمد ہے خدا کی جس نے پیدا کیا اشیاء کو، وجود سے"۔

☆ حضرت عبد الرحمٰن جامیؒ "لوائح جامی"، صفحہ ۱۹، لائحہ ۲۵ (مطبوعہ نولکشور لکھنو) میں فرماتے ہیں : پس عالم ظاہر حق است وحق باطنِ عالم۔عالم پیش از ظہور عین حق بود۔وحق بعد از ظہور عین عالم بلکہ فی الحقیقت یک حقیقت است ۔(پس عالم ظاہر حق ہے اور حق باطن علم، عالم ظہور سے پہلے عین حق تھا اور حق ظہور کے بعد عین عالم ہے۔بلکہ حقیقت میں ایک ہی حقیقت ہے)۔اور لائحہ ۲۷، صفحہ ۲۳ پر لکھا ہے : وجود حق و ہستی مطلق کہ ہر جا کہ ظاہر است عین مظاہر است و در ہمہ مظاہر بذاتہ ظاہر۔(وجود حق اور ہستی جہاں بھی ظاہر ہے، عین ظاہر ہے۔اس میں اور مظاہرے میں غیریت نہیں اور تمام مظاہرہ میں (بذاتہٖ) ظاہر ہے۔معلوم ہوا کہ ہر صورت و شکل میں ذاتِ باری تعالیٰ ہی جلوہ گر

ہے، غیر نہیں ۔تمام کائنات کا ظہور وجود سے ہے اور وجود عین ذات ہے جس کیلئے مراتب ضروری ہے۔ اور لائحہ ۲۳، صفحہ ۱۷، سطر ۷ پر لکھا ہے : ہر مرتبہ از وجود حکم وارد گر حفظ مراتب نہ کنی زندیق (وجود کا ہر مرتبہ ایک خاص حکم رکھتا ہے۔اگر تُو نے حفظِ مراتب نہ کیا تو تُو زندیق ہے)۔ایک مرتبے کی صفات دوسرے مرتبے پر صادق کریں تو یہ زندقہ ہوگا۔

☆ قانونِ عشق ، صفحہ ۲۴۸ میں لکھا ہے : از روئے تعین ہمہ غیر اند ز عین درزوئے حقیقت ہمہ عین اند ز غیر

☆ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ ''فتاویٰ عزیزی'' ۔جلد ۲، صفحہ ۱۰۳، میں فرماتے ہیں : بو وحدت وجود بوجہے کہ مخالف احکام شرح نباشد یعنی جمیع موجودات را مظاہر حق دانند و وجود را واحد انگارو ہر مرتبہ را از وجود حکم جدا گانہ ثابت کند۔ دربعضے مراتب موصوف بہ عبدیت و دربعضے بالوہیت و دربعضے حلال و دربعضے حرام و دربعضے طاہر و دربعضے نجس و مراتب وجود را ہم خلط نہ کند بہ گوید۔

☆ حضرت ابوسعید مبارک ؒ جو کہ حضور غوث پاک ؒ کے مرشد ہیں، آپ تحفہ مرسلہ، صفحہ ۱۹ پر فرماتے ہیں : وان لذالك الوجود مراتب كثيرة ۔(اور یہ بات ہے کہ اس وجود کے بہت سے مراتب ہیں۔

پس مراتبِ وجوب اور امکان کو امور اعتباری کہنا درست نہیں ۔ہاں تعینات اور تقیدات کو بایں معنی امور اعتباریہ اور عدمیہ کہہ سکتے ہیں کہ وجود واجب کے سوا ان کا کوئی علیحدہ اور زائد وجود نہیں ہے ۔اس کے سوا کوئی موجود نہیں ہے ۔ بلکہ تعینات اور تقیدات مراتب ظہور حق ہیں اور اسی سے قائم ہیں جیسے زید کی طرف قائم اور عالم کی نسبت کی جاتی ہے۔پس تمام تعینات ایک وجہ سے غیر اور ایک وجہ سے عین ہیں اور ایک اعتبار سے اعتباری اور وہی ایک اعتبار سے نفس الامر ہیں ۔اس سے قائم اور ثابت ہیں۔

کیف و مستی

اے عشق عطا کرنے والے! تُو نے ہمیں عجیب جام پلایا کہ مست کر کے سر بازار نچایا ۔تیری زلف کثرت دنیوی نے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا مگر تیری چشمِ کرم کے اشارہ خاص نے مجھے ایک پل میں آزاد کرا لیا۔ مجھ میں اپنی خودی کا اثر باقی نہ رہا۔ جب شغلِ سرِ معیت کیا تو نہ دیکھا ظاہر و باطن میں بجز ہستی حق ہر طرف سریان ہستی حق ہی نظر آیا۔ نفی و اثبات کا فکر باقی نہ رہا۔ ایسا سبق پڑھایا کہ مجھے ان باتوں کی حاجت نہ رہی ۔تو حید کرنا اور کثرت کا سوچنا ساکت ہو گیا۔عجیب دیوانہ بنا دیا ہے ۔اے قادری! شکر ہے کہ نور احمد کے لطف و کرم سے اس منزہ بے چوں و بے چگوں ذات کا سمجھایا کہ جو پائے جانے سے منزہ ہے۔ پھر اے ساقی سرمستاں! ایسی کیفیت سے نواز دے کہ بے کیف مطلق ذات میری کیفیت میں جلوہ گر نظر آئے ۔اور میں ایسی محویت چاہتا ہوں کہ بیداری و خواب میں مجھے تیرے سوا کچھ نہ سوجھے ۔

کسی عاشق نے کیا خوب کہا ہے کہ حضرتِ انسان ہی حق تعالیٰ کا آئینہ ہے ۔جب ہستی واحد ہے، پیدا و نہاں، اے دوستو! پھر عقل کے من و تو سے کیا کام ۔غیریت میں مثبت کوئی چیز نہیں ہے، بس اک جزو وہم ہے جو غیر ثابت کر رہا ہے ۔اے غفلت میں پڑے صاحب! ذرا غور کر، غیر کبھی تجھے نظر بھی آیا ہے۔ جب ذات اور صفات ذاتِ حق کے ہیں تو پھر افعال کی نسبت بھی میری طرف درست نہیں ۔ یہ بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف بہتر ہے ۔جب ممکن الوجود مخلوقات معدوم ہیں تو پھر عالِم کون (زمانہ) میں کون ظاہر ہے ۔اے قادری! اب تُو ہی منصف ہو، بتا مجھ کو۔

زندگی یوں تھی کہ جینے کا بہانہ تُو تھا — ہم فقط زیبِ حکایت تھے ، فسانہ تُو تھا
ہم نے جس جس کو بھی چاہا تیرے ہجراں میں وہ لوگ — آتے جاتے ہوئے موسم تھے ، زمانہ تُو تھا

(فرازؔ)

نظر یا رسول اللہ ﷺ

نظر عطا فرماؤ۔ یا رسول اللہ ﷺ! خدا کیلئے میں آپ کا ہوں، آپ کا ہوں، آپ کا ہوں۔ یا رسول اللہ ﷺ! اپنا جمال رخ روشن ہر شان میں ظاہر مجھے دکھایئے۔ یہی میر اقلبی مدعا ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں بے گمان یہ بات جانتا ہوں کہ آپ کا دیدار ہی درحقیقت خدا کی رویت ہے اور من رآنی فقد راء الحق میں یہی اشارہ ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ! پیامبر برحق موسیٰ کو لن ترانی کا امر حق ملا اور آپ ﷺ نے ہر شان میں ذاتِ حق کا نظارہ کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! نبیوں میں آپ کے مرتبے جیسا کوئی نہیں ہے۔ تمام انبیاء کرام کے پیشوا آپ ﷺ ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی ذات عین نور حق ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے اور تمام عالم کائنات آپ کے نور سے بنا ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ! اس قادری کے حال زار پر اللہ کیلئے نظر عطا فرمایئے۔ میں آپ ﷺ کی اولاد کا غلام ہوں ۔ یا رسول اللہ ﷺ۔

اللہ اللہ

ہر شان کو جمع کرنے والا اور ہر شان میں بے نشان ظاہر اللہ کریم ہے۔ الآن کما کان اللہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا۔ اپنے اسم میں اس اسم کا عین ہے اور اپنی عینیت کا عین ہے۔ حضرت عالم کون و مکان میں تکوین عالم میں ہے۔ اللہ اللہ خود ظاہر ہے اور احدیت اس حضرتِ انسان کا عین باطن ہے اور حق تعالیٰ کا ظاہر ہے۔ یہی انسان ہے، اللہ اللہ۔ جس کو اللہ کریم نے اپنے عرفان سے نوازا، وہ کبھی غیر خدا کو موجود نہیں سمجھتا۔ اور جسے دولتِ عرفان سے بہرہ مندی حاصل نہیں، وہ تو انسان نہیں بلکہ حیوان (ناطق) ہے۔ میں ایسا سرمست ہوا ہوں کہ تا ابد مست رہوں۔ اے ساقی! تُو نے کیا احسان مجھ پر کر دیا ہے۔ میں ہرگز موجود نہیں، میرا مرشد ہی موجود ہے اور یہی میرا دین و ایمان ہے۔ راہِ خدا کا رہبر و ہادی کوئی نہیں سوائے اللہ کریم کے اور توحیدِ ذات کا انکشاف بھی نہیں ہو سکتا مگر لا الہ الا اللہ سوائے ذات پاک کے۔ کلمہ شریف کو اگر کوئی باطنی طریق سے پڑھے تو یہ دل سے کفر و شرک اور وہم و شک کو مکمل جلا دیتا ہے۔ باطل کلمہ حق نما ہے اور حق کا راستہ ہے۔ ذات و صفات اور کثرت و وحدت سب منکشف ہو جاتی ہے، جب کلمہ پاک کا نور دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ بفرمانِ رسول اللہ ﷺ، یہ کلمہ شریف افضل الذکر ہے اور تمام اذکار روحانیہ تصوف کا منشاء یہی ذکر ہے۔ اے قادری! کیا خوب یہ راز معلوم ہوا ہے۔

لا الہ الا اللہ

محمد ھی محمد ﷺ

نشان و بے نشان اندر محمد ﷺ ہی محمد ﷺ ہے۔ مکان و لامکان اندر محمد ﷺ ہی محمد ﷺ ہے۔ وحدت میں اکیلا وہی ہے اور کثرت میں موجود حقیقی نہاں و عیاں محمد ﷺ ہی ہیں۔ اسم و مسمیٰ وہی ہے اور صورت و معنیٰ وہی ہے۔ کون و مکاں میں عیاں آپ ﷺ ہی ہیں۔ اعیانِ ثابتہ میں وہی پوشیدہ ہیں اور اکوان موجودات میں وہی ظاہر ہیں۔ روح مثال جسم و جاں خود حضور ہی ہیں۔ اے میرے عزیز! نہیں کوئی موجود سوائے ذاتِ حقیقتِ محمدیہ ﷺ کے۔ ہستی کی دکان اندر موجود ہرگز ہرگز نہیں۔ وہی ولایت و نبوت و رسالت کا منشاء ہیں اور ہر شان اندر ہویدا ہیں۔ حضرت آدمؑ سے لے کر

حضور آقائے نامدار ﷺ تک ہر رسول کی شان میں حضور ﷺ ہی جلوہ گر تھے۔مبدائے ولایت سے لے کر خاتم رہبر ہادی امام مہدیؑ تک ہر زمانے میں محمد ﷺ ہی جلوہ گر رہے ہیں۔عرشِ اعظم سے وراء اور فرش پر ہر مظہر میں اگر کوئی عارف دیکھے تو اسے محمد ﷺ ہی محمد ﷺ نظر آتے ہیں۔جو گزر گیا اور جو ہے اور جو گزرے گا، کاملین کے یقین میں حضور ﷺ خود ہی ہیں۔یہ میری نظم اور سخن آرائی نہیں ہے بلکہ میرے بیان و اظہار میں آپ ﷺ خود ہی ہیں۔

اَلْاِنْسَانَ سِرِّی

میرے عشق و دیوانگی نے آج رات عجیب نکتہ سمجھایا کہ پڑھ والانسان سری اور اس نکتہ پر تفکر کر کے میں بہت خوش و سرور ہوا۔آدمؑ کی شان میں نفخت فیہ من روحی (ص۔۷۲) نازل ہوا ہے اور ولقد کرمنا بنی آدم (بنی اسرائیل۔۷۰) کلام اللہ آیا ہے۔اور قربِ انسانی میں ثابت ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میں ہی پکڑتا ہوں، مجھ سے ہی یہ سنتا اور دیکھتا ہے اور یہ میرا نائب و خلیفہ ہے۔ انا احمد بلا میم انا عرب بلا عین اس کے معنی سمجھ لیں۔اس میں تجھ سے کچھ نہیں چھپایا گیا ہے۔ہر صورت اور ہر مظہر میں اس نے اپنا جمال دکھایا ہے۔وہی اول آخر ظاہر باطن ہے۔خود عشق، خود معشوق۔اسے کیا خوف و خطر جس نے (درگاہ) شاہِ جیلاں میں سر جھکا دیا ہے۔

دیدۂ دل بکشا

جلوہ یار ہر سو ہے۔کہیں بھی مستور و پوشیدہ نہیں۔بس دل کی آنکھیں کھول۔تمہارے نزدیک ہی ہے، دور تو نہیں۔بس اے دیوانے مستانے! ذرا ہوش میں آ۔بس میں ساقی سے لبالب پیالہ مانگ رہا ہوں۔عجز و نیاز سے۔مجھے شراب انگور کی ضرورت و غرض نہیں، بس جذبہ عشق چاہیے۔خدا کی قسم، فقط عشق چاہیے۔یہ سخن بالکل حق ہے کہ آپ ہی معشوق ہے اور خود ہی عاشق ہے۔جسے ہستی سے سفر کرنا کہا جاتا ہے، وہ بس وہم کے ارتفاع کا نام ہے۔یہ سفر دہلی، بنگال، لاہور، مصر و صنعا کا نہیں ہے۔اے قادری! طول کلامی نہ کر، بس خاموش رہ۔رازِ مخفی کے بیان کرنے کا دستور نہیں ہے۔

سی حرفی سلیس اردو

اے عزیز! اول خود اپنے آپ کو سمجھ، پھر تُو جان لے گا کہ ایسی کوئی اور عبادت نہیں ہے۔اپنی ہستی کی کتاب کو پڑھیں۔کیونکہ ایسی اور کوئی تلاوت نہیں ہے۔اور اپنے نفس پر حاکم رہ اور مردِ شجاع بن کر حق کا راہ بتانا ہے۔اے قادری! ایسی کوئی سخاوت نہیں ہے۔تیری بڑائی یہی ہے کہ تُو خود اپنے آپ کو اپنا نہ جان کیونکہ وہ محبوب خود ہی ہر شان میں ظاہر ہوا ہے۔کیا قرآن میں اول، آخر، ظاہر و باطن نہیں آیا۔پھر تُو خود غور کر کہ تُو درمیان میں کون ہے۔خوب غور سے سمجھ لے، جسے تم طلب کر رہے ہو، وہ تو خود ہی ہے۔بس اک وہم کی آگ میں تم خوامخواہ جل رہے ہو۔وہ تمہارے ساتھ ساتھ ہے، جہاں کہیں تم جاتے ہو۔یہ قرآن کے اندر ہے (وھو معکم این ما کنتم)۔

اے قادری! اب میں تمہیں کیا کہوں، بس تم فکر و نظر سے کام نہیں لے رہے۔اگر عشق کی راہ میں ثابت قدم ہو کر آپ قدم رکھیں، آخر کار وہ بے شک محبوب ذات بن جاتا ہے۔جب عاشق خود سے گزر جاتا ہے تو عشق کے سمندروں میں تیرتا ہے۔اے قادری! یہ فضل حق کا کام ہے، عقل و فکر کی سمجھ میں نہیں آتا۔تیرا یار تجھ سے جدا نہیں ہے، وہ تو خود تم سے بھی تمہارے نزدیک تر ہے۔تیرا وہم کافر ہے جو ہر وقت تمہیں جدا کر رہا ہے۔تیرے حق میں

قرآن کے اندر حکم موجود ہے کہ میں تیری جان کے اندر رہوں لیکن وہم بغیر عشق حق تعالیٰ ختم نہیں ہوتا۔

اے طالبِ صادق! ان معاملات کو پڑھ کر حیرت نہ کر۔ بس کسی کامل مرشد کا دامن پکڑ لے اور جو مرشد فرمائے، اس پر بلند ہمتی سے عمل کر۔ دل میں خیر و شر کے اندیشے کو نہ گزرنے دے اور جب خود کو مرشد کے سپرد کر دیا، پھر کیا عذر اور کیا فکر۔ مگر جب تک بندہ اپنی خودی کو نہ ترک کر دے، کچھ نہیں پا سکتا۔ اے سالک! اپنی خودی ترک کر دے، تب ہی تم کچھ پا سکو گے ورنہ خواہ مخواہ خودی کے دام میں پھنس کر اپنا وجود اور اس کے مراتب کو گنوا دو گے اور آدم کی صورت ہو کر بھی حیوان کہلاؤ گے۔

اے قادری! بغیر مرشد صادق، شیطان راستہ سے بھٹکا دیتا ہے۔ دوئی کا وہم باطل ہے جو جھوٹے لوگوں نے تمہیں ڈالا ہے۔ یہ حکمِ خدائی اور حکمِ رسول ﷺ نہیں ہے۔ مگر یہ بات وہی جان پاتا ہے جسے مرشد سمجھا دیتا ہے۔ اے قادری! میں نے اپنے مرشد کا ہر پل شکر ادا کیا ہے۔ ذکر ہر وقت کرنا، کبھی بھی ذکر سے غفلت نہ کرنا۔ جاگتے، اٹھتے بیٹھتے اور سوتے وقت ذکر میں مشغول رہنا چاہیے۔ خودی کو گم کرتا چلا جائے اور اس کو خود پر حاضر و ناضر جان کر قریب سمجھے۔ اے قادری! جس سالک نے یہ بھید سمجھ لیا، وہ تانبے سے سونا ہو گیا۔ اس ذکر میں ہر وقت راضی بہ رضا اور شکر خداوندی میں مشغول رہنا اور کسی شے کی فکر نہ کرنا بہت اچھا کام ہے۔ ترقی جلد ہوتی ہے۔ دل حرص و ہوا سے خالی رکھے۔ اسی میں دائمی آرام ہے۔ حرص سے اگر خالی ہو جائے تو انجام نیک ہے۔ زہد اور ریاضت ہر دم تیرا مقصود ہونا چاہیے لیکن جب تک تُو یہ نہیں سمجھتا کہ کون عابد ہے اور کون معبود، تجھے کیا فائدہ ہو سکتا ہے (تو پھر) ایک نادر نکتہ سمجھ لے کہ خود عابد ہے اور خود ہی معبود ہے۔

اے قادری!

سچے مرشد کے بغیر فلاح و بہبود ممکن نہیں ہے۔ اے عزیز و سنو اور سمجھو، اپنے دل کو حاضر کر کے۔ تنزیہہ جو ہے، وہ تشبیہہ میں پیدا ہے۔ جیسے معنی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، ایسے ہی منزہ ذات صورتوں میں جلوہ گر ہے۔ وہ صورت بھی خود ہے اور آئینہ بھی خود اور خود ہی صورت کو آئینے میں دیکھ رہا ہے۔ اے قادری! تُو درمیان میں نہیں ہے۔ وہ خود ہی اندر ہے، خود ہی باہر ہے۔ جب دل سے شرک کی کدورت کو تم دھو دو گے (تو) اے عزیز! تب (تم) خاص مومن بن جاؤ گے۔ جب مومن بن جاؤ گے تو دونوں جہانوں میں سکھ کی نیند سو جاؤ گے۔ الدنیا مزرعة الآخرۃ (دنیا آخرت کی کھیتی ہے)۔ اے سالک! مردانہ وار ہمت کر کے دل کو غیر اللہ سے صاف کر۔ دل عرشِ رحمان ہے۔ اس پر ذات کے سوا کسی کا حق نہیں (اس لئے) اپنا حوصلہ عالی کر اور دین و دنیا کے جھگڑوں سے نکل جا۔ غوث الاعظمؒ سچے مرشد ہیں۔ بس خوش ہو جا اور ان کے در کا بھکاری بن جا۔ اور تجھ پر لازم اور ضروری ہے کہ تُو خود کو پہچان۔ جب تُو خود کو پہچان لے گا تو اللہ پاک خود ظاہر ہو جائیں گے۔ جس نے خود کو نہ پہچانا وہ محض حیوان (ناطق) رہ جاتا ہے۔ جسے مرشد کامل مل جاتا ہے، وہ حیوان سے انسان بن جاتا ہے۔

اے طالب! اگر تجھے حق کی طلب ہے تو اپنی خودی کی نفی لازمی شرط ہے۔ اے عزیز! تیری ہستی تیرا حجاب ہے۔ اس کو دور کر۔ جس نے حق کو موجود پہچان لیا، اس کو اندر اور باہر عین ظہور نظر آیا۔ اے قادری! اس کے دل سے پھر حق تعالیٰ کا قرب و حضور کب دور ہوتا ہے۔ وہی ظاہر ہے، جو باطن میں مخفی ہے۔ بس اس خیال میں بے خود ہو جا۔ تحقیق تُو لازماً حق کو پا لے گا۔ اس بات کا میں تیرا ضامن ہوں۔ اس کو پانے کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس کے بغیر خواہ مخواہ زندگی خراب ہو رہی ہے۔ بس اپنے مرشد کا دامن پکڑ لے۔ سننے والا، دیکھنے والا، جاننے والا زندہ اور کلام کرنے والا ہر صفت سے خود موصوف ہے اور مسمّی ہے۔ بس ہر حقیقت کا ایک ہی حقیقت الحقائق ہے۔ اس کا غیر مطلقاً موجود نہیں ہے۔ یہ ایک نادر نکتہ ہے۔ بس اس کو غور سے سمجھ۔ اے پیارے! اللہ کی ذات غیور ہے۔ اس کی غیرت سے ڈر۔ اس کی ذات اور صفات اور افعال میں خود کو یا کسی کو شریک نہ کر۔ شرک ایک ایسا گناہ ہے جو خدا نے نہیں بخشنا۔

اے قادری! جو موحد مومن ہے، اللہ کو ایک جانتا اور پاتا ہے، اس کو دنیا اور آخرت میں کچھ غم و خوف نہیں۔بس دل کو دنیا اور عقبٰی کی خواہشات سے فارغ کر تبھی محبت حق صاف اور دل پر استیلا ہوگی۔اور یہ مرتبہ مراتبِ اعلیٰ میں سے ہے۔بس جب اللہ کریم کے فضل سے سچا مرشد مل جاتا ہے تو قرب حق مل جاتا ہے۔اور خودی کی جو لازمی شرط ہے یعنی ''ترکِ ذاتِ خودؔ'' وہ حاصل ہو جاتی ہے۔بس ایک حقیقت جو ظاہر و باطن میں موجود ہے، مسلط ہو جاتی ہے۔ذہن و دل پر اس کا قبضہ ہو جاتا ہے۔خلقت کا اصل منشاء اور مادہ نور محمدی ﷺ ہے۔ انا من نور اللّٰہ و خلق کلھم من نوری بخاری و مسلم کی صحیح اور مشہور حدیث ہے۔کلمہ شریف ایک نعمتِ عظمیٰ ہے۔اس کو فکر سے ہر وقت حاضر و ناظر سمجھ۔اور اپنے پیر سے اس کے معنی سمجھ لے۔اپنی اور عالم کی نفی کر اور بے خوف و خطر ہو۔

اے قادری! ایک حقیقت جانو جو ہر مظہر میں ظاہر ہے، جس نے وحدت کا بھرا ہوا پیالہ پیا ہے اور جس نے من و تُو کے وہم سے اپنا دل صاف مصفٰی کیا ہے اور جو ایسا مست ہوگیا ہے کہ اس کو یہ نہیں سوجھتا کہ پیا کون ہے۔اے قادری! کیا کہوں کہ سچے مرشد نے جو دیا ہے سو دیا ہے۔اسم و صفت سے منزہ محبوب ہمارے باطن میں ہے اور ظاہر میں ہر نام و نشان میں وہ خود بول رہا ہے۔تنزیہہ و تشبیہہ میں وہ ہے۔یہ نکتہ کوئی سمجھنے والا ہی سمجھ سکتا ہے۔بس نفی اثبات کے معنی دل میں خوب جمالو۔اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے اسی کی طرف دھیان لگا کر رکھو۔اللہ کی ذات کو موجود پہچانو اور خود کو معدوم خیال کرو۔لیکن یہ راز سچے مرشد کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔وحدت و کثرت میں ایک حقیقت کو جانو۔وہی آسمان میں ہے اور وہی زمین میں ہے۔اس کو خوب پہچان لو۔یہ قرآن شریف میں ہے۔شرک، شک اور گمان سے اے قادری! اپنا دل صاف کرو اور مرشد کے قدموں میں اپنا سر رکھو اور مرنے سے پہلے مر جاؤ۔پاسِ انفاس کے معنی سمجھ کر دم کو خالی نہیں آنے جانے دینا بلکہ ذکر سے مزین رکھنا ہے اور اپنے مرشد کا ہر دم شکر گزار رہنا چاہیے۔

اے شاہ حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ ! میں آپ کے دامن (سے) لگا (ہوا) ہوں۔آپ سرِ نورِ نبی ﷺ اور نورِ علیؑ ہیں۔اور اللہ آپ پر ظاہر و باطن میں ظاہر ہے۔مجھے بہترین مولا (اور) بہترین مددگار مل گیا ہے۔اے قادری! یہ پیر ہماری خوش قسمتی ہے، جو ہمیں مل گیا ہے۔اے طالب! جان لے کہ احدیت میں احد ذات ہر اسم اور نشان سے پاک ہے۔وحدت میں یہی احدیت ہر شان و اسم کی جامع ہے۔عالم کون (زمانہ) میں یہی ذات اسم اور شیؤنات میں ظاہر ہے۔لیکن اے قادری! پوشیدہ اسرار سے خاموشی بہتر ہے۔اے دوستو! ہمارے نصیب اچھے ہیں جو ہم نے مرشد ایسا پالیا جو نائب غوث الاعظمؒ ہے۔ان کا نام نور احمدؒ ہے اور مرشد کامل ہیں۔

بیداری و غفلت

اے بابا! ہوش کر۔یہ وقت ہوش کرنے کا ہے۔ایسا اچھا اور خوش وقت (موزوں) پھر کب ملنا ہے۔تیرا یہ دل خواب میں ہے۔(لہٰذا) تفکرِ وجود کر اور اس کو اب جگا۔دل کے پرندے کا آشیانہ علوی ہے۔اسے پستی کے قید خانے میں مت پھنسا کیونکہ حق تعالیٰ نے تجھے اپنی خلافت کا خلعتِ فاخرہ عطا فرمایا ہے۔اگر پھر بھی تُو حیوانی کام کرتا ہے تو تجھے شرم و حیا نہیں ہے۔تجھے عرفان کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ کنت کنزا مخفیا سے یہ بات ثابت ہے۔کمر ہمت باندھ کر لہو لعب سے باز آ اور شیخ ہادی کی غلامی کر اور دل و جان اُس پر فدا کر۔اپنے اختیارات چھوڑ کر اس کے حکم کا بندہ بن جا تاکہ وہ تجھ پر مہربان ہو اور مدعا حاصل ہو جائے۔اور پھر تجھے شیخ تصوف و سلوک کی تعلیم کرے اور راہِ ہدایت پر چلائے۔

اب جو اشغال راہِ طریقت و سلوک میں کئے جاتے ہیں، میں انہیں مختصراً بیان کرتا ہوں۔تفصیل مختلف کتب مثلاً تعلیمِ غوثیہ یا دیگر کتب میں دیکھ لیں۔اگر تُو سمجھ کر انہیں عمل میں لائے تو تیرا اپنا بھلا ہوگا۔

پہلا شغل **پاسِ انفاس** ہے جو کہ با معنیٰ کیا جاتا ہے اور ہر وقت سانس سے باخبر رہا جاتا ہے۔

شغل و ذکر **نفی اثبات** کیا جائے تو دل پاک صاف اغیار سے ہو جاتا ہے اور بندِ ہستی سے رہائی حاصل کرنے کیلئے **شغلِ معیت** کیا جاتا ہے اور غیریت مفقود کرنے کیلئے **شغلِ اکبر** بھی کیا جاتا ہے اور اسرارِ الٰہیہ کے کھولنے کیلئے **شغلِ اندراج** بہت بہتر ہے۔ اور **شغلِ انھد** یعنی **صوتِ سرمدی** خوب کیا جائے تو ہر آواز صوت الرحمان لگتی ہے۔ اگر دونوں طرف عروج حاصل کرنا ہے تو **شغلِ تنزیھه** خوب کیا کر۔

دل کے کان کھول کر سن۔ سب سے بڑی نصیحت کر رہا ہوں۔ اول خود کو مکمل طور پر فنا کر، تب تجھے بقا سے حصہ ملے گا۔ فنا کرنے کیلئے سر پٹکنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بس خود کو خوب غور و فکر کر کے سمجھ کہ تُو کیا ہے؟ کون ہے؟ کوہ بحر و بر کے اندر کچھ نہیں ملتا۔ دل ہی آئینہ حق نما ہے۔ بس اسے اغیار سے صاف شفاف کر۔ حق تعالیٰ نے تجھے آئینہ سا بنا کر خود اپنے جمال کو دیکھا ہے اور تجھے بھی لازم ہے کہ اس کو اپنا آئینہ بنا لے۔ اگر خود اپنے حسن کو دیکھنا ہے تو اپنی نفی کر کے غور سے دیکھ کہ اب پیچھے کیا باقی بچا۔ نہ تُو خود درمیان میں ہے اور نہ عالم ہے۔ ہستی واحد جا بجا نظر آئے گی۔ خود اپنی ہستی میں اپنا دلربا دیکھ۔ بلکہ تُو خود ہی اپنا دلربا ہے۔ اگر وھو معکم این ما کنتم کو سمجھ جائے تو پھر حق سے کہاں جدا ہو سکتا ہے۔ ونحن اقرب الیه من حبل الورید (ق۔۱۶) اللہ کا فرمان ہے تو پھر دوری کے وہم میں کیوں پڑا ہے۔ کل شیٔ ھالك الا وجھه (القصص۔۸۸) قرآن میں ہے پھر غیر کون ہے، بتا بابا۔ لفظ غیر اسمِ بے مسمیٰ ہے۔ اگر کہیں دیکھا ہے تو دکھا۔ جب وہم مٹ جاتا ہے تو پھر کثرت میں بھی نورِ وحدت ہی ظاہر نظر آتا ہے۔ ذاتِ احمد ﷺ ہی احدیت الذات ظاہر ہے۔ اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا ہے، جس نے مجھے دیکھا، اس نے حق کو دیکھا۔ غیر کو مطلقاً عدم سمجھو۔ یہی وحدت کا تقاضا ہے۔ جب وہی اول و آخر ظاہر و باطن ہے تو پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ خود کو موجود سمجھو۔ نفس کو پامال کرو۔ ہر دم کرتے رہو اور الگ رہو۔ دع نفسك نہیں سنا کہ اپنے نفس کو چھوڑ اور آ جا۔ طوالت سے کچھ فائدہ نہیں۔ اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ آگے کہنے کی جا نہیں ہے۔ اے قادری! خاموشی بہتر ہے۔

باب ۷

گلشنِ راز

محمود شبستریؒ میں سے چند اقتباسات نقل ہیں

تفکر

اس کے نام سے ابتدا ہے جس نے جان کو ''تفکر'' سکھایا ہے اور دل کے چراغ کو جان کے نور سے روشن کیا ہے۔اس کے فضل سے دونوں عالم روشن ہو گئے اور اس کے فیض سے آدمِ خاکی کی خاک گلشن و بہارستان بن گئی ہے۔زندہ ہو گئی ہے۔وہ ایسا تو انا ہے کہ اس نے طرفۃ العین میں ''کُن'' سے دونوں جہان پیدا کر دیے۔

جب اس کے ''قاف'' قدرت نے قلم پر دَم مارا تو ہزاراں نقش لوحِ عدم پر ظاہر ہو گئے۔اور اسی دَم سے آدم کی خاک ظاہر ہو گئی۔اور آدم میں عقل و تمیز پیدا ہو گئی۔تا کہ وہ ہر چیز کی اصل جان جائے۔جب اسی عقل سے خود ایک شخص کو معین دیکھا تو تفکر کیا کہ میں کیا چیز ہوں۔جزوی سے عالمِ کلی کی طرف ایک سفر کیا۔وہاں سے پورے عالمِ بحر پر ایک گزر کیا۔جہانِ عالم کو ایک امر اعتباری دیکھا جیسے ''واحد'' عددی تمام اعداد میں (جاری) ساری ہوتا ہے۔

(پیدائش) جہانِ ''خلق اور امر'' ایک ہی نفس (پھونک) سے ہوئی اور جو نفس آیا تھا، پھر واپس ہو گیا۔لیکن جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو ''آنا'' ہے مگر اس جہان میں آنا جانا نہیں۔یعنی اپنی اصل کی طرف اشیاء راجع ہوئیں، پوشیدہ اور ظاہر سب ایک چیز ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ ایسا قدیم ہے جو وہ ایک دم میں جہان کا آغاز اور دونوں عالم کا انجام کرتا ہے۔جہانِ خلق اور امر یہاں ایک ہی ہے۔ایک (ہی) کثرت (ہے) اور کثرت وحدت ہی ہے۔جس طرح سرعت سیر سے لکڑی کی ایک طرف آگ لگا دیں اور تیزی سے گھمائیں تو وہ دائرہ معلوم ہو گا۔اسی طرح یہ تیرا وہم ہے جو تجھ کو یہ صورتیں غیر معلوم ہو رہی ہیں۔

ایک خط اول سے آخر تک ہے، اس پر خلق اور جہاں مسافر ہے۔اس راہ میں انبیاء ساربان کی طرح ہیں اور وکیل و رہنمائے قافلہ ہیں۔ان میں سے ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ سالار رہوئے ہیں اور وہی اول آخر اس کام میں ہیں۔''احد'' احمد کے ''میم'' میں ظاہر ہوا۔اس دور (Period) میں اول عین آخر آیا۔احمد سے احد تک ایک میم کا فرق ہے۔پورا جہاں اس میم میں غرق ہے۔اس راستے کا اخیر اسی پر ختم ہے۔اسی پر آیت "ادعو الی اللّٰہ" (سورہ یوسف:۱۰۸) نازل ہوئی ہے۔اس کا مقام دلکشا جمع الاجمع (تعینِ اول کو کہتے ہیں، مقامِ حقیقت محمدی ﷺ) ہے، جمال جانفزا اس کا شمع جمع ہے، وہ سب سے آگے ہیں اور تمام دل اس کے پیچھے ہیں۔دلوں نے ان کا دامن ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے۔اس راہ میں اولیاء کرام آگے پیچھے سے اپنی منزل سے نشان دینے آئے ہیں۔اپنی حد سے جب واقف ہوئے تو عارف اور معروف (معرفت) کی باتیں کہیں۔کسی نے بحرِ وحدت سے ''انا الحق'' کہا۔کہیں کسی نے قرب اور بُعد اور سیر کشتی سے کہا۔کسی کو علمِ ظاہری حاصل تھا، وہ خشکی اور کنارے سے نشان دیتا ہے۔کسی نے موتی نکالا، وہ تیرِ بلا کا نشانہ ہوا اور کسی نے موتی کو چھوڑا اور صدف کے قریب ہوا۔کسی نے اس سخن کو جزو اور کُل سے ظاہر کیا۔کسی نے قدیم اور محدث سے شروع کیا۔کسی نے زلف اور خال اور خط ظاہر کیا۔کسی نے شراب اور شمع اور شاہد کو بیان کیا۔کسی نے اپنی ہستی اور پندار کو بیان کیا اور اس کا اقرار کیا۔کوئی بُت اور زنار میں مستغرق ہوا۔جب سخن منزل کے موافق ہوئے، فہم خلائق مشکل میں پڑ گئے۔جن کو ان معنوں میں حیرانی ہو، اس کو ان کا جاننا ضروری ہے۔

سبب تصنیف "گلشنِ راز"

ماہِ شوال 717ھ میں ایک قاصد اہلِ خراسان کی طرف سے ہزاراں لطف اور احسان سے پہنچا۔ وہاں ایک بزرگ بہت مشہور ہیں جو انواع و اقسام کے علوم و فنون جانتے ہیں، مثلِ آفتاب مشہور ہیں۔ وہ بزرگ جہان، جان اور تن کا نورِ عین ہیں۔ سالکوں کے امام ہیں۔ نام ان کا میر سید حسین خلیفہِ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ ہے جو شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ ہیں۔ تمام اہلِ خراسان اعلیٰ و ادنیٰ کہتے تھے کہ وہ اس زمانے میں سب سے بہتر ہیں۔ انہوں نے معنویت بھرا ایک خط اربابِ معنی کی طرف بھیجا، اس میں اصحاب اشارت کی طرف سے چند مشکل عبارات نظم میں لکھ کر ایک ایک سے سوال کیا گیا۔ گویا ایک جہان تھا معنوں کا جو تھوڑے الفاظ میں بیان کیا۔ قاصد نے جب یہ خط پڑھا، اس کا احوال ہر ایک پر ظاہر ہو گیا۔ اس مجلس میں جس قدر درویش تھے، ہر ایک نے مجھ درویش یعنی محمود شبستریؒ کی طرف نظر کی۔ ایک شخص جو واقف کار تھا اور مجھ سے صد بار یہ معنی سن چکا تھا، مجھ سے کہنے لگا کہ اسی وقت جواب لکھو تا کہ اہلِ علم اس سے نفع پکڑیں۔ یہ جنہوں نے کہا کہ جواب لکھو، وہ پیرو مرشد شیخ و ہادی امین الدین تبریزی تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ ان مسائل کے لکھنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ ان مسائل کو میں اپنے رسالوں میں کئی بار لکھ چکا ہوں۔ ایک نے کہا کہ سوالوں کے مطابق تم سے نظم کے امیدوار ہیں۔ ان کی طلب کے بعد خط کا جواب مختصر الفاظ میں لکھنا شروع کیا۔

ایک لحظہ میں بغیر فکر و تکرار کے اس مجمع میں، میں نے یہ بات کہی کہ جب تم لطف و احسان رکھتے ہو تو زبان عیب گیری سے بند رکھو۔ تم جانتے ہو، میں نے تمام شعر کہنے کا قصد نہیں کیا۔ میری طبع اسیر اگرچہ قادر تھی لیکن کبھی کبھی شعر کہا کرتا تھا، نثر میں، میں نے اگرچہ بہت سی کتابیں لکھیں، مگر نظم اور مثنوی میں مشغول نہیں ہوا۔ علومِ عروض اور ردیف و قافیہ معنی کا وزن نہیں کر سکتے کیونکہ ہر ظرفِ حرف میں معنی نہیں سماتے، معنی حروف میں ہرگز نہیں آتے کیونکہ دریائے قلزم برتن میں نہیں سما سکتا۔ جب ہم خود حروف سے تنگی میں ہیں تو پھر اس پر یہ اضافہ کیوں کریں کہ اسے ردیف و قافیہ کا اسیر کرنا چاہیں۔ یہ کلام فخر سے نہیں بلکہ بابِ شکر سے ہے۔ اہلِ دل کے نزدیک تمہید عذر ہے، مجھ کو شاعری سے عار نہیں آتی، جو سو قرن میں مثلِ عطار کے نہیں آتی۔ اگرچہ اس طرح سو سال اسرار دو کانِ عطار سے ایک شمہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ اتفاقیہ طور پر ہے، مثلِ دیو کے فرشتے سے چوری چوری بات نہیں آتی ہے ایک دم میں سوائے کمی اور زیادتی کے۔ میں نے خط کا جواب لکھا۔ قاصد اسے تعظیم سے لے کر جدھر سے آیا، ادھر چلا گیا۔ پھر دوسری بار میرے عزیز کرم فرمانے کہا کہ اس میں کچھ زیادہ تفصیل کر کے لکھیں، وہی معنی جو تُو بیان کر چکا ہے۔ عین علم سے عین عیان میں لا۔ لیکن میں نے اپنے میں وہ طاقت نہ دیکھی کہ میں ذوق و حال کو الفاظ میں بیان کر سکوں کیونکہ اس کا وصف گفتگو میں محال ہے کیونکہ صاحبِ سیر جانتا ہے کہ اس کا حال کیا ہے۔ لیکن علمائے دین کے قول کے موافق میں نے سوالِ سائل کو رد نہیں کیا، اس لئے کہ اسرار روشن تر ہوں میرا نطق گفتار میں آیا۔ مدد اور فضل اور توفیقِ خداوندی سے میں نے تمام اسرار کو چند ساعت میں بیان کیا۔ جب دل نے حضرت رب العزت سے اس کا نام چاہا تو جواب آیا کہ یہ ہمارا گلشن ہے۔ جب حضرت نے اس کا نام گلشن رکھا تو اس سے تمام دلوں کی آنکھیں روشن ہوئیں۔ اب اصلِ کتاب و اسرار کی طرف آتے ہیں۔

تفکر کا جواب

اول میں اپنے فکر سے حیرت میں ہوں کہ جس کو فکر کہتے ہیں، وہ کیا چیز ہے؟ تُو نے تفکر سے کیوں سوال کیا، اس سوال سے میں حیران ہوں۔

تفکر باطل سے حق کی طرف جاتا ہے۔ کل مطلق کو جزو میں دیکھنا ہے۔ حکماء نے اس میں تصانیف کی ہیں۔ تعریف کے وقت ایسا کہتے ہیں کہ جب دل میں تصور حاصل ہو تو اس کا نام تذکر یعنی یاد ہے اور جب تُو تفکر کے وقت سے گزر جائے تو اس کا نام **عبرت** ہے یعنی عبور کر جانا ہے۔ وہ تصور جو تدبر

کیلئے ہو، اہلِ عقل کے نزدیک وہ تفکر ہے۔ترتیبِ تصورات سے مجہول سے معلوم تک پہنچنا کہ مفہوم سمجھ میں آ جائے۔مقدم مثلِ باپ اور تالی مثلِ مادر، اے بھائی نتیجہ فرزند ہے۔لیکن ترتیبِ مذکورۂ استعمال قانون کی پابند ہے۔دوبارہ جب اس میں تائید نہیں تو یہ صرف تقلیدِ محض ہے۔راہ دور دراز ہے، اس کو چھوڑ۔حضرت موسیٰ کی طرح ایک دم عصا کو چھوڑ (اور) وادی ایمن میں چلا آ، درخت تجھے انی انا اللہ کہے۔

محقق کو جو شہودِ وحدت ہے، اول اس کی نظر نورِ وجود پر ہے لیکن معرفت سے نور اور صفا دیکھا، اس نے جس چیز کو دیکھا اول خدا کو دیکھا۔فکرِ نیک کے لئے تجرید شرط ہے۔اس کے بعد برقِ تائید کیلئے ایک لمعہ بھی ضروری ہے۔کیونکہ جس کو خداوند تعالیٰ نے راہ نہ دکھایا، اس کو منطق وکلام سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

حکیم وفلسفی حیران ہے کہ اشیاء کو سوا امکان کے اور کچھ نہیں دیکھا۔ممکن الوجود یعنی عالمِ امکان سے واجب الوجود کا اثبات کرتا ہے۔اس سبب سے ذاتِ واجب میں حیران ہے۔کبھی دور (سے) سیرِ معکوسی رکھتا ہے، کبھی تسلسل میں مقید ہے۔جب اس کی عقل نے ہستی میں غور کیا (تو پھر) اس کے پاؤں تسلسل میں پھنس گئے۔تمام اشیاء کا ظہور ضد سے ہے لیکن حق کیلئے نہ مثل ہے نہ شرکت، جب ذات حق کی ضد اور شریک نہیں تو میں نہیں جانتا کہ اس کو کوئی کیوں کر جان سکتا ہے۔ممکن میں واجب کا کوئی نمونہ نہیں۔کوئی اس کو کسی وجہ سے نہیں جان سکتا۔(وہ) بہت نادان ہے جو آفتاب کو نورِ شمع سے بیابان میں تلاش کرے۔اگرچہ خورشید ایک ہی حال پہ ہوتا، اس کا شعار ایک طور پہ رہتا ،کوئی نہ جانتا کہ یہ سایہ اس کا ہے، مغز اور پوست کا کچھ فرق نہ ہوتا۔تمام جہان اس کے نور کا فروغ (ہے) جانِ حق اس میں پوشیدہ اور ظاہر ہے۔جب نورِ حق نقل وتحویل نہیں رکھتا، اس میں تغیر و تبدل نہیں آتا۔تُو جانتا ہے کہ جہان خود ہمیشہ ہے، اپنی ذات سے ہمیشہ قائم ہے۔جو شخص عقلِ دور اندیش رکھتا ہے، پریشانی اس کو بہت رہتی ہے (اسی لئے) دور اندیشی عقلِ فضولی سے کوئی فلسفی ہوا کوئی حلولی۔عقل اس کے چہرے کو نہیں دیکھ سکتی۔جا، اپنے واسطے کوئی اور آنکھ طلب کر۔فلسفی کی تو دونوں آنکھیں بھینگی ہیں، اسی لئے وحدتِ حق دیکھنے میں معطل ہیں۔

جو تشبیہہ دیکھتا ہے، وہ دونوں آنکھوں سے نہیں دیکھتا۔جو تنزیہہ دیکھتا ہے وہ ایک آنکھ سے ادراک کرتا ہے۔تناسخ تنگ نظری سے حاصل ہوا اسی لئے کفر وباطل ہے۔اور جو طریقہ معتزلہ رکھتا ہے وہ کور مادر کی طرح ہر کمال سے بے نصیب ہے اور (جو) متکلم ذوقِ توحید نہیں رکھتا وہ سب ابرِ تقلید اندھیرے میں ہے۔

اہلِ ظاہر کی دونوں آنکھوں میں مرض ہے، وہ ظاہر میں مظاہر کے سوا کچھ نہیں دیکھتا ہے اور جو کچھ انہوں نے کم اور زیادہ بیان کیا ہے، اپنے مشاہدے سے نشان دیا لیکن اس کی ذات گم اور کیف سے منزہ ہے اور جو کچھ لوگ کہتے ہیں، اس کی شان اس سے بلند ہے۔

تفکر کی مزید تفصیل

ہمیں کونسا فکر شرطِ راہ ہے اور کس واسطے کبھی طاعت ہے اور کبھی انسان گناہ میں ہے۔نشانیوں اور صفات میں فکر کرنا شرطِ راہ ہے مگر ذاتِ حق میں گناہ صرف ہے۔ذاتِ حق میں اندیشہ باطل ہوتا ہے اور تحصیلِ حاصل محالِ محض ہوتا ہے۔جب آیات ذات سے روشن ہیں تو اس کی ذات آیات سے روشن نہیں ہوتی۔تمام عالم اس کے نور سے ظاہر ہے، وہ عالم سے کیسے ظاہر ہوسکتا ہے۔نورِ ذات مظاہر میں نہیں سماتا کیونکہ اس کے انوارِ جلالی قاہر ہیں۔

عقل کو چھوڑ کر حق کے ساتھ ہو۔کیونکہ چمگادڑ سورج کی تاب نہیں رکھتا۔جہاں نورِ حق دلیل ہے وہاں جبرائیل کے کلام کی جگہ نہیں۔فرشتہ باوجود قربِ درگاہ مقامِ لی مع اللہ میں نہیں سماتا۔جب اس کا نور ملائک کے پر جلاتا ہے تو عقل کے سر اور پاؤں جلا دیتا ہے اور عقل کا نور تو ذاتِ پُر انوار میں

(انسانی جسم) ایسے ہے جیسے ظاہری آنکھیں (جب) آفتاب کو دیکھیں تو خیرہ ہو جاتی ہیں۔اگر تُو سیاہی کو دیکھے تو وہ نورِ ذات ہے، اندھیرے میں ہی آبِ حیات ہے۔نورِ سیاہ قائضِ بصر ہے۔نظر کو چھوڑ، یہاں نظر کی جگہ نہیں ہے۔خاک کو عالمِ پاک سے کیا نسبت کیونکہ ادراک ادراک سے عاجز ہوتا ہے۔ظلمت اور نیستی ہر دو عالم یعنی صورت اور معنی ہرگز جدا نہیں ہوتے اور اللہ بہتر جانتا ہے۔دو جہان میں روسیاہی اے درویش! سوا کمی اور زیادتی کے یہ سوادِ اعظم ہے۔

اس شبیہہ میں جو تجلی شہودی ہے بیان کر سکتا ہوں مگر نہ بیان کرنا بہتر ہے۔اگر چہ آفتاب چوتھے آسمان پر ہے مگر اس کے نورِ ذات کا شعاع پانی میں دیکھا جا سکتا ہے۔اس سے جب روشنی کم ہوتی ہے، تیرے ادراک میں ایک حال پیدا ہو جاتا ہے۔عدم ہستی مطلق کا آئینہ ہے۔اس سے عکس نورِ حق کا ظاہر ہے۔عدم جب ہستی کے مقابل ہوا، اس میں اسی وقت عکس ظاہر ہو گیا۔وہ وحدت اس کثرت میں ظاہر ہوئی۔

جب تُو نے ایک کو شمار کیا تو بہت ہو گئے عدد اگر چہ ایک بدائیت رکھتا ہے لیکن اس کی نہایت نہیں ہے۔عدم جب اپنی ذات میں صافی تھا، اس لئے اس میں گنجِ مخفی ظاہر ہوا۔حدیثِ قدسی کنت کنزاً کو اچھی طرح پڑھ تاکہ خزانہ پوشیدہ کو ظاہر دیکھے۔عدم آئینہ ہے، عالم عکس اور انسان مثلِ چشمِ عکس ہے۔اس میں شخص پوشیدہ ہے یعنی انسان چشمِ عالم ہے اور حق نورِ چشم۔یعنی انسان العین ہے جن سے دیکھنے والے کی آنکھ میں تمام صورت آنکھ منطبعہ ہے۔عکس انسان کی آنکھ میں جو مَردُمَک ہے اس کیلئے ایک اور آنکھ ہے۔جیسے صورتِ اصل اپنی صورت کو دیکھتی ہے ایسے ہی چشمِ عکس، اصلی آنکھ سے اپنے اصل کو دیکھتی ہے۔اس لئے شیخ ؒ فرماتے ہیں :

تُو آنکھ عکس کی ہے اور وہ نور آنکھ کا

دیدہ کو دیدہ سے دیدہ نے دیکھا

جہان انسان اور انسان جہان ہوا۔اس سے زیادہ صاف اور کوئی بیان نہیں۔جب تم اس کام کی اصل غور سے دیکھو گے (تو) دیکھنے والا دیدہ اور دیکھا گیا وہی ہے۔حدیثِ قدسی نے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ وہ مجھ سے دیکھتا اور مجھ سے سنتا ہے۔

جہان کو سر بہ سر آئینہ جان۔ہر ایک ذرہ میں سورج روشن ہے۔اگر تُم ایک قطرہ کا دل پھاڑو گے (تو) اس سے صد ہا دریا صافی باہر آئیں گے۔اگر تُو ہر جزوِ خاک میں غور کرے (تو) ہزاراں آدم اس میں ظاہر ہیں۔مچھر کے اعضاء میں کئی ہاتھی ہیں۔اسماء میں قطرہ مانند دریا ہے۔دانہ میں صد ہا خروار ہیں۔ایک دانہ پنبہ میں ایک جہان ہے۔مچھر کے پر اور ہر جگہ میں ایک جہان ہے۔نقطہ چشم میں ایک آسمان ہے۔دانہ دل کا اپنی خودی کے سبب سے خداوند دو عالم کی جائے نزول ہے۔اس میں دونوں عالم جمع ہیں (دل میں) کبھی ابلیس ہوتا ہے کبھی آدم۔دیکھو، تمام عالم آپس میں ملا جلا ہے۔فرشتہ دیو میں، شیطان فرشتہ میں، تمام آپس میں مثلِ دانہ اور میل کے۔کافر سے مومن اور مومن سے کافر، تمام نقطہ خال میں جمع ہیں۔تمام دور (وقت) اور زمانہ اور دن اور ماہ و سال آپس میں جمع ہیں۔

ازل عین ابد ہے، نزولِ عیسیٰ کا اور ایجادِ آدم کا۔ہر ایک نقطہ اس دورِ مسلسل سے ہزار ہا شکل سے متشکل ہوتا ہے۔ہر ایک نقطہ اس میں دائرہ ہے، وہی مرکز اور وہی دور میں سیر کرنے والا ہے۔ہر ایک ذرہ کو اپنی جگہ سے پکڑو گے تو تمام عالم سب کا سب خلل بر پا کر دے گا۔تمام حیران (کہ) ایک جزو نے ان سے (یعنی) اپنی حدِ امکان سے پاؤں باہر نہیں رکھا۔تعین نے ہر ایک کو قیدی کر دیا ہے (اور) بسببِ جزویتِ کلی سے (انسان) مایوس ہوا ہے تو کہنا (یہ ہے) کہ (انسان) ہمیشہ سیرِ ممکنات میں اور قیدِ وجود میں محبوس ہے۔موجودات اپنی ذات کے اعتبار سے عدم ہے اور موجد کے اعتبار سے موجود ہے۔یہ دو مخالف (خیالات قلبِ انسانی پر اور) آپس میں ہمیشہ وارد ہوتے رہتے ہیں۔

تمام عالم ہمیشہ اپنی ذات کے تقاضے کے حساب سے متحرک ہے۔نہ کسی مبداء کا آغاز ہے اور نہ انجام۔تمام اولیاء اپنی ذات سے ہمیشہ واقف

ہیں۔اس سے (خاصانِ حق) درگاہِ حق راہ لے گئے ہیں۔جمالِ جان فزائے چہرہ جاناں ہر ذرہ کے پردہ میں پوشیدہ ہے۔تُو نے (تو) عالم سے صرف ایک نام سنا ہے۔آ بیان کر کہ تُو نے عالم میں کیا دیکھا۔تُو نے صورت یا معنی سے کیا معلوم کیا؟ آخرت کیا ہے اور دنیا کیسی ہے؟ کہو؟ سیمرغ اور کوہ قاف کیا ہے؟ بہشت، دوزخ اور اعراف کیا ہے وہ کون (سا) جہان ہے جو ظاہر نہیں، جس کا ایک روز یہاں کا ایک سال ہے؟ صرف یہی جہان (دنیا) نہیں جو تُو نے دیکھا ہے۔ مالا تبصرون سے تُو سن چکا ہے۔یعنی ایسے عوالم ہیں جن کو تم ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ذرا دکھا کہ ''جابلقا'' اور ''جابلسا'' کہاں ہے؟

گلشنِ راز میں سے کچھ اشعار پیشِ خدمت ہیں

درآ در وادیِ ایمن کہ ناگاہ
درختے گویدت انی انا اللہ

روا باشد انا اللہ از درختے
چرا نبود روا نیک بختے

ہر آن کس را کہ اندر دل شکے نیست
یقین داند کہ ہستی جز یکے نیست

انانیت بود حق را سزاوار
کہ ہو غیب است و غائب وہم پندار

جنابِ حضرتِ حق را دوئی نیست
در آں حضرت من و ما اُو تو ئی نیست

من و ما اُو تو ہست یک چیز
کہ در وحدت بنا ہیچ تمیز

ہر آنکہ خالی از خود چوں خلا شد
انا الحق اندر اُو صوت و صدا شد

شود با وجہ باقی غیر ہالک
یکے گردد سلوک سیر و سالک

باب ۸

”نسبتِ اربعہ“

در حقیقت دان که دل شد جام جم
می نماید اندر و ہر بیش و کم
دل بود مرآت ذات ذو الجلال
در دل صافی نماید حق جمال
حق نگنجد در زمین و آسماں
در دل مومن بگنجد این و آں
مظہر شان الٰہی دل بود
مظہر شانش کما ھی دل بود

صاحبِ گلشنِ راز محمود شبستریؒ فرماتے ہیں : دل جامع اضداد و متقابلات ہے۔

در و در جمع گشتہ ہر دو عالم
گھہے ابلیس گردد گاہے آدم

یعنی اس میں دونوں عالم جمع ہیں۔کبھی ابلیس ہوتا ہے،کبھی آدم۔دل میں تمام اسماء جلال و جمال بہ حسبِ قابلیت ظاہر ہیں۔کبھی بسببِ اسمائے جلال ابلیس ہوتا ہے جو مظہرِ خاص اسمائے جلالیہ کا ہے اور کسی وقت تقاضہ احکام اسمائے جمال آدم ہو جاتا ہے کہ اس میں صفتِ جمال غالب ہے۔اسی جامعیت کی بنا پر دل ایک حال پر نہیں رہتا۔

؎ دل بھی تیرے ہی ڈھنگ سیکھا ہے
آن میں کچھ ہے، آن میں کچھ ہے

کبھی مجرد ہوتا ہے۔کبھی واصل کبھی منقطع،کبھی شیطان کبھی فرشتہ،کبھی نفس کبھی عقل، گہے جلال گہے جمال۔

چراغِ دل کو جس نور سے روشن کیا جائے وہی ہو جاتا ہے،خواہ اسے نورِ دین سے روشن کیا جائے،خواہ دنیا سے،خواہ نورِ الٰہی سے،خواہ نورِ محمدی ﷺ سے،خواہ نورِ پیر و مرشد سے۔دل ایک چراغ ہے کہ جس عقیدہ و محبت سے روشن کیا جائے،ویسا ہی فیضان ہو جاتا ہے۔اس کتاب میں بصیرتِ قلبی سے خوب غور و تامل کریں تا کہ شکوک و وساوس، وہم و خیال دور ہو کر قوتِ یقین بیدار ہو۔یہ اس وقت ممکن ہے جب سالک بذریعہ ذکر و فکر اور سلوک و ریاضات سے زنگارِ غیر سے دل کو صیقل کرے تا کہ جمالِ حق اس میں دیکھے۔

حضرت سلطان الاولیاء قطب الاقطاب بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات میں حضرت بدر الدین اسحاقؒ فرماتے ہیں : ''اللہ تعالیٰ نے دلوں کو خاص کر عرش کے طواف ہی کیلئے پیدا کیا ہے اور دل کی تین قسمیں ہیں۔ایک دل تو وہ ہے جو پہاڑ کی چٹان کی طرح ہے کہ کوئی اس کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا۔یہ عشاق کا دل ہے۔دوسرا دل وہ ہے جو درخت کی طرح کھڑا ہے اور جڑیں اس کی نیچے گڑی ہیں جو اس کو صرف ہلاتی رہتی ہیں۔تیسرا دل وہ ہے جو پتے کی طرح ہوا کے جھونکے سے ادھر ادھر ہو جاتا ہے۔اے درویش! محبت میں سچا وہ شخص ہے جو ذکرِ دوست کے سوا کسی چیز کو پسند نہیں کرتا۔''

حضرت سلطان الہندؒ فرماتے ہیں کہ دل خود آگاہ پر فیضِ الٰہی نازل ہوتا رہتا ہے جس سے کائنات کا ذرہ ذرہ روشن ہو جاتا ہے۔

فیضِ خدا کہ بر دل آگاہ می رسد

اے دل با ہوش باش کہ نا گاہ می رسد

چناں از روزن دل نوراں دلدار می تابد

کہ خورشید جالش از درودیوار می تابد

ترجمہ: قلب بیدار پر اللہ کا جو فیض پہنچتا ہے، اے دل ہوشیار کہ یہ اچانک ہی پہنچ جاتا ہے۔قلب کے فواد (روشندان) سے اس دل کا نور چمکتا ہے جس طرح اس کے جمال کا سورج درودیوار سے چمکتا ہے۔

مشائخ نقشبندیہ کے ہاں بھی ایسے مراقبات وتوجہات بتائی جاتی ہیں جن سے قوتِ مدرکہ کو کام میں لا کر اس مجرد و بسیط ہستی کی طرف توجہ کرائی جاتی ہے جس کا ہر شخص اللہ کا نام لیتے وقت تصور کرتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ طالب اس مجرد و بسیط معنی کا خیال کرے جو لفظ اللہ سے مفہوم ہوتا ہے۔مسلسل اس معنی کے خیال میں متحضر رکھنا اور حفاظت کرنا، پھر اس پر دوام قائم رہنا، یہاں تک کہ اس کا ملکہ حاصل ہو جائے اور تکلف دور ہو جائے اور ہر آن (خیال) اس ذات کی طرف توجہ قائم رکھنے کے قابل ہو جائے اور یہی دوامِ حضور کہلاتا ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے مجرد و بسیط معنی یا مفہوم لفظ اللہ سے تجرید کر سکتے ہیں۔یعنی اللہ کے حروف و الفاظ کی طرف توجہ نہ کر کے اس کے معنی کی طرف یعنی مسمیٰ یا نام والے کی ذات کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور خطرات وخیالات کی مزاحمت کے بغیر اس توجہ کو باقی رکھتے ہیں۔اگر کوئی طالب اس معنی مجردہ کا ادراک نہ کر سکے تو اس کو مشائخ ''نقشبندیہ بازگشت'' کی تعلیم فرماتے ہیں۔ الٰهی مقصود من تو ئی، رضائے تو عشق و معرفت خود بدہ وغیرہ۔

بعض اکابر ایسے شخص کو خلائے مجرد یا نور بسیط کا خیال کرنے کی ہدایت کرتے ہیں تا کہ وہ رفتہ رفتہ اللہ کے معنی و مفہوم کو اس کے صوت و صورت سے مجرد کر کے تصور کرنے کے قابل ہو جائے۔غرض نسبت بے چوں بے چگوں میں ہر طرف سے ہٹ کر مشغول ہونا اور اس نام والی ہستی کے خیال میں محو ہو جانا ہی ان کابر کا اصل مقصود ہوتا ہے۔

قلب کی طرف متوجہ ہو کر قلب کو نسبت بے رنگ اور بے چوں و بے چگوں ذات کی طرف متوجہ کرنا اور کوئی خطرہ دل میں نہ آنے دینا، یہاں تک کہ قلب حقیقی سے ربط ہو جائے۔مراقبۂ دوامِ حضورِ قلب، نفی اثبات سے بھی بہتر ہے، اس سے جمعیتِ دائمی حاصل ہوتی ہے اور قلوبِ انسانی میں بھی ایسا شخص مقبول ہوتا ہے اور اس طریق سے حاصلہ چیز کو ''جمع وقبول'' کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس سے عالمِ ملک وملکوت میں تصرف کیا جاتا ہے۔لوگوں کے دلوں کی باتیں معلوم کرنا اور قلوب کو روشن کرنا اس نسبت کے ادنیٰ خوارق ہیں۔اس کتاب کے لکھنے کا اصل مقصد اسی نسبت کا حصول ہے جو کہ خواجہ نقشبندؒ اور خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی خاص نسبت ہے۔نسبتِ سکینہ کے حامل حضرات سہروردیہ بھی اپنے قلب کو واردات سے خالی کر کے اس پر نظرِ باطن رکھتے ہیں اور حق تعالیٰ کو نہایت پاکی کے ساتھ تصور کرتے ہیں اور جو کچھ ذہن وخیال میں ذات سے متعلق وارد ہوتا ہے، اس کو بے جہت اور بے کیف سمجھتے ہیں اور اپنی نظر میں سوائے مطلوب کے کچھ نہیں پاتے۔ یہاں تک کہ بجز نور یقین کے کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔اسی طرح نور طہارت پاکی اور صفائی کو نہایت تک پہنچا دیتے ہیں اور کسی جگہ راستے میں قرار نہیں پکڑتے حتیٰ کہ نفی کی حاجت نہیں رہتی اور آئینہ دل تو جہات وتصورات سے صاف اور مصفا ہو جاتا ہے اور بے توجہی اور بے کیفی ظاہر ہوتی ہے۔مرتبہ نایافت وراء الوراء ثم وراء الوراء اور ولایت اخص کہ ملائکہ مقربین کی ولایت ہے، حاصل ہوتی ہے۔پس اگر مرشدِ کریم حاملِ ولایت سہروردیہ توجہ کرے تو امدادِ الٰہی اور جذبۂ معنوی شاملِ حال ہو کر تمام مراتب عنصری نوری کے طے کر جاتا ہے اور حقیقت نایافت اخص الخواص کا اور ولایت انبیاء علیہم السلام کی ظاہر ہو جاتی ہے۔

میراں محی الدین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں :

" اے عزیز! دل سے توحید کا نور پھوٹنے لگتا ہے اور عین الیقین کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے تو وجود کی تاریکی روشنی میں بدل جاتی ہے اور شب و روز کی آمد و رفت کا راز کھل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے۔ وہ انہیں بے عملی کی تاریکی سے نکال کر علم کی روشنی میں لاتا ہے لیکن شیطان بیوی بچوں کی محبت اور خواہش کے ذریعے اللہ کے بندوں کے دلوں میں نقب لگاتا ہے۔ پھر انسان بے چینی کے عالم میں گھٹنے اور زبان میں گرہ پڑ جانے کی شکایت کرتا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ، جس کے پاس غیب کے خزانوں کی کنجیاں ہیں، اس کا پیغام رساں فرشتہ اسے بے غم ہو جانے اور گھبراہٹ سے آزاد ہو جانے اور غلبہ کی بشارت دیتا ہے اور اس کی مدد کی جاتی ہے۔ اس کے درجات بلند کیے جاتے ہیں اور دشمنوں کے مقابلے پر اسے فتح و نصرت سے نوازا جاتا ہے۔ بلا شبہ اللہ ملک کا مالک ہے۔ جس کو چاہتا ہے، ملک دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھوں میں بھلائی ہے۔ واقعی تُو ہر چیز پر قادر ہے۔

اے عزیز! جب زمین و آسمان کا نور دل میں سما جائے تو اس سے دل کا آئینہ نورانی ہو جاتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے چراغ دان میں چراغ جل رہا ہو اور یہ نور حدود و مکان کا پابند نہیں ہوتا۔ اس سے فکر جلا پاتی ہے جیسے آسمان تاروں سے زینت پاتا ہے۔

حضوری کی کیفیت چاند کی طرح نورِ الٰہی کے افق سے طلوع ہوتی ہے اور اعلیٰ بروج میں عروج پاتی ہے۔ وہ لوگ جو تھوڑی رات نیند لے کر جاگتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں، ان کی اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جسے اللہ چاہے، وہی ہدایت پاتا ہے۔ جس طرح سورج اور چاند اپنے اپنے مدار کے پابند ہیں، اس طرح ہدایت جس کو دی جاتی ہے، اسی کو ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو سمجھانے کی خاطر مثالیں بیان کرتا ہے، وہ تمام خبروں سے واقف ہے۔

اے عزیز! جب وجود میں پوشیدہ اسرار کو سمجھ لیا جائے تو ہدایت کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔ اس وقت عقل اور حقیقت کے درمیان حائل پردے اٹھ جاتے ہیں اور فہم انسانی عالم قدس کے انوار کو دیکھ کر ششدر رہ جاتی ہے اور فکر حیرت زدہ کو غلبۂ شوق راہ طلب میں انس کے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر فضل کرتا ہے اور انہیں اپنی معیت کی نعمت سے نوازتا ہے۔ جب بندہ معیت کے راز سے واقف ہو جاتا ہے تو اپنی ہستی کو گم کر دیتا ہے اور نیستی کے دریا میں غوطہ لگا کر توحید کا موتی حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن اس راہ میں سالک کو کئی مرحلوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اپنے پروردگار سے بخشش کا طلبگار ہوتا ہے اور اپنی جان پر ظلم کا اعتراف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اسے منجدھار سے نکال کر ساحلِ مراد تک پہنچا دیتی ہے اور تب اسے " فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ مآ اوحیٰ " (اور اس نے اپنے بندے کی طرف وحی بھیجی) (النجم۔۱۰) اور "لقد رایٰ من ربہ الکبریٰ" (بے شک اس نے اپنے پروردگار کی بڑی علامتیں دیکھی ہیں) (النجم۔۱۸) کے معنی معلوم ہو جاتے ہیں۔

ہر چہار سلاسل کے بزرگان کے اقوال اور خیالات اگر جمع کیے جائیں تو ایک دفتر چاہیے۔ جو کچھ کہ انہوں نے قلب اور معارف و اسرارِ قلب کے متعلق تحریر فرمایا ہے، "مشت نمونہ از خروارے" تحریر کر دیے گئے ہیں۔ تاکہ ہر سلسلہ کا مرید اس کتاب سے خشوع و خضوع اور عقیدت و محبت سے مستفید و مستفیض ہو سکے۔

قلب کے متعلق بیانات و اقوال صوفیہ بے حد و حساب ہیں۔ صوفیانہ شاعری میں قلب ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ صوفیائے کرام نے قلب اور حقیقتِ قلب سے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ میں مختصراً تحریر کر رہا ہوں کیونکہ میرا مقصد تو حضراتِ نقشبندیہ بالخصوص خواجہ خواجگان خواجہ عبید اللہ احرارؒ کا نسبتِ قلبیہ بے چوں اور بے چگوں کی طرف منسوب کرنے سے ہے اور میں امید رکھتا ہوں خواجہ خواجگان کی ارواح سے کہ اس حقیر فقیر پر رحمت کی نظر فرمائیں گے۔ عارف باللہ کے قلب کے کیا کہنے اور اس کی وسعت کی کہاں (تک) سمائی ہے کہ جس قلب نے حق تعالیٰ کو سما لیا ہو۔

باب ۹

”کبریت احمر
از شیخ اکبر“

(محی الدین ابنِ عربیؒ)

﴿صاحبِ فصوص الحکم و فتوحاتِ مکیہ﴾

وہ یکتا ہے، بدوں عروض وحدانیت کے۔ وہ تنہا ہے بدوں عروض تنہائی کے۔ وہ اسم اور مسمیٰ سے مرکب نہیں۔ اس کا نام اور مسمیٰ وہی ہے۔ کوئی اسم غیر مسمیٰ نہیں۔ اس لئے وہی اسم اور وہی مسمیٰ ہے۔ وہی اول ہے بدوں عروض اولیت کے۔ وہی آخر ہے بدوں عروض آخریت کے۔ وہی ظاہر ہے بدوں عروض ظاہریت کے۔ وہی باطن ہے بدوں عروض باطنیت کے۔ یعنی وہی حروف اول کا وجود ہے۔ وہی حروف آخر کا وجود ہے۔ وہی حروفِ ظاہر کا وجود ہے، وہی حروف اسمِ باطن کا وجود اور اصل ہے۔ پس نہ اول ہے نہ آخر، نہ ظاہر ہے نہ باطن، مگر وہی ہے بدوں جعل جاعل کے، اس لئے کہ وجود ان حروف کا، اُسی کا وجود ہے۔ اس کو خوب سمجھ لے تا کہ حلولیت کی غلطی میں نہ پڑ جائے۔

وہ کسی میں حلول نہیں کیا اور نہ کوئی شے اس میں حلول کی ہے، نہ داخل میں نہ خارج میں۔ چاہیے کہ تُو اس کو اس صفت سے شناخت کرے، نہ صرف علم اور نہ صرف عقل وفہم سے اور نہ وہم وخیال سے۔ نہ بصر ظاہر و نہ بصارتِ باطنی سے اور ادراک سے۔ حق تعالیٰ کو سوائے اس کے کوئی نہیں دیکھتا۔ اور کوئی اس کا ادراک نہیں کرتا مگر وہی۔ اور کوئی ذات کو کما ینبغی (غائب کے ساتھ) نہیں جانتا مگر وہی جانتا ہے۔ وہ اپنی ذات کو اپنی ذات سے دیکھتا ہے۔ اس کو سوائے اس کے کوئی نہیں دیکھتا۔ اور کوئی سوائے اس کے اس کا ادراک نہیں کرتا۔ اس کا حجاب اس کی وحدانیت ہے۔ اس کے لئے کوئی شے بجز اس کے کوئی حجاب نہیں۔ حجاب اس کا اسی کا وجود ہے۔ اس کی وحدانیت بلا کیفیت ہے۔ اس کی ذات پاک کو سوائے اس کے کوئی نہیں دیکھتا، نہ نبی نہ ولی نہ کامل نہ مقرب۔ نبی اس کا خود وهی هے۔ اور رسالت اور کلام اس کا بهی وهی هے۔ اسی نے اپنے آپ کو اپنے هی جانب سے اپنا هی حکم دے کر اپنی هی طرف بهیجا۔ سوائے اس کے کوئی واسطہ اور سبب نہیں بھیجنے والے میں اور اس کے حکم میں اور جن کی طرف بھیجا ہے، کچھ فرق نہیں۔ اس کا وجود حروفِ ''کن فیکون'' اور وجودِ کائنات ہے۔ اس کا غیر نہیں ہے اور نہ غیر کا وجود ہے، نہ اس کی فنا ہے اور غیر کا اسم و مسمیٰ خود وہی ہے۔ اسی لئے جناب خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ہے: "من عرف نفسه فقد عرف ربه" (جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچانا)۔ اور فرمایا ہے: "عرفت ربی بربی" (میں نے اپنے رب کو اپنے رب کے ذریعے پہچانا ہے)۔ حضور ﷺ نے اس ارشاد سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ تُو تُو نہیں بلکہ تُو وہ ہے اور وہ تُو ہے۔ وہ بدوں لحاظ هُو کے تُو ہے اور تُو بدوں لحاظ انت کے وہ ہے۔ نہ وہ تجھ میں داخل ہے اور نہ تُو اس میں داخل ہے۔ نہ وہ تجھ سے خارج نہ تُو اس سے خارج ہے۔ مراد میری اس قول سے یہ ہے کہ تُو کبھی موجود نہیں ہوا اور نہ آئندہ موجود ہوگا، نہ اپنی ذات سے نہ اس کے سبب سے، نہ اس کے اندر، نہ اس کے ساتھ، نہ تو فانی نہ موجود، بلکہ تُو وہ ہے اور وہ تُو ہے بدوں علت متعارفہ کے۔

پس اگر تُو نے اپنے وجود کو اس صفت سے پہچانا تو بے شک تُو نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا ورنہ نہیں۔ تمام عارفین نے معرفتِ الٰہی کو طرفِ فناءِ وجود اور طرفِ فناءِ فناء کے اضافت کیا ہے۔ یہ محض غلط اور بین سہو ہے۔ کیونکہ معرفتِ الٰہی فناءِ وجود یا فناءِ فنا کے طرف محتاج نہیں۔ بلکہ فناء مع اثبات وجود کے شرک ہے۔ پس جب کہ تُو نے اپنے نفس کو بلا وجود اور بدوں فناء کے پہچان لیا تو بے شک تُو نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا ورنہ نہیں۔ اور معرفتِ الٰہی کو فناءِ وجود اور فناءِ فناءِ وجود کی طرف حوالہ کرنا اثبات غیر اللہ لازم آتا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچانا۔'' حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کو فناء کیا، اس نے حق تعالیٰ کو پہچانا۔ کیونکہ عدمِ غیر سے ثبوتِ غیر پایا جاتا ہے اور ثبوت غیر فناءِ غیر کے منافی ہے اور جس شے کا ثبوت جائز نہ ہو، اس کا فنا بھی جائز نہیں۔ تیرا وجود لا شے ہے اور لا شے کو شے فانی یا غیر فانی موجود اور معدوم کی طرف

اضافت نہیں کیا جاتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس طرف بھی حدیث مذکورہ میں اشارہ کیا ہے کہ تُو اب بھی معدوم ہے جیسا کہ قبلِ تکوین کے معدوم تھا۔ پس ازل اور ابد اور قدیم وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ وجود ازل اور ابد اور وجودِ قدم ہے بدوں اس کے کہ وجود ازل اور ابد اور قدم پایا جائے۔ پس تُو اب بھی موجود نہیں جیسا کہ قبلِ پیدائش کے موجود نہ تھا اور حق تعالیٰ ازلی و ابدی وحدہ لا شریک ہے اور اس کیلئے ضرور ہے کہ وہ تنہا بدوں شریک اپنے کے ہو۔ اس لئے کہ شریک اُس کا وہی ہوگا جس کا وجود بالذات مستقل ہو، نہ وجودِ الٰہی سے اس کا وجود ہو اور جو ایسا ہو وہ دوسرا رب ہوگا اور یہ محال ہے۔ پس حق تعالیٰ کا کوئی شریک اور مثل اور کفو نہیں۔ جو شخص کسی شے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا اس کی طرف سے یا اس کے اندر دیکھے اور وہ شے ربوبیتِ الٰہی کی محتاج ہو تو اس شخص نے اس شے کو بھی ایسا شریک بنایا جو اللہ تعالیٰ کا محتاج ہو۔ اور جو شخص یہ جائز رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک شے ایسی ہے جو بالذات قائم ہے یا حق تعالیٰ کی وجہ سے قائم ہے یا وہ شے اپنے وجود سے یا فنا و جود اپنے سے فانی ہے تو وہ شخص بہت دور چلا گیا۔ اس نے معرفتِ نفس کی بُو بھی نہیں سونگھی۔ کیونکہ جو شخص یہ بات جائز رکھے کہ کوئی موجود سوائے اللہ تعالیٰ کے ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سبب سے قائم ہے یا اس کے اندر قائم ہے اور وہ موجود فانی ہو سکتا ہے یا اس کی فنا فانی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ تسلسل فناء کا ساتھ فنا کے ہو تو یہ شریک بعد شریک ہوا اور معرفتِ نفس نہ ہوئی۔ پس جو شخص اس کو جائز بتلائے، وہ مشرک ہے، وہ نفس اپنے سے عارف باللہ نہیں۔

پس اگر کوئی سائل سوال کرے کہ معرفتِ نفس اور معرفتِ الٰہی کا راستہ کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان دونوں کی معرفت اور شناخت اس طرح ہے کہ معلوم کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ موجود تھا اور کوئی شے اس کے ساتھ نہ تھی۔ کان اللّٰہ ولم یکن معہ شیًا اور الآن کما کان یعنی اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ پس اگر کوئی اعتراض کرے کہ میں اپنے نفس کو غیر اللہ دیکھتا ہوں، اور میں اللہ تعالیٰ کو اپنا نفس نہیں دیکھتا تو جواب اس کا یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے من عرف نفسہ سے تیرا وجود اور تیری حقیقت مراد لی ہے۔ نفسِ لوامہ، امارہ، مطمئنہ مراد نہیں لیا بلکہ نفس سے اشارہ کل ماسویٰ اللہ کی طرف ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللھم ارنا الاشیاء کما ھیتی'' (اے میرے اللہ! مجھ کو اشیاء جیسا کہ وہ نفس الامر اور واقع ہیں، دکھا دے)۔ حضور ﷺ نے اشیاء سے مراد ماسویٰ اللہ نہیں لی یعنی ماسویٰ اپنے کی معرفت عطا کر تا کہ میں جانوں اور پہچانوں کہ اشیاء نہیں ہیں اور تُو قدیم اور باقی ہے اور غیر تیرا حادث و فانی ہے۔ اور معلوم کروں کہ اللہ تعالیٰ اور ماسویٰ اس کے عین حق ہے بدوں اس کے کہ ماسویٰ کا وجود ہو۔ پس اشیاء کو جیسا کہ وہ واقع ہیں، دیکھوں۔ یعنی اشیاء کو بلا کیفیت و مکان کے ذاتِ خداوندی دیکھوں اور اشیاء کا لفظ نفس وغیر سب چیزوں پر اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ وجودِ نفس اور وجودِ اشیاء بطور تشبیہہ کے وہ شے نہیں۔ یعنی لا شے ہیں اور حقیقت میں شے وہی اللہ ہے۔ شے کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر بھی ہے۔ پس جو شخص اشیاء کو پہچانا، وہ نفس کو پہچانا اور جس نے نفس کو پہچانا، اسی نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا۔ کیونکہ جو گمان کرتا ہے کہ وہ سوا اللہ تعالیٰ کے ہے، وہ سوا اللہ تعالیٰ کے نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتا، حالانکہ اس کو دیکھتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس کو دیکھتا ہوں۔

جب تجھ کو یہ اسرار معلوم اور منکشف ہوں گے، اس وقت تُو جانے گا کہ تُو ماسویٰ اللہ نہیں اور جان لے گا کہ خود تُو ہی اپنا مطلوب ہے اور مقصود تھا اور یہ کہ تُو فنا کے طرف محتاج نہیں بلکہ تُو ہمیشہ رہا اور رہے گا بدوں قید وقت کے، جیسا کہ ہم نے تیری تمام صفات کو ذکر کیا ہے۔ تُو اپنے ظاہر کو اللہ تعالیٰ کا ظاہر اور اپنے باطن کو اس کا باطن معلوم کرے گا اور اپنی صفات کو اس کی صفات اور اپنی ذات کو اس کی ذات یقین کرے گا بدوں اس کے کہ تُو وہ ہو جائے اور وہ تُو بن جائے اور بدوں کمی بیشی کے، ہر شے فانی ہے مگر وجہ اللہ ظاہر و باطن ہے۔ یعنی سوا اللہ تعالیٰ کے شے موجود نہیں اور غیر اللہ کیلئے کوئی وجود نہیں تا کہ ہلاکت کی حاجت ہو اور اس کی ذات باقی رہے۔ کوئی شے نہیں مگر ذاتِ الٰہی۔ فاینما تولو فثم وجہ اللّٰہ (جس طرف تمہارا رخ کیا جائے، اس مقام پر وجہ اللہ ہے)۔

چنانچہ جو شخص کسی شے کو نہیں پہچانتا ہو، پھر اس کو پہچانے تو اس نے اپنے وجود کو فنا نہیں کیا بلکہ اپنے جہل کو فنا کیا ہے اور اس کا وجود موجود ہے اور

اپنے حال پر باقی ہے۔اس کا وجود دوسرے وجود سے نہیں بدلا گیا اور نہ وجود منکر کی ترکیب ساتھ وجود عارف کی ہوئی ہے اور نہ وجود کا دوسرے وجود میں تداخل ہوا ہے بلکہ جہل زائل ہو گیا۔پس تُو یہ گمان مت کر کہ تُو فنا کی طرف محتاج ہے۔پس اگر فنا کی طرف محتاج ہوگا تو اس وقت میں تُو ہی حجاب الٰہی ہوگا اور حجاب غیر اللہ ہے۔پس لازم ہو غلبہ غیر حق کا حق پر بوجہ منع کرنے رویت الٰہی کے ہے۔یہ مسلک غلط اور سہو ہے حالانکہ ہم پہلے ذکر چکے ہیں کہ اس کا حجاب اس کی وحدانیت اور فردانیت ہے۔اس کا غیر اس کا حجاب نہیں ہوسکتا۔اس لئے جو شخص حقیقت کی طرف واصل ہو جائے اس کو جائز ہے کہ انـــا الحق اور سبحان ما اعظم شانی کہے اور کوئی واصل حق تعالیٰ کی طرف نہیں پہنچا مگر اس حال میں کہ اس نے اپنی صفات کو صفاتِ حق اور اپنی ذات کو ذاتِ حق دیکھا۔یہ نہیں کہ اس کی صفات اور ذات اللہ تعالیٰ میں داخل ہیں یا اس سے خارج ہیں اور نہ یہ کہ وہ فنا فی اللہ یا بقا باللہ ہو گیا۔بلکہ وہ اپنے نفس کو جانتا ہے کہ ہرگز موجود نہیں ہوا اور نہ یہ کہ موجود ہو کر پھر فنا ہو گیا ہو۔کیونکہ اس کا نفس نہیں مگر ذاتِ الٰہی اور نہ اس کا وجود مگر وجودِ الٰہی۔اسی طرف حضور ﷺ نے اشارہ کیا ہے : لا تسبوا الدھر انی دھر (زمانہ کو برا مت کہو کیونکہ دھر اللہ ہے)۔اشارہ کیا اس طرف کہ دھر وجود کا وجود، وجودِ الٰہی ہے۔اللہ تعالیٰ پاک ہے شریک و مثل کفو سے۔روایت ہے نبی ﷺ سے کہ آپ ﷺ نے حدیثِ قدسی میں فرمایا ہے کہ : اے میرے بندے! میں بیمار ہوا تُو نے میری عیادت نہ کی اور میں نے تجھ سے سوال کیا، تُو نے مجھ کو کچھ نہ دیا۔اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ وجودِ مریض وجودِ خدا ہے اور وجودِ سائل وجودِ حق ہے۔پس جائز ہوا کہ تیرا وجود بھی وجودِ حق ہو۔بلکہ تمام کائنات کا وجود، اعراض ہوں یا جواہر، وجودِ حق تعالیٰ ہیں۔اور جب تجھ کو ایک ذرہ کا ذرات میں سے بھید ظاہر ہوگا تب جانے گا کہ تُو جملہ مخلوقات ظاہر و باطن کا سر اور بھید ہے اور تُو دونوں جہانوں میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کچھ نہیں دیکھے گا بلکہ وجود دونوں عالم کا اور نام اور مسمّیٰ اُن کے مالک کا بلاشک و ریب ہوگا۔اور تُو یہ مت سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نے کس شے کو پیدا نہیں کیا بلکہ یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ ہر روز نئی شان میں ہے۔کبھی اپنے وجود کو ظاہر کرتا ہے کبھی بدوں کیفیت چھپا لیتا ہے۔کیونکہ وہی اول و آخر، ظاہر و باطن ہے۔اپنی وحدانیت سے ظاہر ہوا ہے اور اپنی فردانیت سے باطن ہوا ہے۔وہی اول بالذات قیوم ہوا ہے اور وہی بوجہ ہمیشگی اپنے کے آخر ہے۔وہی اول و آخر، ظاہر و باطن کے حروف کا وجود ہے۔یہ سب اس کے نام ہیں اور وہی مسمّیٰ ہے ان کا جیسا کہ وجود ان کا واجب ہے، ایسا ہی اس کے سوا کا معدوم ہونا ضرور ہے۔

کیونکہ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ وہ سوائے حق تعالیٰ ہے، وہ ہرگز اس کا نہیں۔کیونکہ حق تعالیٰ اس امر سے پاک ہے کہ کوئی شے غیر اس کی پائی جائے اور غیر اپنے وجود کے ساتھ اس کے وجود میں ظاہر یا باطن ہو۔جو شخص اس صفت سے موصوف ہوگا، اس کیلئے اوصاف کثیرہ بے حد و نہایت ہوں گے۔جیسا کہ کوئی شخص موت ظاہری سے مرتا ہے تو اس کے تمام اوصافِ محمودہ و مذمومہ منقطع ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جمیع حالات میں اس کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔یعنی اس کی ذات کے قائم مقام ذاتِ الٰہی اور صفات کے قائم مقام صفاتِ الٰہی ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح جنابِ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا : مُوتو قبل ان تموتو (تم مرنے سے پہلے مر جاؤ)۔یعنی اپنے نفوس کو قبلِ موت کے شناخت کرلو۔اور فرمایا : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ ہمیشہ تقربِ نوافل یعنی زائد نیکیوں سے طلب کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو محبوب کر لیتا ہوں اور جب میں اس کو دوست بنا لیتا ہوں تو اس کی سماعت، بصارت، زبان، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ میں خود ہو جاتا ہوں۔اس میں اشارہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو شناخت کر لیتا ہے تو وہ وجودِ حق کو ہر طرف دیکھتا ہے۔اور اس کے غیر کو ذات اور صفات میں نہیں دیکھتا اور وہ شخص اپنی صفات بدلنے کا محتاج نہیں ہوتا کیونکہ اس شخص کا وجود ہی نہ تھا بلکہ وہ اپنی وجود کی معرفت سے جاہل تھا۔پس جب تُو نے اپنے نفس کو پہچانا تو تیری انانیت دور ہو گئی۔تُو نے معلوم کر لیا کہ تُو غیر اللہ نہ تھا۔اگر تیرے لئے وجود مستقل ہو جو فنا اور معرفتِ نفس کا محتاج نہ ہو تو اس وقت تُو دوسرا خدا ہوگا اور اللہ پاک ہے اس سے کہ سوا دوسرا خدا ہو یا اپنی مثل دوسرا پیدا کرے۔پس معرفتِ نفس کا فائدہ یہ ہے کہ تُو بالیقین معلوم کر لے کہ تیرا وجود نہ موجود ہے نہ معدوم اور یہ کہ تُو موجود نہیں ہے اور نہ ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا۔

اس کلامِ مذکور سے تجھ کو لا الـــہ الا اللّـــہ کے معنی ظاہر ہو گئے کہ غیر اس کا نہیں اور کوئی وجود غیر کیلئے نہیں۔پس کوئی غیر سوا اس کے نہیں اور کوئی

موجود نہیں مگر وہی۔ پس اگر کوئی کہے کہ تُو نے خدا تعالیٰ کی ربوبیت کو بیکار کر دیا، تو جواب یہ ہے کہ میں نے اس کی ربوبیت کو معطل نہیں کیا کیونکہ وہ ہمیشہ سے رب ہے اور ہمیشہ مربوب رہے گا اور ہمیشہ سے خالق ہے اور ہمیشہ مخلوق رہے گا اور با اعتبار خالقیت اور ربوبیت کے رب ہے۔ ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا اور مخلوق اور مربوب کا محتاج نہیں۔ پس وہ قبلِ پیدائش کائنات کے جمیع صفات سے موصوف تھا، وہ اب بھی الآن کما کان ، اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا۔ پس درمیان حادث اور قدیم کے، اس کی وحدانیت میں کوئی فرق نہیں۔ حادث اس کی ظاہریت کا مقتضی ہے اور قدیم اس کی باطنیت کا۔ اس کا اول آخر ہے اور آخر اول ہے۔ ظاہر اس کا باطن ہے اور باطن اس کا ظاہر ہے اور تمام نام ایک ہیں اور ایک جامع جمیع صفاتِ کمالیہ ہے کیونکہ اس کی صفت یہ ہے : کل یوم ھو فی شان ، کہ ہر روز اس کی ایک نئی شان ہے یعنی نئی شان رکھتا ہے۔ نہ رات ہے، نہ دن جیسا کہ ہمیشہ سے نہ رات تھی، نہ دن تھا اور نہ کوئی شے تھی۔ وجودِ مخلوقات کا اور عدم اس کا ایک شے ہیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ ایک طائر اُڑ گیا جو اس کی وحدانیت میں نہ تھا اور یہ نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اس سے برتر ہے۔ اور جب تُو نے اپنے نفس کو اس صفت سے پہچان لیا بدوں اس کے کہ مثل کفو اور شریک کے نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرے تو درحقیقت تُو نے اس کو پہچان لیا اور اسی لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کو فنا کیا، اس نے اپنے رب کو پہچانا کیونکہ حضور ﷺ جانتے ہیں کہ کوئی شے سوائے اللہ تعالیٰ نہیں ہے۔ پھر اسی طرف اشارہ کیا کہ نفس کی معرفت ہی معرفتِ الٰہی ہے۔ یعنی تُو اپنے نفس اور اپنے وجود کو پہچان لے کہ تُو تُو نہیں، لیکن نہیں جانتا۔ یعنی اس امر کو پہچان کہ تیرا وجود تیرا نہیں اور نہ غیر وجود تیرا ہے۔ نہ موجود ہے نہ معدوم بلکہ وجود و عدم تیرا وجودِ الٰہی ہے بدوں عدم وجود کے۔ نہ یہ کہ غیر وجود تیرے کا ہے اور عدم تیرے کا۔ وجود اس کا ہے اور نہ یہ کہ عین وجود اس کا تیرا وجود عدم ہے۔ پس جب تُو نے اشیاء کو دیکھا بدوں اس کے دوسری شے ساتھ اللہ کے یا اس کے اندر ہو بلکہ اشیاء کو ہی خدا معلوم کیا تو بیشک تُو نے اپنے نفس کو پہچانا کیونکہ نفس کی معرفت اس صفت سے معرفتِ الٰہی بلا شک وشبہہ ہے، بدوں اس کے کہ حادث کی قدیم کے ساتھ ترکیب ہو یا اس کے اندر یا اس کے سبب سے موجود ہو۔ پس اگر کوئی سائل سوال کرے کہ وصالِ حق کا طریق کیونکر ہے کیونکہ تُو نے ثابت کر دیا کہ غیر سوا اس کے نہیں اور ایک شے اپنے نفس کی طرف کیسے واصل ہوسکتی ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ بے شک درحقیقت نہ وصل ہے نہ فصل۔ نہ بعد ہے نہ قرب۔ اس لئے کہ وصل نہیں ہوتا مگر دو شے میں اور جب ایک ہی شے ہے تو وصل اور فصل کہاں۔ فصل بھی دو شے کا محتاج ہے خواہ مساوی ہوں یا ضدیں۔ اگر دونوں مساوی ہوں تو ضرور ہے کہ دونوں مثل ہوں اگر غیر مساوی ہوں تو دونوں ضدیں ہوں گے۔ اور حق تعالیٰ ضد اور ند سے پاک ہے۔ پس مراتب وصال اور قرب و بعد غیر متعارف وصال و قرب و بعد میں جو دو شے کا مقتضی ہے، پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا وصل بلا وصل کے اور قرب بلا قرب کے اور بعد بلا بعد کے ہوسکتا ہے۔

پس اگر کہا جائے کہ اس جگہ وصال بلا وصال کے مسلم ہے مگر قرب بلا قرب اور بعد بلا بعد کے کیا معنی ہیں؟ پس جواب یہ ہے کہ تُو بحالتِ قرب و بعد کوئی شے نہ تھا لیکن تُو اپنے نفس کو نہیں پہچانتا تھا اور یہ نہیں جانتا تھا کہ تُو وہی ہے بدوں تیرے وجود کے۔ پس جب تُو نے اس کا وجود معلوم کر لیا یعنی اپنے نفس کو بلا وجود کے پہچانا جیسا کہ حروفِ قرآن ہیں، تو جان لیا تُو نے کہ تُو وہی تھا اور قبل اس کے تُو نہیں جانتا تھا کہ تُو وہی ہے یا غیر اس کا ہے۔ پس جب تجھ کو معرفت حاصل ہوئی تو تُو نے معلوم کر لیا کہ حق تعالیٰ کی معرفت تیرے نفس سے حاصل ہوئی۔ مثلاً تُو نہیں جانتا تھا کہ تیرا نام محمود ہے اور تیرا مسمّٰی بھی محمود ہے کیونکہ اسم اور مسمّٰی حقیقت میں ایک شے ہے۔ تُو گمان کرتا ہے کہ تیرا نام محمد ہے اور بعد غور و خوض کے تُو نے معلوم کر لیا کہ تُو محمود ہے۔ اور محمد اور محمود سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں۔ تیرا وجود برقرار ہے، بدلا نہیں گیا۔ البتہ محمد نام اور محمد مسمّٰی تجھ سے زائل ہوگیا۔ جبکہ تُو نے اپنے نفس کو معلوم کر لیا کہ تُو محمود ہے اور نہیں محمد بوجہ فنا نفس تیرے کے۔ کیونکہ فنا بعد اثبات وجود ہوسکتی ہے اور جو شخص ماسویٰ حق تعالیٰ کے کسی وجود کا اثبات کرے تو اسی نے باری تعالیٰ کا شریک بنایا۔ پس محمود سے کوئی شے ناقص نہیں ہوئی اور محمد سے اور نہ فنا ہوئی محمود میں اور نہ داخل ہوئی اس میں اور نہ خارج ہوئی اس سے اور نہ حلول کیا محمود

نے محمد میں اور نہ محمد نے محمود میں اور بعد اس کے کہ تُو نے محمود کو عین حق پہچانا اور معلوم کیا کہ کوئی دوسرا محمود اور محمد نہیں تو نفس حق سے تُو نے نفسِ حق معلوم کیا، نہ صفت اپنی سے کیونکہ تیری صفت موجود نہیں، پس غیر وجود سے موجود کیونکر معلوم ہوتا ہے۔ پس عارف اور معروف ایک سوال ہے اور واصل اور موصول ایک، ناظر اور منظور ایک ہے۔ عارف صفت اور معروف اس کی ذات ہے اور واصل صفت اور موصول اس کی ذات ہے۔ صفت اور موصوف ایک شے ہے۔ یہ بیان من عرف نفسه فقد عرف ربه کی حدیث کا ہے۔ جو شخص اس مثال مذکور کو سمجھ گیا، اس نے معلوم کر لیا کہ وصل اور فصل نہیں، اور تُو جان لے کہ عارف اور معروف وہی ذات ہے۔ ناظر اور منظور وہی ہے۔ اور واصل و موصول بھی وہی ہے۔ وہ وہ ہے جس کی طرف غیر اس کا پہنچا ہے اور اس سے غیر اُس کا نہیں نکلتا۔ جس نے اس کلام کو سمجھا، اس نے شرک سے رہائی پائی، ورنہ خلاصی شرک کی بُو بھی نہیں پایا۔ اور اکثر عارفین نے، جن کا گمان یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کو پہچان کر معرفتِ الٰہی حاصل کی ہے اور غفلتِ وجود سے رہائی پائی ہے اور جنہوں نے کہا ہے کہ طریق وصول الی اللہ بدوں فنا اور فنا فنا کے آسان نہیں۔ یہ قول ان کا بوجہ نہ سمجھنے اس قول کے ہے، جس کو جنابِ رسول ﷺ نے فرمایا ہے اور اس لئے ہے کہ تُو ان کو گمان کرے کہ وہ شرک کو بوجہ فنا کے دور کرتے ہیں کہ کبھی نفی وجود یعنی فناءِ وجود کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور کبھی محویت اور انقطاع کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور یہ جملہ اشارات، شرک محض ہیں کیونکہ جو شخص اس بات کو جائز رکھے کہ کوئی شے سوائے اللہ تعالیٰ کے موجود ہے اور وہ شے بعد وجود اپنے کے فنا ہو سکتی ہے تو اس شخص نے ماسوئ اللہ کو ثابت کیا اور جو کسی شے کو ماسوئ اللہ ثابت کرے، اس نے اس کو اللہ تعالیٰ کا شریک کیا اور اللہ اُن کو اور ہم کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرے۔

اگر تُو نے گمان کیا کہ تُو تُو ہے۔ بس تُو تو نہیں اور نہ کبھی ہوا۔ تمہارے وجود میں کوئی فرق نہیں، وہ وجود نہ تجھ سے علیحدہ ہوا نہ حق تعالیٰ سے۔ پس تُو تُو نہیں۔ بلکہ تُو رب ہے اور اسی کے وجود سے ہے۔ اگر تُو جہالت کی وجہ سے اپنے آپ کو غیر اللہ کہتا ہے تو تُو بڑا سنگدل ہے اور اگر قصداً کہتا ہے تو خوار ہے۔ پس وصل تیرا ہجر ہے اور ہجر تیرا وصل ہے۔ اور بُعد تیرا قرب ہے اور قرب تیرا بعد۔ رہبر عقل کو سخت کر دیتا ہے، پس تُو نورِ کشفی سے معلوم کرتا کہ تیرا گمان غلط ظاہر ہو۔ تُو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک مت کرتا کہ تُو ذلیل و خوار نہ ہو جائے۔ اور شریک کرے گا تو ذلیل و خوار ہو جائے گا۔

اگر کوئی کہنے والا اعتراض کرے کہ تُو نے اشارہ اس طرف کیا ہے کہ معرفت نفس کی معرفتِ الٰہی ہے، حالانکہ عارف اپنے نفس کا غیر اللہ ہے، وہ اللہ کو کیسے پہچانے گا اور جو کوئی اللہ کو نہیں پہچانتا، وہ واصل الی اللہ کیسے ہو گا۔ پس جواب یہ ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو شناخت کرے گا تو معلوم کرے گا کہ اُس کا وجود، وجودِ عدم نہیں بلکہ اس کا وجود وجودِ الٰہی ہے بدوں دخول و خروج وجود اور معیت کے بلکہ اپنے وجود کو اپنے حال پر پائے گا۔ جیسا کہ قبل پیدائش کے تھا۔ نہ اس کو فنا ہے، نہ محو نہ فناءِ فنا۔ کیونکہ کسی شے کی فناءِ فنا اس شے کے ثبوت کا مقتضی ہے۔ اس لئے کہ ثبوت کسی شے کا بالذات چاہتا ہے کہ وہ شے خود بخود موجود نہ ہو۔ قدرتِ حق تعالیٰ سے یہ صورت صریح محال ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عارف کی معرفت اپنے نفس کی، عین معرفتِ الٰہی ہے۔ کیونکہ اس کا نفس بجز حق کے کچھ نہیں ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ نے نفس سے مراد وجود لیا ہے۔

جو شخص اس مقام کو پہنچے گا تو اس کا وجود ظاہر و باطن میں اس کا وجود نہ ہو گا بلکہ وجود اس کا وجودِ الٰہی ہو گا اور کلام اس کا کلامِ الٰہی ہو گا اور فعل اس کا فعلِ الٰہی ہو گا۔ وہ معرفتِ الٰہی کی طرف دعوت کرتا ہے لیکن تُو اس کا دعویٰ سنتا ہے اور اس کا فعل دیکھتا ہے اور اس کے وجود کو غیر اللہ جانتا ہے جیسا کہ اپنے وجود کو غیر اللہ سمجھتا ہے کیونکہ تُو اپنے نفس کی معرفت سے جاہل ہے۔ اس لئے کہ مومن حق کا آئینہ ہے، پس وہ بصرِ الٰہی سے دیکھتا ہے یعنی اس کی نظر اللہ کی نظر ہے، بلا کیفیت کے۔ وہ تیری بصارت اور تیرے علم کا محتاج نہیں اور نہ تیرے فہم، وہم، ظن اور رویت کا محتاج ہے۔ بلکہ وہ آئینہ، بصارتِ الٰہی، علمِ الٰہی اور رویتِ الٰہی کا ہے۔ پس اگر کوئی کہنے والا کہے انا الله تو اس سے سن کیونکہ اللہ تعالیٰ انا الله فرماتا ہے۔ وہ شخص نہیں کہتا، پس اگر تُو اس سے نہیں سنتا اور نہیں سمجھتا تو اس کا انکار مت کر۔ لیکن تُو وہاں نہیں پہنچا ہے جہاں وہ پہنچا ہے، نہ تُو سمجھتا ہے جو وہ کہتا ہے اور تُو بھی کہتا ہے جو اُس نے کہا لیکن تُو نہیں دیکھتا

اس کو جو وہ دیکھتا ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ تمام اشیاء وجودِ حق تعالیٰ کے ہیں کہ اشیاء کا وجود نہیں۔ ہم اس شبہ کا جواب مع اقوال مذکور کے یہ لکھ دیں گے کہ یہی معنی آیت لا تدرکہ الابصار کے ہیں۔ یعنی نہ کوئی نہ کسی کے ساتھ مل کر حقیقت باری تعالیٰ کا ادراک کر سکتا ہے۔ پس اگر غیر کا وجود ہوتا تو ممکن اور جائز ہوتا کہ وہ غیر اس کا ادراک کرتا اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ابصار اس کا ادراک نہیں کر سکتیں بلکہ حق تعالیٰ ادراک کرتا ہے۔ پس کوئی غیر نہیں مگر اللہ تعالیٰ۔ پس وہی بالذات ہے، نہ غیر اس کا۔ پس ابصار اس کا ادراک نہیں کرتیں اور ابصار نہیں مگر وجود باری تعالیٰ۔ اور جس شخص نے عدم ادراک ابصار کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ ابصار حادث ہیں اور حادث باقی اور قدیم کو ادراک نہیں کر سکتا۔ اس شخص نے اب تک اپنے نفس سے اپنے نفس کو شناخت نہیں کیا اور یہ کہ وہ کوئی شے نہیں اور نہ ابصار ہیں مگر وہی حق ہے اور وہی اپنے وجود کا ادراک کرتا ہے بلا وجود ادراک اور کیفیت کے۔ اور نہیں ہے غیر اس کا۔ عرفت ربی بربی (میں نے اپنے رب کو رب سے بلا شک اور بلا ریب اور بلا ذات پہچانا ہے)۔ پس میری ذات اس کی ذات ہے بلا نقصان وعیب و جعل کے۔ پس نفس میرا غیب کا مظہر ہے۔ میں نے اپنے نفس کو بدوں ثبوت کے پہچانا اور میں محبوب کی طرف بلا بعد اور قرب کے واصل ہوا ہوں۔

میں نے دل میں اپنے کہا کہ یہ عطا مفیض مطلق ہے بدوں مثل اور سبب اور آزمائش کے۔ نفس میرا اسی کیلئے ہے۔ وہ شے باقی نہیں رہتی جو پگھلتی نہیں اور ناقص ہوتی ہیں۔ پس اگر کوئی سائل سوال کرے کہ تُو نے اللہ تعالیٰ میں ہر شے کو ثابت کیا، پس یہ اشیاء جنہیں ہم دیکھتے ہیں، کیا ہیں؟

جواب اس کا ان مقامات میں سے ہے کہ ہمارا کلام ان سے ہے جو سوائے حق تعالیٰ کے کسی شے کو اس کے ساتھ نہیں دیکھتے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری شے کو دیکھتا ہے، اس سے ہمارا سوال و جواب نہیں۔ کیونکہ وہ غیر محسوسات کو نہیں دیکھتا۔ اور جو شخص اپنے نفس کو پہچانتا ہے، وہ غیر اللہ کو نہیں دیکھتا۔ ہر ظرف سے وہی ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہے۔ کل اناء یترشح بما فیہ اور پہلے اس کے ہم نے اس کو مفصل کہہ دیا ہے۔ پس جو شخص نہیں دیکھتا، وہ نہ دیکھتا ہے اور نہ سمجھتا ہے، نہ ادراک کرتا ہے۔ واصل الی اللہ کیلئے ایک اشارہ کافی ہے اور غیر واصل الی اللہ تعلیم اور تفہیم اور اندازہ کرنے سے حق تعالیٰ کی طرف واصل نہیں ہو سکتا۔ پس تُو اس کے شبہ میں نہ پڑنا اور ان اشارات سے یہ وہم نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق ہے کیونکہ بعض عارفین نے کہا ہے کہ غیر صوفی مخلوق ہے اور یہ وصول بعد کشف تام و زوال شکوک اوہام ہو سکتا ہے۔

یہ اشارہ اس کیلئے ہے جس کی خلقت دونوں جہانوں سے بڑی ہو اور جس کی خلقت مثلِ کونین ہے، وہ اس واقعہ کی تصدیق اور رفاقت نہیں کرے گا اس لئے کہ یہ مقام دونوں جہان سے اعلیٰ اور اعظم ہے۔ بہر حال تُو جان لے کہ ناظر اور منظور، واجد اور موجود، عارف اور معروف، ادراک اور مدرک ایک ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے وجود کو اپنے ہی وجود سے دیکھتا ہے اور اپنے وجود ہی سے پہچانتا ہے بلا کیفیت ادراک اور رویت کے۔ اس کی معرفت بلا وجود حروف ادراک اور رویت معرفت کے ہے۔ جیسا کہ وجود اس کا بلا کیفیت ہے، ایسا ہی ادراک اس کے نفس کا بلا کیفیت ہے۔ پس اگر کوئی سائل اعتراض کرے کہ تُو کس نظر سے تمام مکروہات و مرغوبات و محبوبات کو دیکھتا ہے، پس جب کہ تو لید کو مردار اور لید دیکھتا ہے۔ بلکہ ہمارا کلام اس شخص کے ساتھ ہے جس کو بصیرت حاصل ہے، اور وہ اندھا نہیں۔ پس اگر وہ اپنے نفس کو نہیں پہچانا تو ضعیف البصر ہے اور اندھا ہے اور قبلِ زوال بینائی کے وہ ان مطالبات کو نہیں پہنچ سکتا اور یہ گفتگو ساتھ اللہ کے ہے نہ غیر اللہ سے، نہ اندھے سے۔ کیونکہ اس مقام کو پہنچنے والا جانتا ہے کہ وہ غیر اللہ نہیں اور ہم اس شخص سے خطاب کرتے ہیں جو ہمت والا ہے اور مصمم ارادہ طلبِ معرفت الٰہی رکھتا ہے اور اس کے قلب میں قلب کی صورت اور اشتیاق وصول الی اللہ ظاہر ہے۔ نہ کہ اس شخص سے ہمارا خطاب ہے جس کا کوئی ارادہ اور مقصود نہیں۔

پس اگر کوئی اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کو ابصار ادراک نہیں کرتیں بلکہ وہ ابصار کا ادراک کرتا ہے اور تم اس کے خلاف کہتے ہو، پس تمہارے قول کی حقیقت کیا ہے؟ تو ہم یہ جواب دیں گے کہ شیخ واصل اور استاد و حاذق کے ذریعہ اور خدمت سے بدوں عقل اور علم کے ہو سکتا ہے۔ ایسا شخص ہو کہ راستہ چلنے والا اس کے نور سے ہدایت پائے اور اس کی وجہ سے اپنے مقصود کی طرف پہنچ جائے، انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ ہم کو اپنی مرضی کے موافق

قول اور فعل اور عمل اور علم اور نورِ ہدایت کی توفیق عنایت کرے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے اور قبول مدعا کے واسطے شایان ہے اور درود الٰہی بہترین خلائق پر ہو جو ہمارے سردار اور آقا ﷺ ہیں اور ان کے آل اصحاب سب پر ہو۔

ماحاصل اس رسالہ کا یہ ہے کہ کوئی شے بجز حق تعالیٰ کے موجود نہیں۔ جس قدر اوصاف عالم میں پائے جاتے ہیں، صفاتِ الٰہیہ ہیں جو حسبِ استعداد اور قابلیت مخلوق کے نمودار ہوئے ہیں۔ اگر اوصافِ الٰہیہ سے قطع نظر کی جائے تو عالم معدوم نظر آئے گا، چنانچہ آئینہ میں حرکت و سکون، شادی و غم، ہنسنا اور رونا، شخص کا عکس کے اندر ظاہر ہوتا ہے لیکن عکس کی کثرت سے اس شخص کی وحدت میں فرق نہیں آتا۔ اگر آئینہ شکستہ یا نجس ہو جائے تو وہ شخص شکستہ یا نجس نہ ہوگا بلکہ اپنے حال پر رہے گا۔ آفتاب کا عکس پاک و پلید دونوں پر پڑتا ہے لیکن خود پاک ہی رہتا ہے۔ پس وجود اشیاء کا نہ موجود ہے، نہ معدوم بلکہ مثلِ عکس آئینہ کے ہے۔ لہٰذا ہر شے من کل الوجود نہ عین اللہ ہے نہ غیر اللہ۔ چونکہ وجود اصلی خارجی خاص حق تعالیٰ کے واسطے ہے اور وجود ظلی خارجی خاص مخلوق کیلئے۔ بعض عارفین کی نظر وجودِ اصلی کی طرف ہوتی ہے اور وجودِ ظلی ان کی نظر میں کالعدم ہوتا ہے اس لئے غلبۂ حال میں وجود ظلی کا بالکل معدوم سمجھتے ہیں اور انا الحق کا نعرہ لگاتے ہیں اور بعض کاملین کی نظر دونوں طرف ہوتی ہے۔ وہ حقیقت وجوبیہ اور حقیقت امکانیہ کو متمیز پاتے ہیں اور اوامر و نواہی الٰہی کو نہایت آداب اور وقار و تمکین سے بجالاتے ہیں۔ یہ مرتبہ نہایت اعلیٰ و ارفع ہے۔ تمام انبیاء و مرسلین کو یہی مرتبہ حاصل تھا۔ واللّٰہ تعالیٰ علم وعلمہ اتم۔

باب ۱۰

تنزلاتِ ستہ کا بیان

تنزلاتِ ستہ کا بیان

(۱) شرح مرتبہ اول : احدیت

حضرت ابو سعید مبارک قدس سرہ العزیز تحفہ مرسلہ میں فرماتے ہیں : المرتبة الاولیٰ مرتبة الاتعین والاطلاق والذات البحت لا بمعنی ان قید الاطلاق مفهوم سلب التعین ثابتا ان فی تلك الرتبة فی بل بمعنی ذالك الوجود فی تلك المرتبة منزه عن اضافة الخوت ومقدس عن كل قيد حتىٰ قيد الاطلاق ايضا وهذه المرتبة تسمى بالمرتبة الاحدية وهى كنه الحق سبحانه وتعالىٰ وليس فوقها مرتبة اخرى بل كل المراتب ۔ (پہلا مرتبہ لاتعین اور اطلاقِ ذاتِ بحت کا ہے ۔ یہ معنی نہیں کہ اطلاق کی قید اور تعین کی نفی کا مفہوم اس مرتبہ میں ثابت ہیں ۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ وجود اس مرتبہ میں صفات کی نسبت سے بری اور ایک قید سے یہاں تک کہ قید اطلاق سے بھی پاک ہے اور اس مرتبہ کا نام مرتبہ احدیت رکھا جاتا ہے اور یہ حق تعالیٰ کی کنہ ہے اور اس کے اوپر کوئی مرتبہ نہیں ۔ بلکہ تمام اس کے نیچے ہیں ۔)

عبد الکریم بن ابراہیم جیلی، انسانِ کامل، باب ۶، صفحہ ۴۴، سطر ۱۲، میں فرماتے ہیں : ان الاحدية لا يظهر فيها شى من الاسماء واصفات وذالك عبارة عن محض الذات الصرف فى شانه الذاتى ۔ (احدیت میں اسماء وصفات سے کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی ، وہ اپنی ذاتی شان میں محض ذات صرف ہے ۔)

حضرت عبد الرحمن جامیؔ ۔ لوائح جامی ، صفحہ ۱۷، لائحہ ۲۴ میں فرماتے ہیں : موجود حقیقی یکے بیش نیست وآں عین وجود حق وہستی مطلق است ۔ اما او مراتب بسیار است اول مرتبہ لاتعین وعدم انحصار است واطلاق از ہر قید واعتبار ازیں حیثیت منزہ است از اضافات نعوت وصفات ومقدس است از دلالۃ الفاظ ولغات ۔

شرح مرتبہ ثانی او ر تعین اول و حدت : حقیقتِ محمدیہ

حضرت ابو سعید مبارکؒ تحفہ مرسلہ میں فرماتے ہیں : والمرتبة الثانيه التعين الاول وهى عبارة عن علمه تعالىٰ لذاته وصفاته وبجميع الموجودات على طريق لا جمال من غير امتياز بعضها عن بعض وهذه المرتبة تسمىٰ بالوحدة والحقيقة المحمديه ﷺ ۔ (اور دوسرا مرتبہ تعین اول کا ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات اور اپنی صفات اور تمام موجودات کو بعض کو بعض سے امتیاز کئے بغیر اجمالی طور پر جان لینا ہے اور یہ مرتبہ وحدت اور حقیقتِ محمدی ﷺ نام رکھا جاتا ہے ۔

شیخ یوسف بن اسماعیل النبھانی "جواہر البحار" ۔ جلد ۴، صفحہ ۲۶۸، سطر ۱۳ میں فرماتے ہیں : لانه ﷺ مظهر التعين اول (اسی لئے حضور ﷺ تعین اول کے مظہر ہیں) ۔ اور فرماتے ہیں : التنبيه العاشر ۔ اعلم ان الحق تعالىٰ تحلىٰ الذاتيه بذاته وشاهد جميع صفاته وكما لا ته فى ذاته ارادان يشاهد ها فى حقيقة تكون كالمراة فاوجد حقيقة المحمديه ﷺ ۔ (دسویں تنبیہ : جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ذات

کے ساتھ تجلی فرمائی اور اپنی صفات اور کمالات کو اپنی ذات میں دیکھا اور چاہا کہ اپنی ذات کو ایسی حقیقت میں دیکھے جو اس کیلئے آئینہ کی طرح ہو تو حقیقتِ محمد یہ ﷺ کو ایجاد فرمایا)۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ ، انفاس العارفین ۔صفحہ ۱۰۹، ۱۱۰، میں فرماتے ہیں : حضرت عین القضاۃ ہمدانیؒ کی اس شطح کی تاویل میں کہ جسے تم خدا سمجھتے ہو، وہ تمہارے نزدیک محمد ﷺ ہیں اور جس کو تم محمد ﷺ سمجھتے ہو، وہ ہمارے نزدیک خدا ہے ،فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ حضرت وجود کا آئینہ اور اس کے مظہر اتم ہیں اور حقیقتِ محمدی ﷺ تعین اول ہے اور تمام تعینات اور مظاہر کی جامع ہے اور سب آپ کے نور سے ظاہر ہوئے ہیں ۔اس اعتبار سے حضرت عین القضاۃ ہمدانی نے ایسا کہا ہے ۔(یہ عبارت مکتوبات مجدد صاحب دفتر دوم ۔صفحہ ۱۵۳، مطبوعہ نولکشور لکھنو میں بھی ہے)۔

حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن عربیؒ فتوحاتِ مکیہ ۔جلد ۳، باب ۱۳۱، صفحہ ۲۱۶، سطر ۱۳ میں فرماتے ہیں : وما رمیت فنفیٰ اذ رمیت فاثبت ولکن اللّٰہ رمیٰ ۔ فنفیٰ کون محمد ﷺ واثبت نفسہ عین محمد وجعل لہ اسم اللہ ۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا : وما رمیت ۔آپ ﷺ نے نہیں پھینکی ۔پس نفی کی اذ رمیت ۔یعنی آپ نے پھینکی ۔پس ثابت کیا ۔ ولکن اللّٰہ رمیٰ ۔یعنی وہ اللہ نے پھینکی ۔پس محمد ﷺ کے ہونے کی نفی کی اور اپنی ذات کو عین محمد ﷺ ثابت کیا اور حضور کیلئے اللہ اللہ قرار دیا ۔اور فرماتے ہیں : ما انت اذا انت ولکن اللہ انت ۔(یعنی اے حبیب ﷺ ! آپ، آپ نہیں بلکہ اللہ ہیں)۔

حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن عربیؒ اپنی تصنیف ''تفسیر شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی'' ۔جلد ۲، صفحہ ۳۹۱، مطبوعہ بیروت میں فرماتے ہیں : حٰم ای الحق المحتجب بمحمد ﷺ فھو حق بالحقیقۃ محمد بالخلیقیۃ ۔ (حٰم کی تفسیر میں فرمایا کہ حق تعالیٰ حضور ﷺ میں چھپا ہوا ہے ۔پس آپ ﷺ حقیقت میں حق ہیں اور خلقیت میں محمد ﷺ ہیں ۔) اور فرماتے ہیں : حٰم ۔ ظھور الحق المحتجب بالصورۃ المحمدیۃ ﷺ ۔ (یعنی حٰم کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ظہور صورت محمدی ﷺ میں ہے (حٰم سجدہ)۔اور فرماتے ہیں : حٰم ۔ عسق ۔ای الحق ظھر بمحمدٍ ظھور علمہ بسلامۃ قلب فالحق محمد ﷺ ظاھراً و باطناً ۔(یعنی حق تعالیٰ حضور ﷺ کے ساتھ ظاہر ہوا جیسا کہ علم الٰہی کا ظہور آپ کی سلامتی قلب کے ساتھ ہے ۔پس حق تعالیٰ ظاہر و باطن میں محمد ﷺ ہے ۔اور فرماتے ہیں : ق ۔ اشارۃ الی القلب المحمدی الذی ھو العرش الا لھی المحیط بالکل کما ان صٓ اشارۃ الی صورتہ ﷺ ۔(یعنی ق ۔قلب محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہے اور وہ عرشِ الٰہی ہے جو کہ ہر شے پر محیط ہے جیسا کہ ص صورتِ محمدی ﷺ کی طرف اشارہ ہے)۔ اور فرماتے ہیں : ای المحتجب بصورۃ الخلق یعنی ظھرت بصورتک فقھم بی صورۃ الخلق ۔(اللہ تعالیٰ صورت خلق کے پردہ میں ہے)۔یعنی یا رسول اللہ ﷺ ! میں آپ کی صورت میں ظاہر ہوا ہوں ۔پس آپ میرے ساتھ صورت خلق میں قائم ہوں ۔

اور فتوحاتِ مکیہ جلد ۲، باب ۷۳، صفحہ ۱۲۷، سطر ۳۱ میں فرماتے ہیں : انت تحسبہ محمداً العظیم الشان کما تحسب السراب ماء فھو ماء رای العین فاذا جئت محمدا ﷺ لم یجد محمدا و جدت اللّٰہ فی صورۃ محمدیۃ ورآیۃ برٔیۃ محمدیۃ کما انک اذا جُت الی السراب لتجدہ کما اعطاک النظر لم تجد فی شیبتہ ماعطاک النظر ووجدت اللّٰہ عندہ ۔ (یعنی تُو گمان کرتا ہے کہ حضور ﷺ عظیم الشان ہیں جیسا کہ تُو سراب کو پانی خیال کرتا ہے ۔حالانکہ وہ صرف دیکھنے میں پانی معلوم ہوتا ہے ۔پس ایسے ہی جب تُو حضور ﷺ کے پاس جائے گا تو حضور ﷺ کو نہ پائے گا اور اللہ تعالیٰ کو محمد ﷺ کی صورت میں پائے گا اور تُو حضور ﷺ کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ لے گا ۔جیسے کہ تُو سراب کے پاس آتا ہے تا کہ تُو اس چیز کو پائے جو تجھ کو نظر نے عطا کی ہے یعنی پانی نہیں ملتا اور تُو وہاں اللہ ہی کو پاتا ہے ۔

شیخ عبد الکریم بن ابراہیم جیلی، انسانِ کامل ۔باب ۴۰، صفحہ ۱۳۰، سطر ۷ میں فرماتے ہیں : لان اللّٰہ حقیقۃ وھو المراد بمحمد ﷺ ولا ثم

غیرہ فھو المعتبر المرتبتین وھو الموجود فی المملکتین فھو الحق وھو الخلق۔ (اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی حقیقت ہے اور محمد ﷺ سے مراد ہے اور وہاں کوئی اس کا غیر نہیں ہے اور دونوں مرتبوں خلق وحق میں وہی معتبر ہے۔ ان دونوں مملکتوں میں وہی موجود ہے۔ اور فرماتے ہیں : وعلمہ موجود بوجود سبحانہ فھو قدیم والعلم قدیم المعلوم من العلم لاحق بالعلم فھو قدیم لان العلم لا یکون علما الا اذا کان لہ معلوم ۔ (ظاہر ہے کہ حق سبحانہ کا علم قدیم ہے، پھر معلوم جس کے ساتھ علم کا تعلق ہے، وہ بھی قدیم ہوگا۔ پس وہ شخص متجلی لہ بھی اس حالت میں قدیم ہوتا ہے اور اس اعتبار سے جمیع موجودات علم الٰہی میں قدیم ہے)۔

شیخ یوسف بن اسماعیل النبھانی، جواہر البحار۔ جلد۳، صفحہ۲۶۰ میں فرماتے ہیں : فان اللّٰہ تعالیٰ لما اوجد حقیقۃ ﷺ قال لہ اعطیتك اسمائی وصفاتی فمن راك رانی ومن علمك علمنی ومن جھلك جھلنی ۔(پس بے شک جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی حقیقت کو ایجاد کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو اسماء وصفات عطا کیے۔ پس جس نے آپ کو دیکھا، اُس نے مجھ کو دیکھا۔ جس نے آپ کو جانا، اس نے مجھ کو جانا اور جو آپ سے جاہل رہا، وہ مجھ سے جاہل رہا۔

مرتبہ سوم ، تعینِ ثانی : وحدیت

حضرت ابوسعید مبارکؒ۔ تحفہ مرسلہ شریف صفحہ۲۹ پر فرماتے ہیں : والمرتبۃ الثالثہ مرتبۃ التعین الثانی وھی عبارۃ عن علمہ تعالیٰ لذاتہ وصفاتہ وبجمیع الموجودات علیٰ طریق التفصیل وامتیاز بعضھا عن بعض وھذہ المرتبۃ تسمیٰ بالواحدیت والحقیقۃ الانسانیہ ۔ (اور تیسرا مرتبہ تعینِ ثانی کا ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات اور صفات اور تمام موجودات کا تفصیلی طور پر اور ایک دوسرے میں فرق کرنے کا علم ہے اور اس مرتبے کا نام وحدیت اور حقیقتِ انسانیہ رکھا جاتا ہے۔

مرتبہ چہارم ، تعینِ سوم : روح

حضرت ابوسعید مبارکؒ تحفہ مرسلہ شریف، صفحہ۳۴ پر فرماتے ہیں : والمرتبۃ الرابع مرتبۃ الارواح وھی عبارۃ عن الاشیاء الکونیہ المجردۃ البسیطۃ التی ظھرت علی ذواتھا وعلی امثالھا ۔(اور چوتھا مرتبہ ارواح کا مرتبہ ہے اور اس سے مراد عالمِ دنیا کی چیزیں ہیں جو مجرد ہیں، بسیط ہیں، جو اپنی ذاتوں اور شکلوں پر ظاہر ہوئی ہیں۔)

مرتبہ پنجم ، تعینِ چہارم : عالمِ مثال

حضرت ابوسعید مبارکؒ تحفہ مرسلہ شریف، صفحہ۴۰ پر فرماتے ہیں : والمرتبۃ الخامس عالم المثال وھی عبارۃ عن الاشیاء الکونیہ المرکبہ اللطفیۃ التی لا تقبل التجزی ولا التبعیض ولا الخرق ولا التیام ۔ (پانچواں مرتبہ عالمِ مثال کا ہے اور اس سے مراد اشیاء کونیہ، مرکبہ، لطیفہ ہیں جو نہ ٹکڑے ٹکڑے ہونے اور پھٹنے اور جڑنے کو قبول کرتی ہیں۔

مرتبہ ششم ، تعینِ پنجم : عالم اجسام

۔حضرت ابوسعید مبارکؒ تحفہ مرسلہ شریف ،صفحہ ۴۵ پر فرماتے ہیں : والمرتبة السادسة مرتبة عالم الاجسام وھی عبارة عن الاشیاء المکونیة المرتبة الکثیفة التی یقبل التجزی و التبعیض ۔ (اور چھٹا مرتبہ عالمِ اجسام کا ہے اور اس سے مراد اشیاء کونیہ، کثیفیہ ہیں جو ٹکڑے ٹکڑے ہونے کو اور جدا جدا ہونے کو قبول کرتی ہیں ۔)

مرتبہ ھفتم : جامعیت

۔حضرت ابوسعید مبارکؒ تحفہ مرسلہ شریف ،صفحہ ۴۹ پر فرماتے ہیں : والمرتبة السابعة الجامعیة مرتبة الجامعیة لجمیع المراتب المذکور الجسمانیة الروحانیة والواحدة وھوالتجلی الاخیرة ولباس الاجارة ۔وھی الانسان ۔ (اور ساتواں مرتبہ ان تمام مراتب مذکورہ جسمانیہ ،نورانیہ ،وحدت ،واحدیت کا مرتبہ جامعیت ہے ،وہ پچھلی تجلی اور لباس ہے اور اس کا نام انسان ہے ۔

(انسانِ کامل ان تمام مراتب کا جامع ہے ۔جب وہ عروج کرتا ہے تو اس میں تمام مراتب مذکورہ اپنے پھیلاؤ کے ساتھ ظاہر ہو جاتے ہیں اور اس کو انسانِ کامل کہا جاتا ہے ۔

باب ۱۱

بیانِ وسیلہ شیخِ کامل

یا یھا الذین امنو اتقو اللّٰہ وابتغو ا الیہ الوسیلۃ وجاھدو فی سبیلہ لعلکم تفلحون

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈو طرف اس کے وسیلہ اور محنت کرو بیچ راہ اس کی کہ تم فلاح پاؤ

دیو بندیوں اور وہابیوں کے امام مولوی اسماعیل دہلوی ''صراطِ مستقیم، صفحہ ۵۰، سطر ۹ (مطبوعہ مجتبائی دہلوی) میں کہتے ہیں : بے شک مرشد اللہ تعالیٰ کے راستے کا وسیلہ ہے۔ اہلِ سلوک اس آیت کو سلوک کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں اور وسیلہ ہر مرشد کو جانتے ہیں۔ پس حقیقی نجات کیلئے مجاہدہ سے پہلے مرشد کا ڈھونڈنا ضروری ہے اور سنت اللہ بھی اسی طرز پر جاری ہے۔ اسی واسطے کہ رہبر کے سوا رستہ پالینا نہایت نادر اور کمیاب ہے۔ اور ایسی ہی بات مولوی اسماعیل ''منصبِ امامت'' صفحہ ۵۷ میں کہتے ہیں : وسیلہ سے مراد وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو۔

شاہ ولی اللہؒ ''قول الجمیل'' صفحہ ۲۱ میں فرماتے ہیں : وسیلہ سے مراد ارادت اور بیعت مرشد کی ہے۔ پھر اس کے بعد مجاہدہ اور ریاضت ہے۔ معلوم ہوا کہ شیخ کامل خدا تعالیٰ خدا تعالیٰ کی پہچان کا وسیلہ ہے۔ یعنی وہ بے صورت ذات بغیر صورت کے نظر نہیں آسکتی۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں : من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ۔ یعنی جو مرا، اور اس کی گردن میں بیعت نہیں، یعنی کسی سے بیعت نہیں کی، تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (مشکوٰۃ شریف۔ صفحہ ۳۲۰)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے : یا ایھا الذین امنو اتقو اللّٰہ و کونو مع الصدقین ۔ (اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور ہو جاؤ ساتھ سچوں کے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اولیائے کرام کی صحبت میں رہنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے جب ان لوگوں سے محبت ہو جاتی ہے تو اس کے دونوں کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، دونوں آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ دونوں ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور دونوں پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ (بخاری شریف۔ جلد ۲، صفحہ ۹۶۳، سطر ۲، مطبوعہ دہلی)

اسی حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے امام فخر الدین رازیؒ تفسیرِ کبیر، صفحہ ۶۸۷، مطبوعہ مصر میں فرماتے ہیں : جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو میں اس کے کان اور آنکھ اور زبان اور دل اور ہاتھ اور پاؤں ہو جاتا ہوں۔ وہ مجھ سے سنتا ہے، مجھ سے دیکھتا ہے، مجھ سے بولتا ہے اور مجھ سے چلتا ہے اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان مقربانِ بارگاہِ ایزدی کی آنکھوں، کانوں بلکہ تمام اعضاء میں غیر اللہ کے لئے کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔ اگر یہاں اللہ تعالیٰ کے غیر کیلئے کوئی حصہ باقی رہا ہوتا تو اللہ کبھی یہ نہ فرماتا کہ میں اس کی سمع اور بصر ہو جاتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والے لوگ جو ہیں، وہ خود نہیں رہتے۔ ان میں صرف ذاتِ حق تعالیٰ ہی باقی ہے۔ اب اولیاء اللہ کے اقوال ملاحظہ ہوں جو انہوں نے فرمائے ہیں :۔

☆ حضرت شیخ بھان بقلیؒ تفسیر عرائس البیان، صفحہ ۲۶۲، جلد ۲ سطر ۱۵ میں فرماتے ہیں : فصار ھو ھو اذ غاب الفعل فی الصفة فی الذات ومن ھھنا ادعیٰ الحلاج قدس اللہ روحہ حیث قال انا الحق ۔ پس وہی ذات ہی ذات ہوگیا ۔ جب فعل صفت میں اور صفت ذات میں گم ہوگئی ۔ اس مقام پر منصور نے انا الحق کہا ہے ۔

؎ منصور کے پردے میں خدا بول رہا ہے — وہ راز انا الحق کا یہاں کھول رہا ہے

اور خواجہ غریب نوازؒ نے کس خوبصورت انداز میں اس مقام کا حال طرزِ سخن کیا ہے ۔

من نمی گویم انا الحق یار می گوید بہ گو — چوں نہ گویم چوں مرا دلدار می گوید بہ گو

(دیوانِ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ۔ صفحہ ۵۵)

☆ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے خدا تعالیٰ کو کہاں دیکھا، فرمایا جہاں مجھے اپنا آپ نظر نہ آیا ۔ (مقالاتِ صوفیہ، صفحہ ۷۶)

☆ حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ جو کہ اکابر اولیاء اللہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں : تُو سمجھ کہ جس جگہ تُو ہے، وہ دوزخ ہے اور جس جگہ تُو نہیں ہے، وہ جنت ہے اور فرمایا خدائے تعالیٰ اور بندہ کے درمیان آسمان وزمین، عرش وکرسی حجاب نہیں ہے ۔ پس تُو سمجھ کہ میں خود ہی حجاب ہوں ۔ اگر تُو اپنے آپ کو درمیان سے اٹھادے تو خدا تک پہنچ جائے ۔ (مقالاتِ صوفیہ ۔ صفحہ ۸۶، سطر ۲)

☆ حضرت ابوبکر شبلیؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ تصوف کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تُو نہ رہے ۔ (مقالاتِ صوفیہ ۔ صفحہ ۹۷، سطر ۱۴)

☆ حضرت مولانا رومؒ ''پیر ابن یوسفی شرح مثنوی''، صفحہ ۲۰۹، دفتر ۶ میں فرماتے ہیں:

دو مبیں، دو مخواں، دو مداں — خواجہ مادر خواجہ خود محو داں

چوں جدا بینی زحق ایں خواجہ را — گم کنی ہم متن وہم دیباچہ را

(دو نہ دیکھ اور نہ دو کہہ اور نہ دو جان ۔ خواجہ کو اپنے خواجہ میں فانی سمجھ اور اگر اس خواجہ کو خدا سے جدا دیکھے گا تو متن اور دیباچہ ہی کو گم کردے گا ۔)

یعنی اولیائے کرام جو کہ فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ ہوتے ہیں ۔ ان میں جمال حضور ﷺ اور خدا تعالیٰ کے جمال کا شیخ کی صورت میں مشاہدہ کرتے ہیں ۔ اسی مقام کو حضرت مولانا رومؒ بیان فرماتے ہیں :

چونکہ ذات پیر را کردی قبول — ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

پیر وحق را از حولی ہر کہ دو دید — او مرامریداست در حقیقت نے مرید

(جب تُو نے پیر کی ذات کو قبول کرلیا تو اسی کی ذات میں خدا تعالیٰ اور حضور ﷺ بھی آگئے ۔ اور جس نے اپنے بھینگے پن کی وجہ سے پیرِ کامل اور خدا کو دو دیکھا، وہ درحقیقت مرید ہی نہیں ہے ۔) اور فرماتے ہیں:

تا تو می بینی عزیزاں را بشر — وانکہ میراث ابلیس است آں نظر

گر نہ فرزند ابلیسی اے عنید — پس بتو میراث آں سگ چو رسید

(اگر تُو اللہ والوں کو بشر دیکھتا ہے تو یہ تیری نظر میراثِ ابلیس ہے یعنی شیطان کی نظر ہے ۔ اے سرکش! اگر تُو شیطان کا بیٹا نہیں ہے تو اس کتے کی میراث تجھے کیوں کر پہنچی ۔

☆ حضرت مولانا گل حسن جو کہ حضرت غوث علی شاہ قلندر پانی پتیؒ کے خلیفہ ہیں، وہ فرماتے ہیں : اس کا دیدار ممکن نہیں مگر صاحبِ کمال کی صورت میں کیوں کہ انسانِ کامل ذاتِ حق ہے اور حق تعالیٰ کے کمالات کا مظہر ہے ۔ (تعلیم غوثیہ ۔ صفحہ ۲۰۸، سطر ۳، مطبوعہ دہلی)

بعض بے سمجھ لوگوں کو دھوکا لگ جاتا ہے کہ یہ لوگ پیروں کو خدا مانتے ہیں۔ پیر کو خدا کوئی نہیں کہتا۔ کیونکہ وہ تو رہتے ہی نہیں۔ ان میں صرف ذات ہی ہوتی ہے، وہ ذات ہی کو دیکھتے ہیں۔ کیونکہ ذات کا ہی ظہور ہے۔ وہ ذات صورت میں بھی ظاہر ہے اور بے صورت بھی ہے۔ صاحبِ نظر دیکھتے ہیں اور احوال چشم یعنی بھینگے ان کو بھینگے پن کی بیماری کی وجہ سے برا بھلا اور کفر و شرک کہتے ہیں۔

☆ حضرت خواجہ احمد جامؒ جو کہ بہت بڑے ولی اللہ ہیں، جنکی کرامت مشہور ہے کہ ہاتھی کو زندہ کر دیا تھا، جس کی وجہ سے ان کو زندہ پیل کہا جاتا ہے، وہ فرماتے ہیں :

ذات حق را من ہویدا دیدہ ام — من بصورت ذات حق را دیدہ ام
ہر زمانے شکل دیگر مے شود — صورتِ انساں خدا را دیدہ ام
چو محیط فرقے خودمیاں مازم — ذات او را آشکارہ دیدہ ام
نیست فرقے خودمیاں مازم — زانکہ موج و بحر و یرا دیدہ ام
آشکارا در ہمہ کون و مکاں — صورت ایزد تعالیٰ دیدہ ام
نیست پیدا جز کہ ذات پاک او — ذاتِ او در جملہ اشیاء دیدہ ام
سخت پنہاں از ظہور خویشتن — گاہ پنہاں گاہ پیدا دیدہ ام
بر لباس ما ہویدا احمد است — ذات احمد بہ ایں جا دیدہ ام

(دیوانِ حضرت احمد جام۔ صفحہ ۱۲۱، مطبوعہ نولکشور لکھنو)

☆ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ ملفوظاتِ مہریہ میں فرماتے ہیں : ایک دن کسی مولوی نے حضرت اعلیٰ تونسوی سے پوچھا کہ شعر ذیل میں

چوں مددپیر مرا گشت یار — نیست مرا حاجت آمرزگار

لفظ صحیح آمرزگار ہے یا آموزگار۔ اس اثناء میں عصر کی اذان ہوگئی۔ نماز کے واسطے تشریف لے گئے۔ جب واپس تشریف لائے تو مولوی مذکور نے پھر عرض کیا کیا کہ حضرت! اس صورت میں معنی درست نہیں آتے۔ کیونکہ معنی یہ ہوتا ہے کہ مجھے خدا کی حاجت نہیں رہتی۔ البتہ آموزگار ہو تو صحیح ہے کہ آموزگار بمعنی استاد ہے۔ حضرت اعلیٰ جذبہ و جوش کی حالت میں آ کر فرمانے لگے، جب کہ 'پیر مظہر اتم ہوا'' پھر کونسا خدا تیرا باقی رہ گیا۔ (ملفوظات: ۱۵، صفحہ ۴۰، مطبوعہ گولڑہ شریف، اسلام آباد)۔ مزید فرماتے ہیں کہ

پاک بین از نظر پاک بہ منزل رسید — احول ز چشم دوبین و طمع خام افتاد

(پاک بین اپنی پاک نظری (یعنی عقیدہ صحیح ہونے کی وجہ سے) سے منزل تک پہنچ گیا۔ لیکن احول چشم (بھینگا) اپنے دو دیکھنے کی وجہ سے (یعنی بدعقیدگی کی وجہ سے) اپنی بدعقیدگی پر مزید پختہ ہوگیا ہے۔

☆ تمام اولیائے کرام میں سب سے افضل حضرت سید عبد القادر بن ابی صالحؒ فرماتے ہیں : یجوز رویت اللّٰہ تبارك وتعالیٰ فی صورة البشریة والنورانیة (اللہ تعالیٰ کو بشری اور نورانی صورتوں میں دیکھنا جائز ہے)۔ (سرالاسرار)

☆ علامہ اقبال فرماتے ہیں :

کھولی ہیں ذوقِ دید نے آنکھیں تیری اگر — ہر راہ گذر میں نقشِ کفِ پائے یار دیکھ

اور جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فی انفسکم افلا تبصرون ۔

☆ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی کہتے ہیں : چنانچہ حضرت گنج شکرؒ کے قول میں تصریح ہے کہ اگر خدا تعالیٰ مرا روز قیامت جمال با کمال خود بصورت پیت من جلوہ نمود۔ خواہم دید، والا نہ چشم بداں سونخواہم کشود۔ حضرت بابا فریدؒ نے فرمایا کہ اگر قیامت کے دن خدا تعالیٰ میرے پیر کی صورت کے سوا کسی دوسری صورت میں اپنا جمال با کمال دکھائے گا تو میں اس طرف آنکھ بھی نہ کھولوں گا۔ (بوادر النودر۔ صفحہ ۷۹۵۔ سطر ۲۳۔ مطبوعہ دیوبند)

☆ مولوی اشرف علی تھانوی کہتے ہیں : حضرت سلطان المشائخ کے قول میں سے ہے۔ اگر فردا روز بازپرس جمال حق در نظرم پیر من جلوہ خواہد نمود خواہم دید ولا نہ روئے ازاں جانب خواہم گردانید۔ اگر روز حساب خدا تعالیٰ کا جمال میرے پیر کی صورت میں ہو گا تو دیکھوں گا، ورنہ اس طرف اپنا منہ بھی نہ کروں گا۔ (بوادر النودر۔ صفحہ ۷۹۵۔ سطر ۲۳، مطبوعہ دیوبند) اور مزید فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ محمد صادق کے اس قول میں بلکہ رویت حق تعالیٰ ہم اگر بصورت حضرت پیر دستگیر خواہد شد خواہم دید۔ والا نہ آں را نیز نمی خواہم۔ یعنی بلکہ خدا تعالیٰ کا دیدار بھی اگر حضرت پیر دستگیر کی صورت میں ہوا تو دیکھوں گا ورنہ اسے بالکل نہ چاہوں گا (پھر صفحہ ۷۹۵ میں لکھتے ہیں) ازیں جا معلوم می شود کہ رویت حق سبحانہ تعالیٰ در روز قیامت بہ مریدان صادق را جمال حضرت رسالت پناہ ﷺ و حضرت حق تعالیٰ در آئینہ صورت پیر جلوہ گر است۔ اس جگہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار قیامت کے دن مریدانِ صادق کو حضور ﷺ اور حق تعالیٰ کا دیدار اپنے پیر کی صورت میں ہو گا۔ مزید لکھتے ہیں کہ جب سے انسان کو پیدا کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کی رویت جس کو بھی ہوئی ہے، انسان کی صورت میں ہوئی ہے۔ اور مزید لکھتے ہیں: بلکہ حق کی روریت اسی کو کہتے ہیں جو صورتِ شیخ میں ہو۔ اور اس صورت کے غیر میں جو رویت ہو اس کو رویت ہی نہیں کہتے۔ (بوادر النوادر۔ صفحہ ۷۹۶، جلد ۲، سطر ۱۰، مطبوعہ دیوبند)

معلوم ہوا کہ تمام اولیائے کرام صورت شیخ میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتے ہیں حالانکہ محبتِ پیر کی وجہ سے پیر کامل کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اب اگر اس کے باوجود اگر کوئی نہ سمجھے تو اس کا جواب علامہ اقبال یوں دیتے ہیں :

بیاں میں نقطۂ توحید آ تو سکتا ہے	تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے
عقل و دل دماغ کا مرشدِ اولیں ہے عشق	عشق نہ ہو تو شرع و دیں ہے بتکدۂ تصورات

☆ اشرف علی تھانوی کہتے ہیں : کہ اثنائے سبق مثنوی معنوی میں فرمایا کہ منیٰ میں ایک فقیر حجاز کا منہ تکتا پھرتا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ شاہ صاحب! کیا دیکھتے ہو۔ جواب دیا، خدا کو دیکھتا ہوں۔ (حضرت صاحب یعنی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی جو کہ اشرف علی تھانوی کے پیر و مرشد ہیں، نے فرمایا کہ حضرت حق، صورت و شکل سے پاک ہے۔ اس کی صورت اگر ہے تو یہی انسانِ کامل ہے۔ (امداد المشتاق، صفحہ ۱۳۳، سطر ۳، مصنف: اشرف علی تھانوی، مطبوعہ دیوبند))

☆ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں : صورت مرشد کہ ظاہر دیدہ می شود مشاہدہ حق سبحانہ وتعالیٰ است در پردہ آب و گل۔ صورت مرشد کہ ظاہر دیکھی جاتی ہے، مشاہدہ حق سبحانہ تعالیٰ کا ہے۔ پانی و مٹی کے پردے ہیں اور پھر مزید فرماتے ہیں :

گر تجلی ذات خواہی صورت انساں بہ بیں !!	ذات حق را آشکارہ اندروخنداں بہ بیں !!

☆ امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر۔ صفحہ ۳۱۸، جلد ۲، مطبوعہ مصر میں فرماتے ہیں : اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا تو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سجدہ کیا تو وہ سجدہ حضور ﷺ کے نور مبارک کو کیا گیا تھا۔ ان الملکۃ امرو بالسجود لآدم لاجل ان نور محمد ﷺ ۔

☆ اشرف علی تھانوی کہتے ہیں : ممکن ہے مسجود حق تعالیٰ ہوں اور وہ بزرگ جہت سجدہ ہوں۔ جیسے سجدہ الی الکعبہ میں مسجود حضرتِ حق ہیں اور کعبہ جہت سجدہ۔ جیسا بعض مفسرین نے سجدہ ملائکہ لادم میں کہا ہے۔ اور فرماتے ہیں :

قسم بقبلہ روئے تو یا رسول اللہ!! روا است سجدہ بہ سوئے تو یا رسول اللہ

(یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے روئے مبارک کے قبلہ کی قسم آپ کی طرف منہ کر کے سجدہ کرنا جائز ہے۔)

☆ تفسیرِ روح البیان میں سورہ احقاف کے ضمن میں، صفحہ ۴۷۱، جلد ۸، سطر ۲۳، یکے راز صالحان برادرے وفات کردہ بود اور ادرخواب دیدہ پرسید کہ حق تعالیٰ باتو چہ کرد۔ گفت مرا دبہشت آوردہ اس میخورم۔ ومی آشامم ونکاح میکنم۔ گفت ازیں معنی نمی پرسم۔ دیدار پروردگار دیدی یا نہ؟ گفت فی کسے کہ آن جا اورا نشاختہ است، این جا اورا نمی بیند۔ آں عزیز چوں بیدار شد بر بہیمہ خود سوار شد۔ وپیش شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر آمد در اشبیلہ وایں خواب را باز گفت۔ ملازمت خدمت او کرد۔ یعنی تفسیر روح البیان میں ہے کہ ایک شخص کا بھائی مر گیا۔ جب خواب میں اس کو ملا تو پوچھا۔ کیا حال ہے۔ کہا خدا کا شکر ہے۔ ہر طرح کا آرام نصیب ہے۔ پینے کو دودھ، شہد اور شربت مہیا ہیں۔ کھانے میں ہر قسم کے پھل اور کھانے تیار ملتے ہیں۔ حوریں اور غلمان خدمت کیلئے ہیں۔ کوئی دکھ اور بیماری نہیں۔ اس نے کہا، میں یہ نہیں پوچھتا۔ میرا مطلب ہے کہ کیا دیدارِ الٰہی سے بھی مشرف ہوئے یا نہیں؟ اس نے کہا کہ خدا کو تو نہیں دیکھا کیونکہ خدا کو یہاں وہی دیکھ سکتا ہے جس نے عالمِ دنیا میں اس کو دیکھا ہو۔ جب وہ شخص بیدار ہوا تو حضرت محی الدین ابنِ عربیؒ کی خدمت میں، جو اس زمانہ میں یکتائے وقت تھے، جا کر قصہ عرض کیا اور آپ کی صحبت بابرکت میں رہ کر فیضیاب ہوا۔

☆ ارشادِ خداوندی ہے: ومن كان في هذه اعمىٰ فهو في الآخرة اعمىٰ (بنی اسرائیل) (جو کوئی اس دنیا میں اندھا ہے، وہ قیامت کو بھی اندھا ہوگا)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں: رايت ربي عز و جل في احسن صورة ـ ـ ـ الخ (میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا)

☆ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ان تعبدالله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك (تم اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر ایسے نہ ہو تو سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔)

اگر اللہ تعالیٰ کا دیدار محال ہوتا تو حضور ﷺ ہرگز ایسا نہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اسے دیکھ کر کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا دیدار دنیا میں ہو سکتا ہے۔

☆ مولانا روم فرماتے ہیں:

ہر کوئے یار در دنیا نہ دید در قیامت کے تو اندائے مرید

☆ حضرت سید بن ابی صالحؒ فرماتے ہیں: کقول علی کرم الله وجهه لم اعبد ربا لم اراه (حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کو دیکھے بغیر اس کی عبادت نہیں کرتا)۔

☆ سید علی ہجویری (داتا گنج بخش) کشف المحجوب، صفحہ ۲۶۰ میں لکھتے ہیں: پس مشاہدہ اندر دنیا چوں رویت بود اندر عقبی۔ چوں باتفاق و اجماع جملہ اصحاب اندر عقبی رویت روا بود۔ پس اندر تیز مشاہدات روا بود پس فرق نباشد میاں۔ (پس مشاہدہ حق تعالیٰ دنیا کے اندر ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ آخرت میں رویت حق۔ جب تمام اصحاب کے اجماع واتفاق سے آخرت میں روا ہے تو دنیا میں بھی مشاہدہ حق روا ہوگا۔ پس اس کے درمیان کچھ فرق نہیں۔ اور صفحہ ۲۵۸ میں لکھتے ہیں: شبلیؒ سے منقول ہے کہ ما رايت شيئا قط الا الله (میں نے بالکل کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر اللہ کو دیکھا)۔

سید علی بن عثمان ہجویریؒ کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دنیا میں جائز ہے اور جب دنیا میں جائز ہے تو کیا بے صورت نظر آئے گا۔ لیکن بے صورتی نظر نہیں آتی اور کائنات سے جدا اسکی صورت ہی نہیں ہے۔ وہ صفتِ تنزیہہ ہے جو کبھی نظر نہیں آسکتی۔ تو پھر نظر علیہ آئے گا تو معلوم ہوا کہ کائنات ہی اس کی صورت ہے۔ اس میں وہ جلوہ گر ہے۔ اس لئے تمام بزرگوں نے کائنات کی صورت میں دیکھا۔ بلکہ کائنات کی نفی کر کے

اس کو دیکھا، نہ کہ کسی چیز کو۔ اور شیخ الاکبر کا بھی یہی قول ہے : انه صورة کل شیٔ و عین کل شیٔ

☆ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ''اشعۃ اللمعات'' جلد۴، صفحہ۴۲۴، سطر۱۲، مطبوعہ لکھنو، میں لکھتے ہیں : بدانکہ رویت حق تعالیٰ جائز است یعنی کہ حق تعالیٰ کا دیدار جائز ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام اولیائے کرام اور علمائے کرام بھی دنیا میں رویت باری تعالیٰ کے قائل ہیں۔ اور یہ نہیں کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کائنات سے جدا کسی صورت و شکل میں مقید ہے۔ خدا تعالیٰ کو علیحدہ کسی صورت میں مقید جاننا گمراہی اور بے دینی ہے۔ وہ کسی صورت میں مقید نہیں۔ کائنات سے جدا اس کی صفتِ تنزیہی ہے جو بے صورتی ہے اور نظر نہیں آسکتی۔ اگر کائنات سے جدا تلاش کرے تو ہرگز بے صورتی نظر نہیں آسکتی۔ بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ ہی مظہرِ خداوندی ہے۔ وہ اسی میں ظاہر و نمایاں ہے۔ جس نے بھی دیکھا، کائنات کے ذرہ ذرہ میں ہی اس کا جلوہ دیکھا۔

☆ حضرت علیؓ فرماتے ہیں : عرفت ربی بعین ربی۔ رایت ربی بربی

☆ حضرت ابوحنیفہ فرماتے ہیں : مجھے اس نعمت (خدا تعالیٰ کا دیدار) کا سو مرتبہ شرف حاصل ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ علمائے کرام اور اولیائے کرام سے اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں ثابت ہے۔

☆ اشرف علی تھانوی امداد المشتاق، صفحہ۷۵ میں لکھتے ہیں : اس عالم میں بھی رویت حق تعالیٰ ہوتی ہے۔ اور لکھتے ہیں کہ : مولانا اشرف نے استفسار فرمایا کہ رویت حق تعالیٰ اس عالم میں ممکن ہے یا نہیں ؟ فرمایا ممکن ہے۔ معنی آیت لا تدرکه الابصار وهو یدرك الابصار کے یہ ہیں کہ اس بصارت ظاہری پر باطنی بصارت غالب آتی ہے، پس عارف حقیقت میں نظرِ بصیرت سے دیکھتا ہے۔ پھر مولانا نے (صفحہ۵۱) استفسار فرمایا کہ لن ترانی حضرت موسیٰ سے کیا گیا۔ ارشاد فرمایا کہ اس میں نفی رویت ہے حضرت موسیٰ سے۔ اور یہ درست ہے کہ عارف دیکھتا ہے مگر آنکھ سے نہیں، بلکہ دیدہ حق سے

۔

☆ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں : جب سے انسان پیدا کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کی رویت جس کو بھی ہوئی ہے، انسان کی صورت میں ہوئی ہے۔

☆ حضرت مجدد الف ثانیؒ ''مکتوبات دفتر اول، صفحہ۳۱۴، سطر۶، مطبوعہ لکھنو، میں فرماتے ہیں : معنی عبارت انا الحق نہ آنست کہ من حقم بلکہ آنست کہ من نیستم موجود حق است۔ (انا الحق کا مطلب یہ نہیں کہ میں اللہ ہوں بلکہ یہ ہے کہ میں نہیں ہوں، حق تعالیٰ موجود ہے۔) اور فرماتے ہیں : اللہ والے لوگ فناء بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں، اپنے آپ میں دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں، اپنے آپ میں پہچانتے ہیں۔ ان کی حیرت ان کے وجود میں ہے۔ وفی انفسکم افلا تبصرون ۔

نوٹ : تحفہ مرسلہ شریف کے متعلق یہ خیال شہرت پائے ہوئے ہے کہ یہ تصنیف حضرت ابوسعید مبارک قدس سرہ العزیز نے حضور غوث پاکؒ کیلئے تحریر فرمائی ہے۔

لیکن درحقیقت تحفہ مرسلہ شریف کے مصنف حیدرآباد دکن میں مدفون ہیں اور ان کا نام بھی ابوسعید مبارک ہے ۔ (فقیر بابر سلطان)

باب ۱۲

اہم الفاظ کی تشریح

عین ثابتہ

آئینہ عالم جو کہ علمِ الٰہی میں قبل تخلیقِ عالم موجود تھا، اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ یعنی وہ حقیقت جو علمِ الٰہی میں موجود مگر خارج میں معدوم ہے۔

اعیانِ ثابتہ اور اعیانِ خارجہ

اسماءِ الٰہی جن صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں، انہیں مظاہرِ اسماء کہتے ہیں۔ وہ صورتیں یا وہ مظاہر جن میں اسمائے الٰہی علمِ الٰہی میں ظاہر ہوتے ہیں، ان کو اعیانِ ثابتہ یا صُورِ (صورت کی جمع) علمی کہتے ہیں۔ اور وہ مظاہر جو خارج میں ظاہر ہوتے ہیں، ان کو اعیانِ خارجہ یا اعیانِ ممکنات اور وجودِ عینی اور عالمِ شہادت کہتے ہیں۔

تفکر

علم حاصل کرنے کے ۲ طریقے ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ظاہری طریقہ تو وہی معمولی طالب علمی کا ہے جو بہت عام ہے۔ باطنی طریقہ مراقبہ اور تفکر کا ہے۔ مراقبہ اسے کہتے ہیں کہ دل کو دوسرے خیالات سے ہٹا کر ایک ہی خیال پر جما دیا جائے اور اسی خیال کے اندر فکر میں منہمک ہو جائے۔ تفکر یہ ہے کہ نفس ان علوم کو جو کہ سالک سے مخفی ہیں، مدت اور حیلہ اور آلہ کے ساتھ تلاش کرے۔ تفکر میں غور و خوض اور طبیعت پر زور ڈال کر کوئی بات معلوم کی جاتی ہے۔

قاف : حقیقتِ انسانی

کوہِ قاف کے متعلق عام طور پر یہ خیال شہرت پائے ہوئے ہے کہ وہ بوجہ اپنی بزرگی کے اور بلحاظ اپنی برکات کے تمام عالم کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ سیمرغ کا مسکن ہے۔

حقیقتِ انسانی کی شناخت سے ذاتِ مطلق تک رسائی ہوتی ہے۔ ذاتِ مطلق کی جانب سیمرغ سے کنایہ کیا جاتا ہے کیونکہ قلبِ مومن جو کہ کوہِ قاف حقیقتِ انسانی ہے، ذاتِ مطلق یعنی سیمرغ کا عرش ہے۔

امر و خلق

وہ عالم جو کہ موجد سے امر سے دفعتاً بے مادہ و مدت کے موجود ہو گیا، عالمِ امر ہے۔ برعکس عالمِ خلق کے، جو مادہ اور مدت کے ساتھ مقید ہے۔ (یعنی عالمِ غیب اور عالمِ شہادت)

روسیاھی

یہ وہ بلند مقام ہے جہاں سالک دونوں جہان یعنی دنیا و آخرت سے بے تعلق ہو جاتا ہے اور یہ دونوں جہان اس کے لئے تاریک ہو جاتے ہیں۔ اس کو فقرِ حقیقی کہتے ہیں۔ یعنی روسیاہی کنایہ ہے۔ افقر سواد الوجہ فی الدارین ۔

تجلی

ذات و اسماء و افعال الٰہی کا کسی پر پھینکا جانا تجلی کے نام سے موسوم ہے۔

تجلیٔ شھودی

یعنی جمادی، نباتی، حیوانی، کسی پر بھی جب تجلی نظر آتی ہے تو اس کو تجلی شہودی کہتے ہیں۔

مَیل

اپنی اصل کی جانب شعور و آگاہی کے ساتھ رجوع ہونا

جا بلقا

وہ عالمِ مثالی جہاں ارواح اس دنیا میں آنے سے پہلے ہوتی ہیں۔

جا بلسا

یعنی عالمِ برزخ جہاں ارواح مرنے کے بعد ہوتی ہیں

باز گشت

جب ذاکر قلب یا زبان سے نفی اثبات کرے تو ہر بار اپنے دل میں یہ مناجات کرے ''الٰہی! مقصود میرا تُو ہے اور تیری رضا مقصود ہے۔ تیرے ہی لیے میں نے دنیا و آخرت کو ترک کیا ہے۔ تو اپنی نعمتیں عطا فرما۔

تجرید

یعنی اللہ کے سوا ہر چیز سے اعراض اور معاوضہ اور اجرت اور انعام کی تمنا سے اپنے باطن کو مجرد کر لینا

نایافت

جمع حضور یعنی نسبتِ خالقیت کا پرتو مخلوق پر

سکینہ

نورِطمانیت جوحق تعالیٰ کی جانب سے قلبِ سالک پر وارد ہوتا ہے اور سکون واطمینان کا باعث بنتا ہے اور پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔عین الیقین کا (ھوالذی انزل السکینة فی قلوب المومنین میز دادو ایمانا مع ایمانھم)وہی اللہ ہےجس نے نازل فرمائی تسکین بیچ ایمان والوں کے دلوں کے ،تا کہ بڑھ جائیں ایمان میں ساتھ اپنے ایمان کے ۔(الفتح ۔۴۸:۴)

نور

اللہ نور السموات والارض

اللہ تعالیٰ نے اپنے نورِ وجود سے آسمانوں اور زمین کو(اشراق)منور فرمایا۔اس کے بعد جوحجابات اس کے اور اُن کے درمیان تھے، انہیں وہ اٹھا چکا تھا۔حجابات کے اٹھا دینے سے مراد یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے،اُن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا نور قبول کرنے کی صلاحیت پیدا فرما دی۔جس طرح کہ آئینہ میں صیقل کردینے سے صورتوں کے قبول کرنے کی اُس میں صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔اللہ کے نور(روشنی) کے، عالم میں ہونے کی مثال ایسے ہے جیسے کہ روحِ بدنِ انسانی میں ۔بدنِ انسانی میں مصباح یعنی روح ہے۔یہ روح قلب یعنی زجاجہ(طاق) میں ہے۔شجرہ مبارکہ سے نفسِ انسانی کی طرف اشارہ ہے اور زیتونہ سے انواع واقسام کے فیوض قبول کرنے کی قابلیت ۔لاشرقیہ سے اشارہ ہے عالمِ مجربات کی جانب اور نیز یہ کہ اُس میں کمالات بالفعل ہیں اور لاغربیہ سے اشارہ ہے۔وہ اجسام کثیفیہ ظلمانیہ میں سے نہیں زیتھا یضیٓ سے اشارہ ہے کہ اس میں خود ہی چمک اٹھنے کی استعداد موجود ہے(صرف مجاہدے کی ضرورت ہے) ولو لم تمسہ نار یعنی اگر چہ حرارتِ غریزہ(طبعی ۔فطری) کا روحِ انسانی کے ساتھ کوئی مدبرانہ تعلق نہ ہونور علیٰ نور سے وہ نور مراد ہے جو اس نورِانسانی کے اوپر فوقیت لیے ہوئے ہے اور وہ نورِ الٰہی ہے۔

پاسِ انفاس

اس کا پہلا طریقہ یہ ہے سانس لیتے ہوئے الا اللّٰہ اور سانس باہر کرتے ہوئے لا الہ کہے۔سانس لیتے اور باہر کرتے وقت نظر ناف پر کھے اور زبان کو تالوسے لگالے۔

اس کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سانس لیتے ہوئے اللہ اور سانس باہر کرتے ہوئے ھُو کہے۔سانس لیتے اور باہر کرتے وقت نظر ناف پر رکھے۔اور زبان کو تالو سے لگالے۔اس شغل کو اصطلاحاً ''جاروبِ قلب'' کہتے ہیں۔

شغل و ذکر : نفی اثبات

اس کا طریقہ یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے زبان کو تالوسے لگا کر سانس کوناف کے نیچے سے لا کہتے ہوئے کھینچے اور ام الدماغ میں روکے اور پھر الہ کہتے ہوئے دائیں کندھے پر لے کر آئے اور پھر الا اللّٰہ کی زوردار ضرب قلب پر لگائے۔پہلے دن پانچ یا سات مرتبہ کرے اور جب سانس کو خارج کرے تو محمد الرسول اللہ کہے۔واضح ہو کہ یہ سب خیال میں کرنا اور جب سانس کو دماغ، کندھے اور قلب پر ضرب لگائے تو ایک نور کی شکل میں تصور کرے

یعنی سانس کو۔

شغلِ معیت

وھومعکم اینما کنتم (وہ تمہارے ساتھ ہے، جہاں کہیں تم ہوتے ہو) کے معنی کے ساتھ تصور کرے اور اتنا منہمک ہو جائے کہ بعد کا خیال تک نہ رہے۔

شغلِ اکبر

تصورِ شیخ یا سلطاناً نصیراً اور سلطاناً محموداً کو کہتے ہیں۔

سلطاناً نصیراً

خواجہ معین الدین چشتیؒ سے روایت ہے کہ اس شغل کے بہت سے فوائد ہیں۔ خصوصاً خطرات کے انسداد میں عجیب وغریب تاثیر رکھتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ صبح و شام قبلہ کی طرف منہ کر کے دوزانو بیٹھے اور دونوں آنکھیں یا ایک بند کر کے دوسری آنکھ سے نتھنے پر نظر ڈالے اور پلک جھپکے بغیر جس طرح کہ شمع بنی کرتے ہیں، دیکھے اور غیر معین نور کا تصور کرے۔ اس شغل کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شاغل کو اپنا چہرہ نظر آنے لگتا ہے۔

سلطاناً محموداً

جس طرح شغل سلطاناً نصیراً میں نظر نتھنوں پر رکھتے ہیں، اسی طرح اس شغل میں نظر دونوں بھوؤں کے بیچ میں رکھتے ہیں۔ اس شغل کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شاغل کو اپنا سَر نظر آنے لگتا ہے اور جب سَر نظر آنے لگتا ہے تو پھر وہ عالمِ بالا کے حالات سے مطلع ہو جاتا ہے۔

شغلِ اکبر کا طریقۂ قادریہ (یعنی برزخ اکبر کا شغل)

اس کے چند طریقے ہیں :

اول حبس دم کر کے دونوں ابروؤں کے درمیان نظر رکھے

دوم حبس دم کر کے نظر ہوا میں رکھے (یعنی ام الدماغ)

سوم حبس دم کر کے داہنی آنکھ کھلی رکھ (واضح ہو کہ بائیں آنکھ بند ہو گی) کرناک کے داہنے نتھنے پر نظر رکھے۔ وجودِ مطلق کا نور تصور کرے تا کہ وہ نور ظاہر ہو اور فنائے حقیقی حاصل ہو۔ مگر اس عمل میں پلک نہ جھپکنا ہی شرط ہے۔

شغلِ اندراج

اس کو اسمِ ذات کا شغل بھی کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کاغذ پر قلبِ صنوبری کی سرخ یا نیلے رنگ کی تصویر کھینچ کر اس پر اللہ کو سونے کے پانی سے لکھ کر اس پر نظر رکھے، یہاں تک کہ یہ نام دل پر نقش ہو جائے یا لفظ اللہ کی صورت دل پر لکھے اور اس کی طرف متوجہ رہے۔ تا کہ اس کے حواس سے غیب

ظاہر ہو۔

طریقہ: تصور کو قلم سے، آفتاب کو دوات سمجھتے ہوئے اس میں ڈبو کر لکھے۔ اب ارشادِ مرشد پر منحصر ہے کہ وہ سالک کو فضائے غیب یعنی فلک اطلس پر لکھنے کو کہتا ہے یا پلکوں کے درمیان سے (لطیفہ خفی) یا ام الدماغ (لطیفہ اخفیٰ) کے درمیان سے۔

شغلِ انہد یعنی صوتِ سرمدی یا صلصلۃ الجرس

اس طرح ہوتا ہے کہ ایک ظاہری عالم سے بندے پر ایک ربودگی سی چھا جاتی ہے تا کہ وہ حقیقتِ قادریہ سے متحقق ہو۔ یہ انکشافِ صفتِ قادریت عالمِ بالا سے تعلق رکھتا ہے جو ہر وقت اور ہر جگہ جاری و ساری رہتا ہے اور باطنی سماعت کے ذریعے سننے میں آتا ہے۔

روایت ہے کہ حکیم افلاطون نے حضرت موسیٰ ؑ سے کہا کہ اے بیوہ کے بیٹے! کیا تم جو کہتے ہو کہ میرا پروردگار مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے، حالانکہ وہ جہت سے منزہ ہے۔ موسیٰ ؑ نے فرمایا، ہاں میں ہوں یہ دعویٰ کرنیوالا اور میں تمام جہات (اطراف) سے آواز سنتا ہوں جو انقطاع (قطع) اور حرکتِ حروف سے منزہ اور پاک ہے۔ یہ سن کر افلاطون نے حضرت موسیٰ ؑ کی رسالت کا اقرار کیا اور ان پر ایمان لے آیا۔ اسی طرح جب ہمارے آقا ﷺ سے نزولِ وحی کی کیفیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، مجھے ایسی آوازیں سنائی دیتی ہیں جو کبھی دیگ کے جوش کی مانند ہوتی ہیں، کبھی شہد کی مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ کی طرح، اور کسی وقت فرشتہ آدمی کی شکل میں متصور ہو کر مجھ سے بات کرتا ہے اور بعض اوقات گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حافظ شیرازیؒ یوں فرماتے ہیں:

کس ندانست کہ منزل دل دار کجا است   این قدر ہست کہ بانگِ جرس می آید

(کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ دوست کا مقام کہاں ہے، بس یہی ہے کہ گھنٹی کی آواز سنتے ہیں)

ابتداء میں گھنٹی کی سی جھنکار کی مانند اس کو ایک آواز آنے لگتی ہے، پھر بعض حقائق کے آپس میں ٹکرانے سے گھونگھرو کی آواز سنتا ہے۔

طریقہ: کسی پرسکون جگہ جہاں شور نہ ہو موم وہاں بیٹھ کر ذہن کو تمام خیالات سے تہی کر کے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لے۔ پہلے تو ہوا کے دباؤ کی آواز آئے گی لیکن جب اس دباؤ کے پسِ پردہ کیا جائے تو ایسا لگے گا کہ جیسے لاتعداد جھینگر آوازیں نکال رہے ہیں۔ پس ان آوازوں پر غور کرنا ہے۔ کچھ مشق کے بعد یہ آوازیں غائب ہو جائیں گی اور گھونگرو کی آواز آئے گی۔

شغلِ تنزیہہ

وراء الوراء ہستی کی طرف توجہ کرنے کو کہتے ہیں۔

فرہنگ

تصوفانہ معنی یا اصطلاح	معنی	الفاظ
قرآن مجید کی سورۃ کا نام ۔ دوزخ اور بہشت کے درمیان کا مقام		اعراف
	نسبت یا لگاؤ	اضافت
	بلندی یا ابھار	ارتفاع
	ابتداء	بدائت
	شمار کرنا	احصاء
	حق کا غالب ہونا	استیلائے حق
	فاصلہ یا دوری	بعد
	خالص ہونا	بحت
	ہمیشہ قائم رہنے والی	جاودانی
	فاصلہ طے کرنا	جرم
ایک جگہ پر قرار پکڑ لینا اور اپنی حالت کو اتنا مضبوط کر لینا کہ جمعیتِ تامہ حاصل ہو جائے یعنی اپنے جمع ہونے کو درجہِ کمال تک پہنچا دینا ۔ جب سالک جمع کے درجہ کمال تک پہنچ جاتا ہے تو اس میں قبولیت پیدا ہو جاتی ہے ۔ یعنی جس چیز یا ذات میں جمع ہوتا جاتا ہے ۔ اسی ذات کا مظہر بن جاتا ہے یعنی اسمِ با مسمیٰ بن جاتا ، اس کو قبول کہتے ہیں ۔ اس کے علاوہ صرف جمع ''عالمِ جبروت'' یا تعین ثانی کہتے ہیں ۔		جمع قبول
	مانند	چوں
	صورت	چگوں
	دو سمجھنا یعنی غیریت	دوئی
	ہمیشہ	دوام

ھویت	نام ونشان، شناخت	
ھیولیٰ	خاکہ یا سایہ	وہ چیز جس میں اشیاء کی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں، اور وہ نفس الرحمان ہے
وصی	یعنی منتظم یا مہتمم	
طول	لمبائی	
طبیعت	فطرت، خو	
یگانہ	واحد، بے نظیر	
کُنہ	حقیقت۔عربی میں مجازاً نکتے کیلئے بولا جاتا ہے۔	
پنبہ	کپاس، روئی کا بیج	
لمعہ	چمک یا روشنی	
متعال	حاضر	
مورد	ٹھہرنے کی جگہ	
مطلق	آزاد	
مھبط	اترنے کی جگہ	
معتد	شمار کیا گیا۔گنا گیا	
مستحضر	حاضر	
منفصل	جدا ہونے والا	
مقتضات	تقاضہ	
ملکیت	فرشتہ	
محدث	جدید	
مَردُمک	پتلی	
موہوم	قیاسی	

معتزلہ	ایک فرقہ، جس کے نزدیک قرآن مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید عقلاً معلوم ہوسکتی ہے۔ اس لئے بغیر وحی ہی اہلِ عقل و حکمت توحید پر ایمان لا سکتے ہیں۔ مامون رشید کے دور میں یہ سرکاری مذہب بن گیا تھا۔	
نفس	کسی چیز کی ذات کو اس کا نفس کہتے ہیں اور روح کی اس جہت کو کہتے ہیں جس کا تعلق بدن اور بدن کی تدبیر سے ہوتا ہے۔	نفس کی حقیقت روح اور روح کی حقیقت حق تعالیٰ ہے۔
سیمرغ	ایک خیالی پرندہ، جس کا وطن کوہِ قاف بتایا جاتا ہے	تصوف میں عقلِ کُل کو کہتے ہیں۔
مبداء	پیدائش	
سَریان	گھلا ملا	ایک نسبت کا نام جسے لذتِ سریانیہ بھی کہتے ہیں
عشوہ	ناز و ادا	
عرض	وہ چیز جو کسی دوسری وجہ سے قائم ہو یعنی جوہر کی ضد	
عمق	گہرائی	
صرَف	خرچ کرنا یا پھیرنا	
صیقل	ایسی صفائی کہ جیسے آئینہ میں شکل نظر آئے یعنی ایسی چمک جو کہ سان یعنی ریت پھیرنے سے آتی ہے	
قرب اور بعد	نزدیک اور دور	
شیونات	شان کی جمع	

تنزیہہ	عیب سے پاک	
تضرع	گڑگڑانا	
ترشح	ظاہر ہونا	
تناسخ	ہندومت میں نظریہ آواگون	
خوردی	چھوٹا	

واضح ہو کہ یہ فرہنگ ابجدِ قمری کے مطابق ہے۔